اقتصادیات کا روحانی پہلو اسلام اور کیپٹلزم کا تقابلی مطالعہ

RIPHAH
INTERNATIONAL
UNIVERSITY

مقالہ نگار

محمد سیف اللہ خالد

رجسٹریشن نمبر: F20A14G45008

نگرانِ مقالہ

مفتی محمد احمد

شعبہ علوم اسلامیہ

فیکلٹی آف سوشل سائنسز اینڈ ہیومینٹیز

رفاہ انٹرنیشنل یونیورسٹی فیصل آباد کیمپس، فیصل آباد

نومبر، 2022ء

اقتصادیات کا روحانی پہلو اسلام اور کیپٹلزم کا تقابلی مطالعہ

RIPHAH
INTERNATIONAL
UNIVERSITY

یہ تحقیقی مقالہ ایم فل علوم اسلامیہ کی ڈگری کے تقاضوں کی جزوی تکمیل کے لیے پیش کیا گیا

مقالہ نگار

محمد سیف اللہ خالد

رجسٹریشن نمبر: F20A14G45008

نگرانِ مقالہ

مفتی محمد احمد

شعبہ علوم اسلامیہ

فیکلٹی آف سوشل سائنسز اینڈ ہیومینٹیز

رفاہ انٹرنیشنل یونیورسٹی فیصل آباد کیمپس، فیصل آباد

نومبر، 2022ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حلف نامہ

میں حلفاً اقرار کرتا ہوں کہ مقالہ ہذا بعنوان **"اقتصادیات کا روحانی پہلو اسلام اور کیپٹلزم کا تقابلی مطالعہ"** برائے حصولِ سند ایم فل علوم اسلامیہ میں نے خود لکھا ہے۔ جو امکانی حد تک اصل مصادر و مراجع پر مشتمل ہے۔ نیز اس سے پہلے یہ مقالہ کسی یونیورسٹی میں حصولِ سند کے لیے پیش نہیں کیا گیا۔ اس مقالہ کی تیاری میں کسی قسم کے سرقہ سے کام نہیں لیا گیا۔ میں اس مقالے کے تمام نتائج تحقیق کا ذمہ دار ہوں۔

محمد سیف اللہ خالد

دستخط۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

شعبہ علوم اسلامیہ

رفاہ انٹرنیشنل یونیورسٹی فیصل آباد کیمپس

تصدیق نامہ

میں تصدیق کرتا ہوں کہ مقالہ ہذا بعنوان **"اقتصادیات کا روحانی پہلو اسلام اور کیپٹلزم کا تقابلی مطالعہ"** برائے حصولِ سند ایم فل علوم اسلامیہ میری نگرانی میں مکمل کیا گیا ہے۔ اس مقالہ کی تیاری میں کسی قسم کے سرقہ سے کام نہیں لیا گیا۔ اور میں اس کے انداز تحریر و معیار تحقیق سے مطمئن ہوں۔ نیز یہ مقالہ کسی اور جامعہ / ادارہ میں حصول سند کے لیے پیش نہیں کیا گیا۔

دستخط نگران مقالہ

مفتی محمد احمد

شعبہ علومِ اسلامیہ

رفاہ انٹرنیشنل یونیورسٹی، فیصل آباد کیمپس

دستخط سیکٹری ریسرچ کمیٹی

محمد عمر راحیل

رفاہ انٹرنیشنل یونیورسٹی، فیصل آباد کیمپس

اظہار تشکر

صد ہا شکر اللہ رب العزت کا جس نے مجھے علم و تحقیق کا کام کرنے کی توفیق عطاء فرمائی اور میں اللہ رب العزت سے دعا گو ہوں کہ میرے اس کام کو شرف قبولیت عطاء فرمائے۔ اور بے شمار درود و سلام خاتم الرسل ﷺ کی ذات اقدس پر۔ اس کے بعد رفاہ انٹر نیشنل یونیورسٹی فیصل آباد کیمپس کے چیئر مین پروفیسر ڈاکٹر مدثر احمد و جملہ اساتذہ شعبہ علوم اسلامیہ کا شکر گزار ہوں۔ اللہ رب العزت ان کے علمی درجات بلند فرمائے اور علمی میدان میں ان کی سعیٔ جمیلہ کو شرف قبولیت سے نوازے اور شکر گزار ہوں اپنے انتہائی مشفق اور معاون نگران مقالہ مفتی محمد احمد کا جو اس مقالہ کے تکمیل کے ہر مرحلہ پر میرے مدد و معاون رہے۔ ان کی حوصلہ افزائی، توجہ اور شفقت کی وجہ سے میرا یہ مقالاتی سفر احسن طور پر طے ہو سکا۔ اللہ رب العزت سے ان کی دینوی و اخروی کامیابیوں کے لیے تہہ دل سے دعا گو ہوں۔

اور شکر گزار ہوں اپنے مادر علمی جامعہ اسلامیہ امدادیہ چنیوٹ کے محبوب اساتذہ بالخصوص میرے مربی و مشفق استاد محترم مولانا سیف اللہ خالد (استاذ الحدیث و ناظم اعلیٰ جامعہ اسلامیہ امدادیہ چنیوٹ) اور سید برہان الدین شاہ (شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ امدادیہ چنیوٹ) کا اور (والد گرامی) حافظ محمد حنیف و دیگر علمی شخصیات کا جنہوں نے مقالے کی تکمیل میں بھرپور تعاون کے ساتھ ساتھ مفید مشوروں اور دعاؤں سے نوازا۔ اور شکر گزار ہوں اپنے تمام محسنین اور معاونین کا جن کا تعاون ہر لمحے میرے ساتھ رہا اور مجھے تحقیقی امور میں رہنمائی اور مشاورت فراہم کی۔ اور شکر گزار ہوں اپنے والدین کریمین اور اپنی مخلص اور ہمدرد شریکہ حیات کا جن کی بے لوث دعائیں اور پر خلوص تعاون ہر پل میرے ساتھ رہا۔ دعا گو ہوں اللہ رب العزت انہیں دنیا و آخرت میں بہترین جزا سے نوازے۔ (آمین)

دعا گو

محمد سیف اللہ خالد

انتساب

اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات عالی

اور

جناب نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ذات اقدس کے

بعد

والدین اور جملہ اساتذہ کے نام

جن کی توجہ، کوششوں اور دعاؤں سے اس مقام پر پہنچا۔

☆رَّبِّ ٱرْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِى صَغِيرًا☆

مقدمہ

الحمد للہ رب العالمین والعاقبۃ للمتقین والصلاۃ والسلام علی رسولنا الکریم وعلی الہ واصحابہ اجمعین ومن تبعھم باحسان الی یوم الدین.امابعد!

ہر طرح کی تعریف و توصیف اور حمد و ثنا اللہ ذوالجلال کے لیے جو یکتا و تنہا ساری کائنات کا خالق و مالک اور رزاق ہے۔ ان گنت درود و سلام آقائے نامدار، سید الرسل، ختم الرسل ﷺ کی ذات اقدس پر۔

تعارفِ موضوع:

روح خدا کی قربت کی علامت ہے کیونکہ اسے خدا نے اپنی جانب براہ راست نسبت دی ہے اور روحانیت دو چیزوں کے مجموعے کا نام ہے، اللہ پر پختہ یقین واعتماد اور اللہ کو حاضر و ناظر جان کر اعلیٰ اخلاقی اصولوں کے تحت مخلوقِ خدا سے معاملہ کرنا۔ روحانیت کا دوسرا حصہ یہ ہے کہ انسان اسی دنیا کی زندگی میں مصروف رہے اور اللہ کو حاضر و ناظر جان کر ہر کسی کے حقوق کا خیال رکھے۔ ایک انسان پر سب سے بڑا حق اُس کی اپنی ذات کا ہے۔ غرض یہ کہ ہر وہ انسان جو کسی طریقے سے مخلوقِ خدا کو آرام اور آسانیاں بہم پہنچاتا ہے، وہ اللہ کی مخلوق کی خدمت کرتا ہے اور یہی خدمت انسان کو روحانی تسکین پہنچاتی ہے۔ اور روحانی تسکین کا سب سے ایک طریقہ یہ ہے کہ انسان اپنی معاش میں دیانت دار رہے۔

قرونِ اُولیٰ سے انسان انفرادی واجتماعی لحاظ سے اچھے معاش کے وسائل اور زندگی گزارنے کے اسباب کی تلاش میں لگا ہوا ہے۔ اس اہمیت کے پیشِ نظر دنیا میں مختلف ادوار میں متمدن اقوام نے اس کے لئے جامع منصوبہ بندی کی خاطر اپنا اپنا نقطۂ نظر قائم کیا۔ اٹھارویں اور انیسوی صدی عیسوی میں جب صنعتی ترقی کی وجہ سے دُنیا نے ایک نیا رُخ اختیار کیا تو مالیاتی نظام کو بھی بزعمِ خویش منظم کرنے کے لئے مختلف نظریئے ظہور پذیر ہوئے جن میں دو نظریوں کو کافی پذیرائی حاصل ہوئی اور عملی میدان میں بھی بہت زیادہ ترقی کی، یعنی سرمایہ دارانہ نظام(Capitalism) کا نظریہ اور اشتراکی نظام(Socialism) کا نظریہ۔

کیپیٹلزم (Capitalism) دنیائے معاش کا جدید ترقی یافتہ اور انفرادپسندی کے اُصول پر قائم ایک نظام ہے۔ اسے عدمِ مداخلت کا نظام یا آزادانہ معاشی نظام بھی کہتے ہیں۔ اس نظام میں حکومت عوام کی معاشی سرگرمیوں میں کوئی مداخلت نہیں کرتی اور زمینیں، کارخانے، دکانیں اور دیگر تمام ذرائع پیداوار افراد یا اداروں کی ملکیت میں ہوتے ہیں، وہ ان وسائل کو اپنی مرضی کے مطابق استعمال کرتے ہیں۔ افراد حکومت کی مداخلت کے بغیر اپنے اموال کے تصرّف میں آزاد ہوتے ہیں اور معاشی تنظیم منڈی کے حوالے ہوتی ہے ،رسدوطلب (Supply and Demand) کے فطری قانون کے تحت منڈی کا نظام خود بخود منظّم ہوتا ہے اور منافع کو زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ جبکہ اسلام کی اقتصادیات کا دارومدار اس امر پر ہے کہ اسلام کلّی طور پر نہ مال کی نفی کرتا ہے اور نہ اسے انسانی زندگی کا حقیقی مقصد ٹھہراتا ہے۔ دوسرے نظاموں کی بنیاد "مادہ پرستی" پر ہے کہ انسان کا

معیشت کے سوا کوئی اور بڑا مقصد دنیامیں نہیں۔لیکن اسلام میں حیاتِ انسانی کا بنیادی مقصد اللہ تعالی کی رضااورابدی سعادت ہے البتہ وہ وسائل جن کے لئے انسان دُنیاوی زندگی میں محتاج ہے،ناگزیر اورضروری ہیں۔اسلام انسانی فطرت کے موافق مال سے بقدرِ حاجت وضرورت مستفید ہونے کی ہرگز نفی نہیں کرتا بلکہ ایسے مال کو فضل اللہ وغیرہ جیسے الفاظ سے تعبیر کرتا ہے،البتہ مال کی اُس حیثیت کی ضرور مذمّت کرتا ہے جو انسان کو اُس کے مقصدِ اصلی سے غافل وبے پرواہ کرکے مقصدِ حیات بن جائے۔گویا کہ کیپیٹلزم کے نتائج کی صورت میں انسان میں پیسہ کمانے کی لالچ اور ہوس بڑھتی جاتی ہے جبکہ اسلام روحانیت کا دین ہے اور وہ معیشت کو فقط ضروریات کی تکمیل کا ذریعہ قرار دیتاہے اورحیاتِ انسانی کا اصل مقصد تزکیہ نفس کو قرار دیتاہے جو کہ روحانیت کی بنیاد ہے۔یہی وجہ ہے کہ اسلام نظامِ مالیات میں زکوۃ (طہارتِ مال) کو لازمی قرار دیتاہے۔

ضرورت واہمیت:

سرمایہ دارانہ نظام(Capitalism) میں ایک فرد کو یہ تعلیم دی جاتی ہے کہ وہ صرف اور صرف اپنے فائدے کی سوچے۔اسے دوسروں کے نفع ونقصان کی فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔جبکہ اشترکیت (Socialism)نے جن اقدار کو اپنے منشور میں بڑھاچڑھاکر پیش کیاانکے مطابق ایک فرد کی اجتماع کے سامنے کوئی اہمیت وحیثیت ہی نہیں ہے۔اس لئے انفرادی سطح پر ایک فرد کتنی بھی امتیازی خوبیوں کا حامل کیوں نہ ہو اور دوسروں کی بہ نسبت کتنا بھی زیاہ محنت کش اور سخت کوش ہی کیوں نہ ہو اسے وہی کچھ ملے گا جو ایک غبی ذہن، سست، اور کام چور کے حصے میں آئے گا۔اور اسی چیز کو یہاں پر مساوات کانام دیاجاتاہے۔ نتیجتاً سرمایہ دارانہ نظام(Capitalism)نے ایک انسان کو"خودغرضی اور خودخواہی"کے اس سحرا میں لاکھڑاکردیاکہ جہاں اسے اپنی ذات کے سوا کوئی دکھائی نہیں دیتا۔وہ خواب وبیداری کی حالت میں صرف اور صرف اپنے بارے میں سوچتاہے۔جبکہ دوسری جانب اشتراکیت (Socialism) نے"حبِ ذات"جیسی فطری اور بنیادی جبلت پر کاری ضرب لگاکرایک فرد کو"بے غرضی اور بے التفاتی"کی جھکڑبندیوں میں قید کرکے رکھ دیا۔اس افراط وتفریط سے مبراء اسلامی نظامِ معیشت میں اگرچہ ایک فرد کو انفرادی طور پر کوئی قدغن نہیں ہے کہ وہ مادی اور معنوی اعتبار سے اوجِ کمال تک پہنچے۔لیکن اس کا اوج کمال تک پہنچنا اسی صورت میں قابلِ تعظیم وتکریم ہے جب اس نے فلاح وکمال کے راستے پر گامزن رہنے کے ساتھ ساتھ دیگر افراد کو بھی اسی راستے پر چلنے کی دعوت دی ہو۔

بنیادی سوال:

1. روحانی واخلاقی ترقی کے بغیر اقتصادی استحکام کیامسائل پیداکرتاہے؟
2. کیا کیپٹلزم کی بنیاد پر حاصل اقتصادی استحکام میں روحانی اور اسلامی اخلاقیات کو ضم کیاجاسکتاہے؟

فرضیہ تحقیق:

اقتصادیات کے باب میں روحانی واخلاقی ترقی اقتصادی استحکام کااہم جزہے جس سے اقتصادی استحکام کے لئے مضر مسائل

کو دور کیا جا سکتا ہے۔

مقصد تحقیق:

بلاشبہ ہر موضوع پر کام کرنے کے کچھ نمایاں مقاصد ہوتے ہیں۔ اس موضوع پر کام کرنے کا مقصد یہ ہے:

- اسلام اور کیپٹلزم کی اقتصادیات میں روحانی پہلوؤں کی وضاحت کرنا اور ان کے بغیر اقتصادیات میں پیدا ہونے مسائل کو واضح کر کے ان کا سد باب کرنا۔

سابقہ کام کا جائزہ:

1- محمد بن الحسن الشیبانی (م189ھ /805ء) کی کتاب ''الاکتساب فی الرزق المستطاب'' جس میں کسب کی اقسام، معاشی ترقی کی اقسام، معاشی حاجات، زراعت اور تجارت کی ترغیب، اور رزق حاصل کرنے کی ترغیب، وغیرہ جیسے عنوان شامل ہیں۔

2- ''حجۃ اللہ البالغہ'' شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی کتاب میں باب البیوع اور کتاب الزکوۃ کے تحت اسی تصور کی طرف اشارات ملتے ہیں۔

3- ''اسلام کا اقتصادی نظام'' مولانا حفظ الرحمان سیوہاری۔

4۔ ''معاشیات اسلام، سود، اسلام اور جدید معاشی نظریات'' مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ۔

5- ''ہمارا معاشی نظام، اسلام اور جدید معیشت و تجارت اور اسلامی بینکاری کی بنیادیں'' مولانا تقی عثمانی۔

6- ''اشتراکیت اور اسلام'' مولانا مسعود ندوی۔

7۔ ''سرمایہ داری کے نقیب، دورس سرمایہ داری ایک تعارف'' جاوید اکبر انصاری۔

8-''سرمایہ داری کا مستقبل'' صابر علی۔

9۔ ''سرمایہ دارانہ نظام ایک تنقیدی جائزہ'' حافظ محمد احمد۔

10-International Encyclopedia of the Social Sciences, 2nd edition “William A. Darity Jr”.

11- ''اسلام میں روحانیت کا تصور'' علامہ عفیف عبد الفتاح۔

12۔ ''سرمایہ دارانہ اور اشتراکی نظام کا اسلامی معاشی نظام سے موازنہ'' علامہ شمس الحق افغانیؒ۔

اسی طرح مختلف جامعات میں سرمایہ داریت / کیپٹلزم کے حوالہ سے مختلف موضوعات پر کافی کام ہو چکا ہے لیکن با قاعدہ طور پر ''اقتصادیات کا روحانی پہلو اسلام اور کیپٹلزم کا تقابلی مطالعہ'' کے حوالہ سے ابھی تک جامعاتی سطح پر کوئی مقالہ نہیں لکھا گیا۔

تحدید موضوع:

مقالہ ہذا میں فقط کیپٹلزم اور اسلام کی اقتصادیات میں روحانی پہلو کا تقابلی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔

منہجِ تحقیق:

اس مقالہ کی تیاری میں HEC اور رفاہ انٹر نیشنل یونیورسٹی کے اصولِ تحقیق اور قواعد وضوابط کو مدِ نظر رکھا گیا ہے۔ پیش آمدہ احادیث و آثار کی تخریج مصادرِ اصلیہ سے کی گئی ہے۔ دورانِ تحقیق احادیث صحیحہ کا اہتمام کیا گیا ہے۔ تمام معلومات حتی الامکان بنیادی ماخذ سے حاصل کی گئی ہیں۔ بنیادی ماخذ کی عدم دستیابی کی صورت میں ثانوی ماخذ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

فہرست ابواب

نمبر شمار | عنوان | صفحہ نمبر

تفصیلِ ابواب

نمبر شمار　　عنوان　　صفحہ نمبر

باب اول

کیپٹلزم اور اسلام کے بنیادی اقتصادی افکار

فصل اول

اقتصاد / معاشیات - معنی و مفہوم و اصطلاحات

تعارفِ اقتصادیات:

اللہ رب العزت نے جب کائنات کو تخلیق کیاتو انسانی زندگی کی بقاء اور سلامتی کے لئے ایسی بے شمار انسانی خواہشات اور ضروریات بھی وجود میں آئیں جن کی یکے بعد دیگرے انسان کو ضرورت محسوس ہوئی۔زمانے کے مختلف تغیرات کے ساتھ ساتھ یہ ضروریات اور خواہشات بھی مختلف شکلوں میں سامنے آئیں۔زمانہ قدیم میں یہ دونوں مختصر اور سادہ تھیں لیکن گردشِ زمانہ اور ترقی تہذیب وتمدن نے ان میں بھی جدت اور اضافے کی راہ ہموار کردی۔انسان جیسے جیسے ترقی کرتا گیااِن کی اہمیت اور خاصیت میں اوراضافہ ہوتا گیا۔آخر کار یہ بہت سارے مراحل سے گزرکر آج کی موجودہ شکل اختیار کر گئیں۔
چنانچہ انسان کو بنیادی طور پر تن ڈھانپنے کے لیے کپڑا،بھوک کے مٹانے کے لیے غذا،طبی لحاظ سے برقراررہنے کے لیے دوا،رہن سہن کے لیے گھر،علمی پیاس بجھانے کے لیے ذرائعِ علم کی اشد ضرورت ہوئی۔جن کو پورا کرنے کے لیے انسان کو سخت جدوجہد کرنا پڑی،اس دوران قلتِ وسائل اورزیادتیِ ضروریات وخواہشات کی وجہ سے انسان کو بہت ساری مشکلات کاسامنا بھی کرناپڑا،آج بھی انسان کی ساری جدوجہد انہی وسائل کے حصول کے لیے ہے تاکہ خواہشات اور ضروریات کو پورا کیاجاسکے۔کیونکہ وسائل کم اور انسانی ضرویات و خواہشات زیادہ تھیں،ان کم وسائل کے زریعے کثیر خواہشات اورضروریات کی تکمیل کیسے ممکن ہے۔انسانی طرزعمل کے اسی پہلوکے مطالعہ کو اقتصادیات(معاشیات)کانام دیاگیاہے۔

لفظ اقتصادیات اور معاشیات:

یہ دونوں الفاظ استعمال کے اعتبار سے ایک دوسرے کے مترادف الفاظ ہیں۔

1۔اقتصادیات:

الاقتصاد"قصد یقصد قصداً "سے نکلاہے جس کے معنی ہیں"کسی بھی معاملے میں اعتدال اور میانہ روی اختیار کرنا"

امام راغب اصفہانیؒ لکھتے ہیں:

"القصد : استقامة الطريق، يقال:قصدت قصداًای نحوت نحوه ومنه الاقتصاد"[1]

القصد:کے معنی راستہ کاسیدھاہوناہے،کہاجاتاہے کہ قصدتُ قصداًیعنی میں نے اس کاقصد کیااور سیدھااس کی طرف گیا،اور قصد سے ہی اقتصادہے۔

جیسے قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَ اقْصِدْ فِیْ مَشْیِكَ"[2]

اور اپنے چلنے میں درمیانی چال سے چل۔

---

[1] اصفہانی،راغب،علامہ،مفردات القرآن(مترجم محمد عبدہ فیروزپوری)،ناشر شیخ شمس الحق عرفان افضل پریس،لاہور،س ن،ج2،ص293
[2] القمان:19

النہایہ میں ہے:

"القصد من الامورالمعتدل الذی لایمیل الی احدطرفی التفریط والافراط"[1]

"قصد" ان معتدل امور میں سے ہے جو کسی بھی افراط و تفریط کی حد سے نہ بڑھے۔

"الصحاح" میں علامہ جوہری "قصد" کا معنی بیان کرتے ہیں:

"القصد: بین الاسراف والتقتیر"[2]

"قصد" اسراف اور بخل کی درمیانی راہ کو کہتے ہیں۔

ابن منظور افریکی "لسان العرب" میں لکھتے ہیں:

"القصدفی المعیشۃ:ان لا یسرف ولایقتر"[3]

معیشت میں قصد سے مراد یہ ہے کہ نہ اسراف کیا جائے نہ ہی بخل کیا جائے۔

جدید معنیٰ اقتصادیات:

اقتصادیات کو جدید معنیٰ میں معاشی اور مالی امور سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اقتصادیات اصطلاح میں اس علم کو کہا جاتا ہے جس میں تقسیمِ دولت اور پیدائش دولت سے بحث کی جاتی ہے۔[4]

ڈاکٹر احمد الشرباصی علم الاقتصاد کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"الاقتصاد :علم یبحث فی کل یتعلق بالثروۃ والمال والتکسب والتملک والانفاق۔ والاقتصادیبحث ایضاً فی مسائل الانتاج والاستثمارومسائل الانتفاع والخدمات ومسائل الغنی والفقر"[5]

الاقتصاد: ایسا علم ہے جو ہر اس چیز سے بحث کرتا ہے جو مال وزر کی کثرت، زرق کے کمانے، کسی شے کا مالک ہونے اور خرچ کرنے سے تعلق رکھتی ہے۔

اور علم الاقتصاد پیداوار اور مال بڑھانے کے مسائل، نفع حاصل کرنے اور خدمات فراہم کرنے کے مسائل اور غناء و فقر کے مسائل پر بحث کرتا ہے۔

علامہ محمد اقبال اقتصادیات کا اصطلاحی مفہوم لکھتے ہیں:

"علم الاقتصاد اصل میں علم کا وہ اہم حصہ ہے جو دولت سے متعلق ہے۔ اور مقصد یہ علم حاصل کرنا ہے کہ کسی قوم کے دولت پیدا کرنے، تقسیم کرنے، مبادلہ واستعمال کے قوانین وطریقے کیا کیا

[1] ابن الاثیر، الجزری، مبارک بن محمد، النہایہ فی غریب الحدیث والاثر، المکتبہ الاسلامیہ لصاحبھا الحاج ریاض الشیخ، س ن، ج4، ص67

[2] الجوہری، ابی نصر، اسماعیل بن حماد، الصحاح تاج اللغۃ والصحاح العربیۃ، دار لحدیث القاہرہ، 1430ھ، ص944

[3] ابن منظور، لسان العرب، ناشر دار المعارف، قاہرہ، س ن، ص3642

[4] فیروزالدین، مولوی، فیروز اللغات، فیروز سنٹر، لاہور، س ن، ص105

[5] الشرباصی، احمد، الدکتور، المعجم الاقتصادی الاسلامی، مکتبہ دارالجیل، بیروت، 1401ھ، ص36

ہیں؟"[1]

مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی اقتصاد کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اقتصاد دراصل ایسے ذرائع کو کہتے ہیں جو مال وثروت پیدا کرنے اور استعمال کرنے کے درست طریقے اور اس کی خرابیوں کی اصل وجوہات بتا سکیں، یعنی اقتصادیات وسائل کے بارے میں بتاتا ہے اور ان کے درست یا غلط ہونے کا علم فراہم کرتا ہے"[2]

2۔ معاشیات:

معاش عربی زبان کا لفظ ہے جو "عیش یعیش عیشۃ" سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے زندگی گزارنا۔[3]

ابن منظور صاحبِ لسان العرب "العیش" کا معنی لکھتے ہیں:

"العیش: الحیاۃ، عاش یعیش عیشاً وعیشۃً و معیشاً ومعاشاً، والمعیشۃ :ما یعاش بہ"[4]

العیش کا معنی زندگی ہے جو عاش یعیش عیشاً سے ماخوذ ہے اور المعیشۃ سے مراد وہ (ذرائع) ہیں جن سے زندگی بسر کی جا سکے۔

محمد بن یعقوب فیروز آبادی "المعیشۃ" کا معنیٰ لکھتے ہیں:

"والمعیشۃ :التی تعیش بہامن المطعم والمشرب وماتکون بہ الحیاۃ وما یعاش بہ"[5]

اور معیشت سے مراد کھانے پینے کے وہ ذرائع ہیں جن پر زندگی کا مدار ہوتا ہے اور جن پر زندگی بسر کی جاتی ہے۔

اصطلاحی مفہوم کے اعتبار سے علم معاشیات وہ علم ہے کہ جس میں محدود وسائل سے لامحدود خواہشات کو تکمیل تک پہنچانے کے لیے انسانی طرز عمل کا مطالعہ کیا جائے۔

"Encyclopedia of Social Sciences" میں معاشیات کا اصطلاحی معنی ہے:

"Economics deals with a social phenomenon center about the provision for the material needs of an individual and of the organised group"[6]

معاشیات ایک سماجی رجحان کے مرکز سے تعلق رکھتی ہے جو کسی فرد اور منظم گروہ کی مادی ضروریات کی فراہمی سے متعلق ہے۔

پروفیسر مور لینڈ معاشیات کا مفہوم ان الفاظ میں کرتے ہیں:

---

[1] محمد اقبال، علامہ، ڈاکٹر، علم الاقتصاد، اقبال اکادمی، لاہور، 1977ء، ص27

[2] سیوہاروی، حفظ الرحمٰن، مولانا، اسلام کا اقتصادی نظام، ندوۃ المصنفین، دہلی، 1951ء، ص9

[3] نعمانی، عبد الرشید، لغات القرآن، دارالاشاعت، کراچی، س ن، ج3، ص383

[4] ابن منظور، لسان العرب، ص3190

[5] الفیروزآبادی، محمد بن یعقوب، القاموس المحیط، دارالحدیث القاہرہ، 1429ھ، ص116

[6] Edwin R.A.Seligman, Encyclopedia of Social Sciences, Macmillan Company,USA,1937,Vol.6, P.276

"اس علم میں دولت کی پیدائش اس کے صَرف اور اس کی تقسیم کے قوانین سے بحث کی جاتی ہے۔
بالفاظ دیگر یہ علم وضاحت کرتا ہے کہ وہ کیا وجوہات ہیں جن کی بنیاد پر افراد وا قوام دولت کماتی اور
اس کو کام میں لاتی ہیں"[1]

غلام باری معاشیات کا اصطلاحی مفہوم لکھتے ہیں:

"معاشیات معیشت کا علم ہے، یہ ایک ایسا علم ہے جس میں معیشت کا مطالعہ اس نظر سے کیا جاتا ہے
کہ انسانی ضروریات بے شمار ہیں لیکن اس کے وسائل محدود ہیں۔ انسان کے وہ اعمال جو ضرورت
رفع کرنے کے وسائل کی دستیابی میں کئے جائیں معیشت کہلاتے ہیں"[2]

مولانا مودودیؒ معاشیات کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"علم معاشیات میں انسان دولت کے بارے میں واقفیت حاصل کرتا ہے۔ یعنی یہ علم اکتسابِ دولت
کی طرف راہنمائی کرتا ہے"[3]

معلوم ہوا کہ اقتصادیات اور معاشیات لفظی طور پر الگ الگ ہونے کے باوجود اصطلاحی طور ان کا معنٰی اور مفہوم ایک ہی ہے،
دونوں میں پیدائشِ دولت اور تقسیم دولت پر بحث کی جاتی ہے۔

3۔ اکنامکس (Economics):

معاشیات کو انگلش میں اکنامکس (Economics) کہا جاتا ہے۔"Rhona c. Free" "جارج سیئول" کے حوالے سے
اکنامکس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ یونانی لفظ (Oiko nomos) سے ماخوذ ہے جس کے معنیٰ گھریلو نظم یا
گھر چلانے کا ضابطہ اور طریق کار کے ہیں۔

"the Ancient Greek οἰκονομικός (oikonomikos), "practiced in the management of a household or family" and therefore "frugal, thrifty", which in turn comes from οἰκονομία (oikonomia) "household management" which in turn comes from οἶκος (oikos "house") and νόμος (nomos, "custom" or "law")"[4]

قدیم یونانی οἰκονομικός (oikonomikos) "ایک گھر یا خاندان کے انتظامی امور" کو کہتے ہیں
اور یہ ہی وجہ ہے کہ یہ οἰκονομία (oikonomia) کفایت شعاری کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے
جس کا مطلب گھریلو انتظام انصرام ہے، یہ ہی وجہ ہے کہ یہ οἶκος (oikos "house")
اور νόμος کے معنیٰ "ناموس، کسٹم یا قانون" کے ہیں۔

---

[1] مور لینڈ، ڈبلیو، ایچ، مقدمہ معاشیات، (مترجم مولوی محمد الیاس برنی)، دارالطبع جامعہ عثمانیہ، حیدر آباد دکن، 1923ء، ص2

[2] غلام باری، معاشیات کا مطالعہ، مکتبہ اردو، لاہور، 1949ء، ص9

[3] مودودی، ابو الاعلیٰ، معاشیات اسلام، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، 1969ء، ص93

[4] Rhona c. Free, 21st Century Economics: A Reference Hand book,SAGE Publications, 2010, Vol.1,P.8

قدیم یونی اس لفظ کو مزید وسعت کے ساتھ شہری ریاست کے لیے بھی استعمال کرتے تھے جس کے لیے " political economy "کی اصطلاح معروف تھی بعد میں اکنامکس کے لیے استعمال ہونے لگا۔[1]

پروفیسر ایف، ڈبلیو، ٹاسگ، اکنامکس کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ہمارے علم کی کتابوں میں پولیٹیکل اکانومی (جس کے لیے عصر حاضر میں اکنامکس کا سادہ مگر جامع لفظ استعمال کیا جاتا ہے) کی تعریف عام طور پر علمِ دولت کی جاتی ہے، اس اصطلاح کے استعمال میں دولت کے مفہوم میں سب معاشی اشیاء بشمول سرکاری اشیاء، یا اشیاء عام شامل تھیں، خواہ وہ اصطلاح دولت ہو یا معاشی اشیاء، اس سے موضوعِ معاشیات بیان کرنے میں مدد ملتی ہے، اس اصطلاح کے مفہوم میں وہ سب اشیاء شامل ہیں جن کی انسان کو احتیاج ہوتی ہے "[2]

John V. Van Sickles and Benjamin A وغیرہ اکنامکس کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"Economics is a study of how people organize the use of resources to satisfy their wants"[3]

معاشیات اس بات کا مطالعہ ہے کہ لوگ اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے وسائل کے استعمال کو کس طرح منظم کرتے ہیں۔

مندرجہ بالا تعریفات سے واضح ہوا کہ اکنامکس ایک ایسے علم کا نام جس میں انسانی زندگی کو خوشحال بنانے کے لیے جن وسائل کی ضرورت ہوتی ہے ان کے حصول کے لیے انسانی سرگرمیوں کا مطالعہ کرنا۔

اقتصادیات مسلم مفکرین کی نظر میں:

وہ مسلم مفکرین جنہوں نے معاشات اور اقتصادیات میں قرآن وسنت کی روشنی میں اپنے اپنے نظریات پیش کئے ان کی آراء درج ذیل ہیں:

1۔ ابوالحسن الماوردی:

ابوالحسن الماوردی (م450ھ) اقتصادیات کو اپنی تصنیفات کا حصہ بناتے ہوئے اقتصادیات کی بنیاد مال کو قرار دیتے ہیں، جس کی وضاحت کرتے ہوے لکھتے ہیں:

"لان اللہ تبارک وتعالیٰ جعلھا قواماًللابدان وتلواٍلانفس،وسبباًلبقاء الاجسام،وحیاۃ للبشر،وآلۃلطلب المعانی،واداۃ لنیل الامانی،زینۃ للحیاۃالدنیا،وطریقاً الیٰ النجاۃ فی الاخرۃ والاولیٰ"[4]

---

[1] جارج سئول، عظماء کے معاشی نظریات، (مترجم ایم اختر؛ غلام رسول مہر)، وائیکنگ پریس، 1952ء، ص17

[2] ایف ڈبلیو ٹاسگ، اصول معاشیات، (مترجم مولوی رشید احمد)، دارالطبع جامعہ عثمانیہ، حیدر آباد دکن، 1937ء، ص1

[3] John V.Van Sickles;Benjamin A etc, Introduction to Economics, Nostrand company inc, New York, P.6

[4] الماوردی، ابوالحسن، علی بن محمد، الاحکام السلطانیہ والولایات الدینیہ، مکتبہ توقیفیہ، مصر، س ن، ص203

(مال کی اہمیت اس وجہ سے ہے) کہ اللہ رب العزت نے اسے بدنوں کے لیے قوام ، جسموں اور جانوں کی بقاءاور حیاتِ انسانی(کی بقاء)کا سبب بنایاہے،(علاوہ ازیں)عظمتوں کے حصول کا ذریعہ،(جائز)خواہشات کی تکمیل کاسامان،دنیاوی زندگی کی زینت اور دنیاواخرت میں نجات کاذریعہ بنایاہے۔

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

"والاموال ضربان: ظاہرة وباطنة، فالظاھرة مالایمکن اخفائہ کالزرع والثمار،والباطنۃمااامکن احفائہ من الذھب والفضۃ وعروض التجارۃ"[1]

مال کی دو قسمیں ہیں: ظاہری اموال اور باطنی اموال، ظاہری اموال اس مال کو کہتے ہیں جس کو چھپایا نہ جاسکے۔ جیسے پھل اور مویشی وغیرہ اور اموال باطنہ وہ مال ہے جسے چھپایا جاسکے، جیسے سوناچاندی اور سامان تجارت وغیرہ۔

2۔ امام غزالیؒ:

معاشیات کی تعریف کرتے ہوئے امام غزالیؒ(م505ھ) لکھتے ہیں:

"دنیامیں رہنابغیر کھائے پیئے ممکن نہیں ہے تویہاں رہ کر کمانا بہت اہم ہے، لہٰذا کمائی کرنے کے صحیح طریقوں کاادراک ہوناچاہیے"[2]

3۔ ابوزید عبد الرحمٰن (ابن خلدونؒ):

معاشیات کی تعریف کرتے ہوئے ابن خلدونؒ(م808ھ) لکھتے ہیں:

"ان المعاش ہو عبارة عن ابتغاء الرزق والسعی فی تحصیلہ"[3]

معاش رزق کی تلاش اور اس کے حصول کی جدوجہد کانام ہے۔

4۔ شاہ ولی اللہؒ:

شاہ ولی اللہؒ اٹھارہویں صدی کے عظیم ماہر معاشیات مانے جاتے ہیں جو کہ ایڈم سمتھ کے ہم عصر تھے معاشیات کی تعریف کرتے ہے لکھتے ہیں:

"ھو الحکمۃ الباحثۃ عن کیفیۃاقامۃ المعاملات والمعاونات والاکتساب علی الارتفاق الثانی"[4]

معاشیات وہ حکمت ہے جس میں معاملات کو قائم کرنے کی کیفیات ، امداد باہمی، معاشی وسائل اور آمدن سے متعلق بحث کی جاتی ہے۔

---

[1] الماوردی، ابوالحسن علی بن محمد، نصیحۃ الملوک، دارالحریہ، عراق،1986ء، ص409

[2] غزالی، محمد بن محمد، امام، کیمیائے سعادت، مکتبہ السلفیہ،لاہور، س ن، ص43

[3] ابن خلدون، ابوزید، عبدالرحمٰن بن محمد، تاریخ ابن خلدون، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ط الرابعہ، س ن، ج1، ص382

[4] شاہ ولی اللہ، الدہلوی، حجۃ اللہ البالغہ، المکتبہ السلفیہ،لاہور، س ن، ص43

اقتصادیات مغربی مفکرین کی نظر میں:

مغربی مفکرین سے مراد غیر مسلم مفکرین ہیں جنہوں نے معاشیات کی تعریف اپنے اپنے نظریات کے مطابق کی ہے۔اس علم کو مغرب میں رواج دینے والے مغربی مفکر ایڈم سمتھ ہیں جس نے اٹھارہویں صدی میں جدید معاشیات کی بنیاد رکھی،ان کے بعد متعدد مغربی مفکرین نے بھی اس عنوان پر قلم اٹھایا،جن کو تین گروہوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

1۔کلاسیکی مکتبہ فکر (Classical school of thought)

2۔نو کلاسیکی مکتبہ فکر(Neo Classical school of thought)

3۔جدید مکتبہ فکر(Modern school of thought)

1۔کلاسیکی مکتبہ فکر (Classical school of thought) :

اٹھارہویں اورانیسویں صدی میں معاشیات کے بارے میں مخصوص نظریات دنیامیں رائج تھے،اس وقت معاشیات "سیاسی معیشت"(Political economic)کے نام سے جانی جاتی تھی،معاشیات اپنے اس ابتدائی دور میں کوئی الگ معاشی مضمون کی حیثیت نہیں رکھتی تھی،اس دور کے ماہر سائنس دان،مفکرین،فلاسفہ،ریاضی دان اور ماہرینِ علوم سیاسیہ نے معاشیات پر مختلف نظریات فراہم کئے،جو کہ معاشی منڈیوں کو چلانے تک محدود تھے،اس کے علاوہ باقی معاشی سرگرمیاں مثلاً قیمتوں کا تعین،پیدائشِ دولت سے صَرفِ دولت تک کے تمام مراحل طلب ورسد کے فطری قانون کے ذریعے خود بخود طے پاتے تھے۔

چنانچہ معاشی نظام کو سب سے پہلے باقاعدہ طور پر متعارف کرانے والے کلاسیکی مکتبہ فکر کے ساتھ تعلق رکھنے والے ماہرین معاشات ہی تھے جن میں پہلا نام ایڈم سمتھ کا ہے جو کلاسیکی مکتبہ فکر کا بانی ہے۔جس نے اپنی تمام تر فکر اور صلاحیتیں معاشیات پر صرف کر کے معاشیات کو ایک الگ مضمون اور علم کا درجہ دیا اور بابائے معاشیات کا لقب حاصل کیا،1776ء میں ایڈم سمتھ نے مشہور زمانہ کتاب "The wealth of Nation"لکھ کر اپنی معاشی صلاحیت اور فکر کا آغاز کیا۔جو کہ معاشی میدان میں ان کا پہلا عظیم کارنامہ تھا۔

چنانچہ ایڈم سمتھ معاشیات کی تعریف اپنی اس کتاب میں بیان کرتے ہوۓ لکھتے ہیں:

> "Economics is the study of the nature and causes of nation's wealth or simply is the study of wealth"[1]

معاشیات پیدائش دولت،صرف دولت،تبادلہ اور تقسیم دولت کا مطالعہ ہے۔

اس مکتبہ فکر کے بڑے حامیوں میں "جے ایس مل(J.s Mill)،ڈیوڈ ریکارڈو (David Recardo) ،فرانس اے واکر(Francis A Walker)،چیپ مین(Chapman)اور مالتھس(Malthas) وغیرہ کے نام شامل ہیں۔جنہوں نے

---

[1]Adam Smith, An Inquiry into the Nature and Causes of the Wealth of Nations,Printed by J. J. Tourneisen,Mdccxci,1776,Vol.1,P.175

معاشیات کو دولت کا علم قرار دیتے ہوئے کلاسیکی مکتبہ فکر کے حامی ہونے کا حق ادا کیا اور دولت ہی کو تمام معاشی مسائل کا حل قرار دیا۔

2۔ نو کلاسیکی مکتبہ فکر (Neo Classical School of Thought):

کلاسیکی مکتبہ فکر کے پیش کردہ معاشی نظریات سے معاشیات کا تصور صَرفِ دولت ہی معلوم ہوتا تھا۔ لیکن نوکلاسیکی ماہرینِ معاشیات نے معاشیات کو اُس کلاسیکی معاشی تصور سے نکال کر معاشیات کو نہ صرف دولت کے علم کا نام دیا بلکہ اسے انسانی رویوں سے وابستہ علم قرار دیا۔ جو انسانی خواہشات سے لبریز معاشی رویوں کا تجزیہ کرتا ہے نوکلاسیکی معاشیات انہی نظریات کو ہی کہاجاتاہے جو دولت کو صرف اس لیے زیر بحث لاتے ہیں کہ ان کے ذریعے انسانی ضرورتوں کو پورا کیاجاتاہے۔ چنانچہ ایڈم سمتھ کی معاشیات کی تعریف اخلاقی مفکرین کی طرف سے مخالفت کا شکار ہوگئی جس کو دور کرنے کے لیے ماہرین معاشیات کا ایک گروہ میدان میں آیا جسے نوکلاسیکی مکتبہ فکر کہا جاتا ہے، جس کے بانی الفریڈ مارشل نے 1890ء میں جدید معاشیات پر اپنی شہرہ آفاق کتاب ” Principles of Economics “ لکھ کر اپنی معاشی فکر کا آغاز کیا، اس کے بعد معاشیات کے موضوع پر کئی مایہ ناز کُتب لکھیں جنہیں جدید دنیا میں خاصی پذیرائی حاصل ہے۔ ان میں 1919ء میں لکھی گئی کتاب ”Industry and Trade“ اور 1923ء میں لکھی گئی ”Money Credit and Commerce“ شامل ہیں، الفریڈ مارشل نے کئی ساری غلط فہمیوں کو دور کر کے اس انداز سے اپنی کتاب ” Principles of Economics “ میں معاشیات کی تعریف کی ہے:

> "Economic is a study of mankind in the ordinary business of life. It examines that part of individual and social action which is most closelconnected with the use of material requisites of wellbeing"[1]
>
> معاشیات میں انسان کے ان روزمرہ معاملات (سرگرمیوں) کا مطالعہ کیا جاتا ہے جو انسانی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ انفرادی اور سماجی عمل کے اس حصے کو ظاہر کرتا ہے جو فلاح و بہبود کی مادی ضروریات کے استعمال کے ساتھ سب سے زیادہ جڑا ہوا ہے۔

الفریڈ مارشل کے حامی:

اس کے حامیوں میں سے پروفیسر پیگو(Pigou)، جے ،بی، کلارک (J.B.Clark) ،ٹازگ(Taussig)اور ارونگ فشر(Irwing Fisher) شامل ہیں۔ جنہوں نے معاشیات کے علم کو مادی فلاح و بہبود کا علم قرار دیا ہے۔ جس میں مادی فلاح کے تصور کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اور وہ اپنی وضع کردہ تعریف میں درج ذیل چند نکات پر زور دیتے ہیں۔

1۔ مارشل کے نزدیک معاشرتی فلاح کے لیے صرف انفرادی نہیں بلکہ اجتماعی جدوجہد کی ضرورت ہے۔

2۔ مارشل نے معاشیات کو انسانی فلاح کا علم قرار دیا ہے۔

3۔ مارشل کے مطابق انسان کو اولیت حاصل ہے کہ تمام اشیاء دولت وغیرہ انسانی فلاح کا سامان ہے۔

---

[1]Marshall, Alfred, Principles of Economics, McMillon,London,1947,P.1

نوکلاسیکی تعریف پر تنقید:

لائینل رابنز(Lionel Robbins)اور اس کے حامی ماہرین معاشیات جن کے نظریات سائنس کے ساتھ ملتے ہیں انہوں نے مارشل کی تعریف کو بے جاہ مادی مفادات کے حوالے کر کے معاشیات کے مضمون کو محدود کر دینے کا اعتراض لگا کر رد کر دیاہے کہ فلاحی تعریف کی رو سے انسان صرف مادی سرگرمیوں سے فلاح حاصل کر سکتا ہے۔ جبکہ غیر مادی سرگرمیاں جیسے ڈاکٹر، انجینئر وغیرہ اور دیگر خدمات کے بغیر کبھی انسان کی فلاح میں اضافہ نہیں ہو سکتا۔[1]

3۔ جدید مکتبہ فکر (Modern school of thought):

مارشل اور ان کے نظریات کو نشانہ تنقید بنانے کے بعد ایک نیا مکتبہ فکر "جدید مکتبہ فکر" کے نام سے وجود میں آیا۔ جس کے بانی لائینل رابنز(Lionel Robbins)ہیں۔ جو کہ لندن کے سکول آف اکنامکس سے منسلک تھے۔ انہوں نے اپنی معاشی فکر کا آغاز 1923ء میں اپنی مشہورِ زمانہ کتاب "Nature and Significance of Economics" لکھ کر کیا۔ پروفیسر رابنز نے مارشل کے نظریات کو ٹھکرا کر کہا کہ اس تعریف سے علم معاشیات کا دائرہ محدود ہو تا ہے۔ اس لیے کہ اس تعریف میں مادی زندگی سے متعلق مسائل کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ اور جس فلاح کو مرکز و محور بنایا گیا ہے وہ بھی پیمائش کے قابل نہیں ہے۔ چنانچہ پروفیسر رابنز نے جدید معاشیات کی مقبول ترین تعریف جسے دنیا میں پذیرائی ملی اس نئے انداز سے کی ہے کہ انہوں نے معاشیات کو قلتِ وسائل اور لامحدود حاجات کے درمیان انسانی رویے کا علم قرار دیا ہے۔ چنانچہ پروفیسر رابنز معاشیات کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "Economics is the science that studies human behaviour as relationship between ends and scarce means with alternative uses"[2]
>
> علم معاشیات وہ سائنس ہے جو انسانی رویے کا اِس طور پر مطالعہ کرتی ہے، کہ محدود ذرائع کے ہوتے ہوئے لامحدود خواہشات کو پورا کرنے کے اور ذرائع کو متبادل مقاصد کے لیے استعمال کرنے کے درمیان تعلق ہے۔

پروفیسر رابنز کی تعریف کے اہم نکات:

پروفیسر رابنز نے انسانی حقیقتوں کو سامنے رکھ کر معاشیات کی تعریف کی ہے جو کہ درج ذیل ہیں۔

1۔ انسان میں لاتعداد خواہشات ہوتی ہیں۔

2۔ تمام خواہشات کی اہمیت ایک جیسی نہیں ہوتی۔

3۔ قلت ذرائع۔

4۔ محدود ذرائع کا متبادل استعمال۔

---

[1] ابو سالم، معاشیات کی ماہیت واہمیت، ہمدرد برقی پریس، دہلی، 1945ء، ص16

[2] Robbins Lionel,The Nature and Significance of Economics Science,Mcmillon London,1949,P.16

پروفیسر رابنز کی وضع کردہ تعریف کو ان کے ہم عصر مفکرین نے سراہاہے اوراس کی تائید کی ہے کہ یہ تعریف جامع ہے۔ جیسا کہ ڈاکٹر محمد نعیم صدیقی "پروفیسر جی جے سٹگر" کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"Economics is thestudy of principles governing the allocation of scare means among competing ends, when the objective of it is to maximize the attainment of the ends"[1]

معاشیات ان اصولوں کا مطالعہ ہے جو مختص ذرائع کے درمیان قلیل وسائل کی تقسیم کو کنٹرول کرناہے، جبکہ اس کا تقاضا حصولِ مقاصد کو زیادہ سے زیادہ کرناہے۔

لہٰذا رانبز کی اس تعریف کو مفکرین اور ماہر معاشیات کے ہاں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ان تمام مکاتب فکر کی تعریفات کا مجموعی طور پر جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے کوئی بھی تعریف جامع مانع نہیں ہے، کیونکہ وقت گزرنے کے ساتھ معاشیات میں جدت اور نئے نئے مسائل نے جگہ لے لی ہے، جن کی وجہ سے ان تعریفات کی وہ منزلت نہیں رہی، جیسا کہ ان مکاتب فکر کی تعریفات کے بعد معاشیات میں قومی آمدنی، روزگار، ٹیکسز، زرمبادلہ، خارجہ تجارت اور نت نئی پالیسیوں جیسے مسائل بہت اہمیت اختیار کر گئے ہیں۔ ماہرین معاشیات کا معاشیات کی تعریفات کے تعین سے کنارہ کشی کرنے کی یہ ہی وجہ ہے۔

اقتصادیات کا آغاز وارتقاء:

کائنات کی تخلیق ہی اقتصادیات کے آغاز کا سبب بنی، کیونکہ تخلیقِ کائنات نے انسانی ضروریات کو وجود بخشا اور انسان اپنی ان ضروریات کو پورا کرنے کی کوشش میں لگ گیا۔ لیکن یہ ضروریات مختصر تھیں جن کا دائرہ کار وسائل کی کمی کے باعث تنگ تھا، لوگ اپنے اپنے علاقے کے رسم ورواج کے مطابق زندگی گزاررہے تھے اور انہی رسومات کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی معاشی سرگرمیوں میں محنت کرتے تھے، رفتہ رفتہ انسان ترقی کی راہ پر گامزن ہوا، حاجات میں اضافے نے ان کی خواہشات میں جدت پیدا کردی، انسان نے مختلف طریقہ ہائے روزگار وضع کرنے کے ساتھ اپنی معاشی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے کچھ اصولوں پر مبنی معاشیات کا علم وضع کیا۔ مشہور فلاسفہ سقراط، افلاطون اورارسطو نے معاشرے کو اپنے فلسفیانہ اور مادیت پرست نظریات کے حوالے کر کے بعد میں آنے والے تمام علوم کے لیے اپنے ان نظریات کو محور بنادیا، جنہوں نے زندگی کا مقصد دنیا اور دنیاوی قدروں کو قرار دے دیا اور روحانی و آسمانی ہر رشتہ قطع کر دیا۔

لہٰذا انہی نظریات (جن کی بنیاد پر بعد میں جدید معاشی نظاموں "سرمایہ دارانہ نظام اوراشتراکیت" وغیرہ کی عمارت کھڑی کی گئی) نے معاشرے میں بے شمار مذہبی اور معاشی خرافات کو جنم دیا جن میں الٰہیات کا تصور نہیں تھا۔ آخر کار دنیا نے وہ دور بھی دیکھا کہ 571ء[2] میں آپ ﷺ دنیا میں تشریف لائے اور ایک ایسا نظام دیا کہ جس کی بنیاد الٰہیات پر ہے۔ یہاں سے اسلامی نظریہ بھی فلسفیانہ نظریہ کے ساتھ انسانی زندگی کی راہنمائی کے لیے میدان میں آیا۔

---

[1] صدیقی، محمد نعیم، ڈاکٹر، اسلام اور جدید معاشی تصورات، مکتبہ دانیال ندیم یونس پرنٹرز، لاہور، 2015ء، ص19

[2] مبارک پوری، صفی الرحمٰن، مولانا، الرحیق المختوم، (مترجم مولانا صفی الرحمٰن)، المکتبہ سلفیہ، لاہور، 2002ء، ص83

آٹھویں اور نویں صدی میں اسلامی مفکرین نے اسلامی فقہ کو مدون کیا جن میں:

1۔حضرت امام ابوحنیفہؒ (م767ء)، 2۔حضرت امام مالکؒ(م795ء)، 3۔حضرت امام شافعیؒ(م820ء)، حضرت امام احمد بن حنبلؒ(م855ء) کے نام شامل ہیں۔

ان آئمہ اربعہ نے جہاں باقی موضوعات پر قرآن وحدیث کی روشنی میں احکامات بیان کئے ہیں ان کے ساتھ معاشی معاملات پر بھی اسلامی تعلیمات کی روشنی میں مفصل احکامات بیان کئے ہیں۔

فقہ الاسلامی کی کتب میں "مؤطا امام مالک"،النسفیؒ کی "کنزالدقائق"،امام ابن حجر کی "تحفۃ"،امام نوویؒ کی "منهاج الطالبین"،الرملیؒ کی "نھایتہ"،الخراسانیؒ کی "الرموز" وغیرہ شامل ہیں، یہ فقہ الاسلامی کی وہ کتب ہیں جن میں درج ذیل تین اہم موضوعات کو زیر بحث لایا گیا ہے:

1۔عبادات،2۔عقوبات،3۔معاملات۔

ان میں معاملات کے ابواب معاشی، معاشرتی معاملات پر مشتمل ہیں جن میں معاشیات کے تمام احکام کو بیان کیا گیا ہے۔[1]

پھر اسی آٹھویں اور نویں صدی میں صرف معاشی مباحث پر الگ سے لکھی جانے والی کتب ان میں:

1۔کتاب الخراج: امام ابویوسفؒ(م798ء)،2۔کتاب الخراج: یحیی بن آدم القرشیؒ(م818ء)،3۔کتاب الاموال:ابوعبید القاسمؒبن سلام(م839ء)،4۔کتاب الاموال:ابو جعفر داؤدیؒ(م1042ء) وغیرہ شامل ہیں۔[2]

آٹھارہویں صدی میں جدید معاشیات کی بنیاد رکھی گئی جس کے بانی ایڈم سمتھ تھے جن کا تعلق سکاٹ لینڈ سے تھا 5جون 1723 کو پیدا ہوئے جنہوں نے معاشیات کے موضوع پر مشہور زمانہ کتاب "اقوام عالم کی دولت کی نوعیت اور اسباب پر تحقیقی مقالہ" (An inquiry into the nature and causes of the wealth of nations) کے نام سے لکھی۔ اور 9مارچ 1776ء میں شائع ہوئی جو باقاعدہ طور پر جدید معیشت کی بنیاد بنی۔[3]

اس سے پہلے جدید معاشیات کا علم باقاعدہ طور پر کتابی شکل میں نہیں تھا یہ وہ واحد شخصیت تھی جس نے جدید معاشی علم کو کتابی شکل دی۔ گو کہ معاشی نظریات تین بنیادی ادوار میں منقسم ہیں:

1۔یونانی، رومن اور اسلامی دور کے نظریات،2۔چودھویں صدی کے بعد سے لیکر اٹھارہویں صدی کے نظریات جیسا کہ تاجرانہ نظریات،3۔دورِ ایڈم سمتھ کے نظریات یہ ہی وہ دور ہے جس میں معاشیات نے ترقی کی، اور ایک الگ مضمون کی حیثیت حاصل کی۔

یہ اس جدید علم معاشیات کی ترقی کا ہی نتیجہ تھا کہ سرمایہ داری وجود میں آئی اور نو آبادیاتی توسیع کے نظریے کو اہمیت ملی، مفادات کا یہ ہی ٹکراؤ دو عظیم جنگوں اور صلیبی جنگوں کا سبب بنا۔

---

[1] صدیقی، محمد نعیم، ڈاکٹر، اسلام اور جدید معاشی تصورات، ص49

[2] ایضاً:ص51

[3] عباسی، محمد حسیب، اسلام اور جدید افکار، مکتبہ دانیال، لاہور، س ن، ص14

اقتصادیات کی اہمیت:

معاشیات کا تعلق انسانی زندگی کے مالی معاملات سے ہے۔ کہ انسان اپنی مادی ضروریات کو اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ وسائل سے کس طرح پورا کرتا ہے، انسان کی پیدائش اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ اسے زندہ رہنے کے لیے خوراک اور گھر کی ضرورت ہے۔ اس لیے معاشیات بھی اتنی ہی قدیم ہے جتنا کہ انسان قدیم ہے۔ زندگی کی بقا کے لیے انسان نے زمین میں اپنے رزق کو تلاش کیا، پہننے کے لیے لباس اور رہنے کے لیے غاروں کا رخ کیا، آبادی کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ ذرائع پیداوار میں کمی ہوتی گئی جن میں اضافے کے مختلف طریقوں کو بروئے کار لایا گیا اور معاشیات ایک علم کے روپ میں ڈھلتی گئی، ماہرینِ معاشیات نے اپنے مختلف نظریات پیش کرنا شروع کر دئے جس کے نتیجے میں علمِ معاشیات میں اختلافات نے جنم لیا، کبھی تو تعریفات میں اختلاف ہوا تو کبھی معاشیات کے علم اور فن ہونے میں اختلاف ہوا، ان سب اختلافات کے باوجود کسی شخص کی تعلیم مفید اور مکمل نہیں ہوتی جب تک وہ معاشیات کے بارے معلومات حاصل نہ کرلے، کیونکہ انسانی زندگی میں پیش آمدہ مسائل و واقعات کا معاشیات کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ مثلاً معاشی بحران، گرم و سرد بازاری، بجٹ، ٹیکسز، افراطِ زر، زرعی اصلاحات اور قیمتوں کا اتار چڑھاؤ یہ سب وہ چیزیں ہیں جن کو سمجھنے کے لیے معاشیات کی چیدہ چیدہ معلومات کا ہونا ضروری امر ہے۔
اس کے علاوہ معاشیات کا علم انسان کی ذہنی بصیرت اور صلاحیتوں میں اضافے کا سبب ہے۔ چنانچہ محمد عظیم فاروقی لکھتے ہیں:

> "اس ملی جلی دنیا کے مسائل کو سمجھنے کے لیے معاشیات ہماری بصیرت میں اضافہ کرتی ہے۔ اور ہمیں دانشمندانہ عمل کے لیے ایک مشعلِ ہدایت عطاء کرتی ہے۔ معاشیات کی عملی افادیت اس پر منحصر ہے کہ لوگ سوچ سمجھ کر کام کریں"[1]

دنیا اس وقت معاشی کشیدگی کا شکار ہے، اکثر ممالک بے روزگاری، افراطِ آبادی وزر، زرعی و صنعتی پسماندگی وغیرہ اس کے علاوہ اور بھی بہت سارے معاشی مسائل سے دوچار ہے، بعض اوقات معاشی پسماندگی وسائل کے صحیح استعمال نہ کرنے کی وجہ سے بھی ہوتی ہے، اس وقت ضرورت پیش آتی ہے کہ معاشیات کا مطالعہ کیا جائے، معاشیات معاشی پالیسیوں میں رہنمائی کر کے ملک کو غربت، بے روزگاری، دولت کی غیر منصفانہ تقسیم اور بے اعتدالیوں سے بچا سکتی ہے۔ ملکی وسائل کے صحیح استعمال میں معاشیات کا علم قومی آمدنی میں اضافہ کا سبب بن سکتا ہے، خصوصاً تقسیم دولت ایک بہت بڑا معمہ بن چکا ہے جس کے نتیجے میں امیر امیر تر اور غریب غریب تر ہوتا جا رہا ہے۔ اسلامی معاشی نظام اس مسئلہ میں مکمل راہنمائی کرتا ہے۔[2]
معاشیات کو معاشی ترقی میں ایک خاص اہمت حاصل ہے، لہٰذا ابو سالم لکھتے ہیں:

> "کسی ملک کی سالمیت کا بڑی حد تک دارومدار اس کی معاشی ترقی پر ہوتا ہے کیونکہ معاشی اعتبار سے کمزور ملک جلد استعماری قوتوں کے ہتھکنڈوں کا شکار ہو جاتے ہیں، اس علم سے مدد لے کر کمزور ملک

---

[1] فاروقی، محمد عظیم، پروفیسر، آیئے اسلامی معیشت سیکھیئے، مکتبہ اسلامیہ، لاہور، 2008ء، ص39
[2] ایم، اے قاسم، حکیم، حضور ﷺ بحیثیت ماہر معاشیات، علم و عرفان پبلیشرز، لاہور، 2003ء، ص57

اپنے لیے مناسب معاشی پالیسیاں مرتب کر کے اپنی معاشی حالت بہتر بنا سکتے ہیں"[1]

انسانی زندگی کی اکثر سرگرمیوں کا تعلق علم معاشیات سے ہے، انسان زندگی کا بیشتر حصہ معاشی جدوجہد میں گزار دیتا ہے، اوراس جدوجہد کے نتیجے میں خوشحال اور سکون دہ زندگی گزارنا چاہتا ہے۔شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:

"انسانوں میں خوشحال زندگی کا ہونا ضروری ہے کیونکہ اگر انسان بدحال اور تنگدست ہو تو مذہب واخلاق کے تقاضوں کو بالکل پورا نہیں کر سکتا۔اور اگر خوشحال ہو گا تو اس کی عادات اور مزاج بھی درست ہوں گے اوراخلاقی ومذہبی لحاظ سے بھی اچھا ہو گا،ان کے خیال میں انسان کا سب سے اہم مسئلہ یہ ہے کہ وہ معاشی طور پر خوشحال ہے یا بدحال ہے"[2]

معاشات کا علم جہاں کاروباری حضرات تاجروں، آجروں اور مزدوروں کے لیے اہمیت کا حامل ہے وہاں عام آدمی کے لیے بھی مفید ہے۔ تاکہ تاجر کو اس کے کاروبار میں قیمتوں کے تعین ، کاروباری سرگرمیاں ، ٹیکسز اور کرنسی کے مسائل میں معاون ہو، آجر کے لیے منافع کمانے میں عاملین پیدائش کے معیاری اشتراک جیسے مسائل علم معاشیات کے علاوہ تھکن کا شکار ہوں گے ، مزدور کو صنعت کاروں کے استحصال سے یہ ہی علم محفوظ رکھے گا، اور اپنی سوداکاری کے لیے انجمن کے قیام کی ترکیب اسی علم سے ملے گی۔

الغرض معاشی علم معاشرے کی تعمیر وترقی میں بھی معاون ومددگار ہے کہ یہ لوگوں کو ان کے حقوق وفرائض کی معلومات مہیا کرتا ہے۔ جس سے معاشرے میں بھائی چارہ، ہمدردی، محبت ، ایثار وقربانی کے جذبات اجاگر ہوتے ہیں جو ملک اور قوم کے لیے مفید ہیں۔

علمِ معاشیات کی اقسام:

ماہرینِ معاشیات علمِ معاشیات کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔

1۔ نظریاتی معاشیات(Theoretical economics)

2۔اطلاقی معاشیات(Applied economics)

1۔ نظریاتی معاشیات(Theoretical economics)

لا محدود خواہشات کو محدود وسائل / ذرائع سے پورا کرنے کے طرزِ عمل کو معاشی طرزِ عمل کہاجاتا ہے۔ماہرِ معاشیات اس معاشی طرزِ عمل کی بنیاد پر واقع ہونے والے حالات وواقعات کا بغور جائزہ لینے سے جو قوانین اور اصول اخذ کرتا ہے ان کو نظریاتی معاشیات کہاجاتا ہے۔پروفیسر غلام رسول نظریاتی معاشیات کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"انسان کی حصولِ مال ودولت کے لیے سعی، جدوجہد اور طرزِ عمل کا مشاہدہ کر کے جو اصول وقوانین

---

[1] ابو سالم، معاشیات کی اہمیت وماہیت، انجمن ترقی اردو ہند، دہلی، 1945ء، ص194

[2] قریشی، محمد طفیل، اقتصادی مسائل اور ان کا حل (شاہ ولی اللہ کی نظر میں)، یورپ اکیڈمی، اسلام آباد، 2005ء، ص38

وضع کئے جاتے ہیں وہ نظریاتی معاشیات کہلاتے ہیں"[1]

نظریاتی معاشیات کے مطالعہ میں۔ قانون رسد وطلب اور قانون تقلیلِ حاصل وغیرہ شامل ہیں۔

نظریاتی معاشیات کی اقسام:

نظریاتی معاشیات کی آگے مزید دو اقسام ہیں۔

1۔ جزوی معاشیات(Micro economics)

2۔ کلی معاشیات(Macro economics)

جزوی اور کلی معاشیات کی وضاحت جو کہ نظریاتی معاشیات کی اقسام ہیں انسائیکلوپیڈیا آف برطینیکا میں اس طرح ہے:

> "Micro economics is the part of economics that deal with the behaviour of such individual as consumers, business firms, traders and farmers. The other major branch of economics is 'Macro economics' in which the focus of attention is on aggregates the level of income in the whole economy, the volume of total employment, the flow of total investment and so forth"[2]

> مائیکرو اکنامکس معاشیات کا وہ حصہ ہے جو صارفین، کاروباری اداروں، تاجروں اور کسانوں جیسے فرد کے رویے سے نمٹتا ہے۔ معاشیات کی دوسری بڑی شاخ "میکرو اکنامکس" ہے جس میں پوری توجہ پوری معیشت میں آمدنی کی مجموعی سطح، کل روزگار کا حجم، کل سرمایہ کاری کے بہاؤ وغیرہ پر مرکوز ہے۔

جزوی معاشیات کی تعریف کرتے ہوئے ڈاکٹر اوصاف احمد یوں رقم طراز ہوتے ہیں:

> "ان تمام مسائل میں صرف ایک عنصر مشترک ہے کہ یہ سب کسی ایک فرد، کسی ایک فرم یا کسی ایک بازار کے معاشی اعمال یا معاشی فیصلوں سے متعلق ہے۔ اس لیے ان کا مطالعہ جزئیاتی معاشیات میں کیا جاتا ہے"[3]

جبکہ کلی معاشیات میں مجموعی طور پر پوری معاشیات کا مطالعہ کیا جاتا ہے، مثلاً قومی آمدنی اور روزگار، قومی بچت، مجموعی طلب ورسد، اور ان اسباب کا مطالعہ کیا جاتا ہے جو ان مجموعی مقداروں پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

2۔ اطلاقی معاشیات(Applied economics):

وہ قوانین اور اصول جو نظریاتی معاشیات میں اخذ کئے جاتے ہیں، ان کا کسی ملک کے مخصوص معاشی مسائل کو زیر بحث لاکر اس طرح اطلاق کرنا کہ ان کے مسائل کو حل کرنے کے لیے عملی تدابیر مرتب کی جائیں، ان کو اطلاقی معاشیات کہتے ہیں، اس میں کسی حکومت یا ریاست کے وسائل وذرائع کا تفصیلی جائزہ لے کر عملی اقدامات وضع کئے جاتے ہیں۔

---

[1] چیمہ، غلام رسول، پروفیسر، اسلام کا معاشی نظام، علم وعرفان پبلیشرز، لاہور، 2007ء، ص20

[2] Encyclopedia Britannica,William Benton Publishers,London,1943,Vol.6, P.264

[3] اوصاف احمد، ڈاکٹر، علم معاشیات اور اسلامی معاشیات، ایفا پبلیکیشنز، نئی دہلی، 2009ء، ص35

سعید احمد صدیقی اطلاقی معاشیات کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"جو لوگ معاشیات کو خالص علم قرار دیتے ہیں وہ دراصل اطلاقی معاشیات کے قائل ہیں جس کے مطابق نظریاتی معاشیات کو انسان کی مادی خوشحالی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے"[1]

معلوم ہوا کہ معاشیات کی انفرادی اکائیوں کا مطالعہ "جزوی معاشیات"، معیشت کا مجموعی طور پر مطالعہ "کلی معاشیات"، اور کسی بھی ملک کے اقتصادی مسائل کو حل کرنے کے لئے قوانین کا اطلاق کر کے حکمت عملی طے کرنا "اطلاقی معاشیات" کہلاتی ہے۔

[1] صدیقی، سعید احمد، معاشی تجزیہ، اورینٹ پبلیشرز، کراچی، 1977ء، ص48

فصل دوم

کیپٹلزم کے بنیادی اقتصادی افکار

سرمایہ داری تاریخ کے تناظر میں:

سرمایہ داری نے اس موجودہ شکل تک پہنچتے پہنچتے مختلف ادوار میں مختلف مراحل طے کئے ہیں، لہٰذا سرمایہ داری جن تاریخی ادوار میں مختلف مراحل سے گزری ہے وہ یہ ہیں:

1۔ یونانی دور، 2۔ رومن دور، 3۔ قرون وسطیٰ، 4۔ مغربی نشاۃ ثانیہ، 5۔ عقلیت کا دور۔

یونانی دور:

حضرت عیسیٰؑ کی آمد سے پانچ سو سال قبل یورپ کی جنوبی جانب بحیرہ روم پر ایک سلطنت جو کہ یونانی سلطنت کے طور پر جانی جاتی ہے واقع تھی۔ جس کے قدیم باشندے مذہبی طور پر بُت پرست تھے جن کے بڑے دیوتا کا نام "زوس" تھا، انہی دیوتاؤں کی قصہ، کہانیوں اور رسومات کو یہ لوگ عبادت سمجھتے تھے، الہامی تصور نہ ہونے کی وجہ سے اخلاقیات سے بہت ہی دور تھے، ان کا نظریہ کہ "کوہ اولمپس" جو کہ یونان میں واقع پہاڑی ہے اس پر ان کے دیوتاؤں کا مسکن ہے ان کو خوش کرنے کے لیے وہاں پہاڑی کے سامنے مختلف کھیل کھیلتے تھے، جس میں جیتنے والوں کو انعام واکرام سے بھی نوازا جاتا تھا[1]۔ ان کی معاشرت، روزمرہ کے معاملات زندگی اور اخلاقیات وسیاسیات یونانی فلاسفر (سقراط، افلاطون، ارسطو) کی مرہون منت تھے۔

فلسفہ جیسے علوم میں انتہا درجے کی مہارت رکھتے تھے، آج بھی علومِ فلسفہ کی بنیادیں انہی فلاسفر سے ہی ملتی ہیں، مذہب کو انسان کی ذاتیات تک محدود کر کے مذہب کی حدود صرف عبادت کے ساتھ ملانا اس کے علاوہ باقی تمام معاملات کو عقلی اصولوں کی بنیاد پر پرکھنا اسی تہذیب کا حصہ تھا۔ انہیں فلاسفر نے دنیا کو ایسے نظریات سے آگاہ کیا جو آج جدید علوم کی بنیاد ہیں[2]۔ نظام کے اعتبار سے یہ دنیا کی ایک پہلی جمہوری ریاست تھی۔[3]

یونانی اقتصادی تصور:

افلاطون اپنی مشہور زمانہ کتاب "جمہوریہ" میں خدا کی جگہ انسان کو آقائی حیثیت دے کر انسان کو معاشی واقتصادی حیثیت سے دو طبقوں میں تقسیم کیا ہے۔ "1۔ آزاد 2۔ غلام"۔ غلام آزاد کے ماتحت زندگی گزارتا تھا جس میں اصل حکومت مالدار کی تھی اور حکومت مالدار کی کفالت کرتی تھی، عدل وانصاف نام کا کوئی قانون نہیں تھا۔ اسی تقسیم سے ایک سرمایہ دارانہ معاشی نظام اور جمہوری حکومت تشکیل پائی۔[4]

---

[1] جلالپوری، علی عباس، روایاتِ تمدنِ قدیم، قدیمی کتب خانہ، کراچی، 7 اگست 1967ء، ص115- 119

[2] المیلاد، ذکی، اسلامی تہذیب وتمدن، تہذیبی مذاکرات کی اسلامی تاریخ، ماہنامہ دارالعلوم، دارالعلوم دیوبند، الہند، ج89، شمارہ 10، اکتوبر- نومبر 2005ء

[3] جلالپوری، علی عباس، روایاتِ تمدنِ قدیم، ص118

[4] سیوہاری، حفظ الرحمٰن، مولانا، اسلام کا اقتصادی نظام، شیخ الہند اکیڈمی، کراچی، س ن، ص 57

نیز آج کی جدید مغربی طرز زندگی کو دیکھا جائے تو ایسا نظر آئے گا کہ یہ قدیم یونانی تہذیب وثقافت ہے۔ جیسا کہ:

فیثاغورس:

یہ ایک یونانی فلاسفی اور حساب دان تھا، جو کہ ارسطو سے دوسو سال پہلے کے زمانے کا تھا، سورج گرہن اور حسابی بنیادوں پر موسیقی کو سب سے پہلے اسی نے ترتیب دیا، آج کے دور میں اسکول میں پڑھائے جانے والے ریاضی کے اصولوں اور مردوزن کے یکساں حقوق کا علمبردار بھی یہ ہی تھا۔[1]

یونانی فلسفہ کا فکری منہج:

یونانی فلسفہ کا اصل منہج ہیومن ازم کی بنیاد ہے۔ وہ یہ کہ اصل حقیقت انسان ہے اور انسان ہی خیر وشر کے تعین کا اصل معیار ہے۔[2]

تفریحات:

کھیل کود، تھیٹر، ڈرامے یہ بھی یونانی دور کی ایجادات تھیں۔ کھلاڑی اپنے کھیلوں میں برہنہ حالت میں حصہ لیتے تھے۔ اُن کا عقیدہ یہ تھا کہ ان کے یہ کھیل تماشے ان کے معبودوں کے لیے خوشی کا سبب بنتے ہیں، لیکن آج مغرب کھیلوں کو اپنی تفریحات کے طور پر بجالاتے ہیں۔[3]

رومن دور:

222 قبل المسیح میں سکندر اعظم کی وفات ہوئی اور یونانی سلطنت کا زوال شروع ہوا۔ رومن نے یونان پر حملے شروع کر دیئے اور فتوحات کا دروازہ کھل گیا جس کی بدولت رومن یونان پر قابض ہوتے گئے اور دیکھتے دیکھتے رومن دنیا کے نقشے پر ایک طاقتور سلطنت بن کر اُبھرے۔ رومن نے عسکری طور پر طاقت میں ہونے کی وجہ سے یونان پر غلبہ تو حاصل کر لیا لیکن نظریاتی طور پر پسماندہ ہونے کی وجہ سے ان کی فکر اور علوم وفنون، انتظام انصرام اور یونانی نظریات کو اپنی حکومت میں جگہ دی لہٰذا حکومت جسمانی طور پر رومن کی تھی اور نظریاتی طور پر یونان کی محتاج تھی۔[4]

رومن کا اقتصادی نظام اور تجارتی سرگرمیاں:

رومیوں نے غلبہ حاصل کرنے کے بعد ایسے ایسے اقدامات کئے جو ان کی ترقی کا سبب بنے۔ چنانچہ رومیوں نے ملک کے مختلف حصوں سے آمدورفت کے لیے سڑکوں کے تعمیراتی منصوبے پایا تکمیل تک پہنچائے جو کہ تاجروں کے لیے انتہائی فائدہ مند

---

[1] جلالپوری، علی عباس، روایاتِ تمدنِ قدیم، ص123

[2] ایضاً، ص126

[3] ایضاً، ص131

[4] محمد احمد، مفتی، تعارف تہذیب مغرب اور فلسفہ جدید، مکتبہ اسلامیہ، فیصل آباد، 2014ء، ص63

ثابت ہوئے۔ دور دراز علاقوں سے روم کی منڈی میں اشیا کی آمد و رفت شروع ہو گئی۔ جس کی وجہ سے ان کا تجارتی نظام مستحکم ہوتا چلا گیا اور معیشت مضبوط ہو گئی۔ لوگ دوسرے علاقوں سے زمینیں بیچ کر روم میں آباد ہونے لگے۔ جو کہ رومیوں کی ترقی کا راز تھا۔[1]

بینکاری:

رومیوں کے تجارتی نظام کے مضبوط ہونے کی وجہ سے تاجروں کو کاروبار بڑھانے کے لیے سرمائے کی ضرورت پڑتی تھی اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے سرمایہ داروں نے تاجروں کو سود پر قرض دینا شروع کر دیئے جو ابتدائی طور پر تو گھروں اور بازاروں میں میسر ہوتے تھے جن کا نام بسیلیکا(Basilica) تھا، بعد میں بنک کی شکل اختیار کر گئے اور روم کی تجارتی اور صنعتی سرگرمیوں کو قوت ملی۔ یہ ہی وہ تجارتی، معاشی اور بینکاری نظام تھا جس کی جدید شکلیں ہمیں آج کے اس دور میں دیکھنے کو ملتی ہیں۔ اور یہ سرمایہ داری کی طرف پہلی پیش رفت تھی جو بعد میں مختلف مراحل سے گزر کر ایک نظام کی شکل اختیار کر گئی۔[2]

یورپ اور عیسائیت کا فروغ:

حضرت عیسیٰؑ یروشلم کے قریب بیت اللحم[3] کے مقام پر پیدا ہوئے، حضرت عیسیٰؑ نے بنی اسرائیل میں مبعوث ہونے والے گزشتہ انبیاء کرام کے پیغامات، دعوت و توحید اور رسالت کا اعلان کیا، بنی اسرائیل کے اخلاق کو سنوانے کی جدوجہد کے ساتھ اپنی نبوت کا ڈیڑھ یا تین سالہ دورانیہ پورا کیا اور آسمانوں پر اٹھا لیے گئے۔ حضرت عیسیٰؑ کے اٹھائے جانے کے بعد عیسائیت کا یورپ میں ابتدائی دور ایک غیر معروف اور اجنبیت کا دور تھا، عیسائیت کو پہلے تین سو سال تک بُت پرستی، اخلاق رزیلہ اور معاشرتی جرائم کا سامنہ کرنا پڑا، بالآخر عیسائی مبلغین نے فلسطین سے یورپ کا رخ کیا اور بڑی تعداد میں یورپ کے مختلف علاقوں میں آباد ہوئے اور اپنے اخلاق، روحانیت اور تہذیب سے اہل یورپ کو متاثر کیا، یورپ میں اپنے مذہب کے فروغ کے لئے کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہیں کیا اور ہر قسم کے حالات کا مقابلہ دلجمی سے کیا، یہ ہی وجہ تھی کہ یورپین معاشرے میں سے اہل فکر لوگوں نے عیسائیت کا رخ کیا اور ان عیسائی مبلغین کو اپنے پیشوا کا مقام دینے لگے۔[4]

عیسائیت کی اسی محنت کا نتیجہ تھا کہ 324ء میں قسطنطین اعظم نے عیسائیت قبول کی اور 395ء میں ”تھیوڈوسیس“ نے روم میں عیسائیت کو سرکاری مذہب قرار دیا[5]۔ جس کی وجہ سے عیسائیت کو غلبہ حاصل ہوا اور اقتدار میں جگہ ملی۔ بعد ازاں جب عیسائیت کے مذہبی راہنماء پطرس شہید ہوئے تو اس وقت کے کفر کو عیسائیت کی اس روحانی و اخلاقی اقدار میں نقب زنی کا

---

[1] محمد احمد، مفتی، تعارف تہذیب مغرب اور فلسفہ جدید، ص63

[2] ایضاً، ص82

[3] محمد احمد، حافظ، سرمایہ دارانہ نظام ایک تنقیدی جائزہ، الغزالی پبلیکیشنز، کراچی، 2009ء، ص15

[4] انصاری، جاوید اکبر، ڈاکٹر، سرمایہ داری کے نقیب، لیکسی بکس، لاہور، 2019ء، ص13

[5] شاہد، ایس ایم، تاریخ یورپ، ایس ایم شاہد، اردو بازار لاہور، س ن، ص09

موقع ملا اور دست مصالحت بڑھایا۔ وہ تعلیمات اور احکامات جو حضرت عیسیٰؑ لے کر آئے تھے ان میں دراڑیں ڈال کر ان میں اپنے کفریہ عقائد (عقیدہ تثلیث) اور رسومات (دیومالائی رسوم ورواج کرسمس، ایسٹر اور اپنی تہذیب) کو داخل کر دیا، اس کام کو سرانجام دینے والا "پال(Paul)" تھا[1]۔ یہ ہی عقیدہ تثلیث جس فلسفہ (انسان کی ذات میں خدا کا حلول) کی بنیاد پر قائم ہوا تھا، یورپ میں انسان پرستی کی بنیاد ثابت ہوا۔

قرون وسطیٰ:

486ء سے لیکر 1495ء تک عیسائیت معاشرتی اعتبار سے یورپ پر غالب رہی۔ لیکن ان ہزار سالوں میں عیسائیت وہ اخلاقی اور روحانی اقدار جس کی وجہ سے اسے مقبولیت حاصل تھی ان کو مستحکم نہ رکھ سکی۔ اسی دور کو تاریخ میں "قرون وسطیٰ" (Dark Ages) تاریک دور کہا گیا ہے۔[2]

رومی سیاست اور چرچ:

اسی دور میں مذہب پوپ کے مرہون منت ہونے کے ساتھ ساتھ سیاست کی پشت پناہی بھی پوپ کر رہا تھا، پوپ کا دعویٰ تھا کہ پوپ روحانی پیشوا (جو کہ ایک اعلیٰ منصب ہے) ہونے کی وجہ سے اپنے سے کم منصب والے وقت کے حکمران کو اقتدار دینے یا نہ دینے کا اختیار رکھتا ہے، اسی کا فیصلہ حتمی ہوتا تھا چنانچہ 1075ء میں پوپ نے "ہنری چہارم" جرمنی کے بادشاہ اور "جون" انگلینڈ کے بادشاہ کو تخت سے اتارنے کے حکم صادر کئے۔[3]

لہٰذا اتنے اختیارات ہونے کے باوجود سیاست کو برقرار رکھنے کے لیے ان کے پاس کوئی بنیادی اصول نہیں تھے جس سے ایک معاشی اور اجتماعی زندگی کو چلایا جاسکے، اور حکومت کی عسکری ضرورت پر بھی ان کا جواب مسکنت، عدم تشدد اور عاجزی کا ہوتا تھا، الغرض عیسائیت کے پاس کوئی ایسا نظام نہیں تھا جس پر ایک حکومت کا ڈھانچہ کھڑا کیا جاسکے جو معاشرے میں معاشی، معاشرتی اور سیاسی استحکام قائم کرسکے۔[4]

رومی معیشت اور چرچ:

چرچ اپنی تمام کمزوریوں کے باوجود معاشی و اقتصادی سرگرمیوں کی پشت پناہی میں اس طرح سرگرم رہا کہ مذہب کے نام پر حکومتیں چرچ کو سالانہ خراج ادا کرتیں تھیں جو کہ ایک بھاری رقم بنتی تھی، نکاح ناموں، وصیت ناموں کی فیسیں مقرر تھیں، گناہوں کی بخشش اور اجر وثواب کے لئے الگ سے جائیدادیں چرچ کو وقف کرنے کا رواج تھا، یہ ہی وجہ تھی کہ مالی

---

[1] انصاری، جاوید اکبر، ڈاکٹر، سرمایہ داری کے نقیب، ص14؛ محمد احمد، حافظ، سرمایہ دارانہ نظام ایک تنقیدی جائزہ، ص15

[2] امینی، محمد تقی، مولانا، لامذہبی دور کا تاریخی پس منظر، مکی دارالکتب، لاہور، 1996ء، ص41؛ محمد شارق، حافظ، اسلام اور مذاہب عالم، ڈبلیو آر (1) ماڈیول، مذاہب عالم کا بنیادی تعارف، س ن، ص58

[3] شاہد، ایس ایم، تاریخ یورپ، ص15

[4] ایضاً، ص10

اعتبار سے چرچ کوئی اس وقت کے شہزادوں اور ساہوکاروں سے کم نہیں تھا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ چرچ کے نمائندے جاگیر دار بن گئے[1]۔ اس طرح یورپ ایک ایسے معاشی نظام کی لپیٹ میں آگیا جسے اصطلاح میں "جاگیر دارانہ نظام" (Feudal System) کہا جاتا ہے، جو کہ درج ذیل خصوصیات کا حامل تھا:

1۔ اقتدار کی بنیاد زمین کی ملکیت تھی۔ جس کے پاس زمین ہوتی طاقت عزت شہرت کا حق صرف اسے ہی حاصل ہوتا۔ اپنے علاقے کے انتظام و انصرام کی باگ انہی کے ہاتھوں ہوتی، رؤساء اور بڑے جاگیر داروں تک رسائی انہی کی ہوتی، علاقے کے غیر زمیندار لوگ ان زمینداروں کے ماتحت زندگی گزارتے، جو کہ مزارع یا صنعت حرفت کی شکل میں ان کی رعیت کہلاتے، پھر وہ رعیت بھی درجات کے اعتبار سے مختلف طبقات میں منقسم تھی سب سے اوپر علاقے کا وہ خاندان ہوتا جو اپنے ماتحتوں پر اپنے خدائی احکامات جاری کرتا رہتا تھا اور سب سے نیچے وہ لوگ ہوتے جو ان جاگیر داروں کے رحم و کرم پر اپنی زندگیاں بسر کرتے تھے۔

2۔ چرچ جو کہ خدائی مذہب کا دعویدار تھا، لیکن خدائی قانون اور راہنما اصولوں سے خالی تھا، اس نے جاگیر داروں کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر ان کی روایات، اصول، گو ان کے سارے نظام کو مذہبی ڈھانچے میں ڈھال دیا، ہر رسم پر شریعت کا لیبل لگاتا گیا اس نظام کے سارے خیالات کو عقیدہ کے حیثیت ملتی گئی جن کی مخالفت کفر اور خدائی دین سے منحرف ہونا قراد دیا گیا، چرچ کے زیرِ سایہ جاگیر داری نظام کے تحت جو بھی نظام جڑتا گیا وہ خدائی نظام بنتا گیا، چاہے وہ معاشی، معاشرتی یا سیاسی نظام ہی کیوں نہ ہو۔

3۔ تجارت کے لیے کوئی ایسا نظام نہیں تھا جو تاجروں کے ذرائع آمد و رفت کے لیے کافی ہو جاتا، اس لئے ایک وسیع تجارت جس سے ضروریات زندگی، معاشرتی و معاشی نظام پروان چڑھتا اور صنعت کاری وسیع پیمانے پر ہوتی ان پر جاگیر دار اپنا تسلط قائم کئے ہوئے تھے۔

4۔ جاگیر داروں کے ماتحت رعیت "صنعت و حرفت" کے مختلف پیشوں کو لیکر مختلف برادریوں میں بٹ گئی، ہر ہر برادری نے اپنے اپنے پیشہ کو اس طرح لازم پکڑ لیا کہ ان کا تعارف اسی پیشہ کے نام سے ہونے لگا۔ یہ پیشہ وارانہ لوگ اجناس کے بدلے اپنے ہنر کا یا اپنی تیار کی ہوئی چیزوں کا تبادلہ کرتے جو وقتی ضرورت کے تحت تیار کی جاتیں، جس کی وجہ سے معاشرہ نئی نئی ایجادات، ترقی اور سرمایہ کاری سے محرومی کا شکار رہا۔[2]

یہ جاگیر داری نظام اپنی تمام خصوصیات کے ساتھ مضبوط سے مضبوط تر ہو گیا، اور یورپی تہذیب و تمدن اور معاشرت میں اس طرح راسخ ہو گیا کہ اس کے علاوہ نظام کا تصور تک بھی زہنوں میں نہیں تھا۔ اسی دور میں مسلمانوں نے اس یونانی علمی ورثے کو جو اقتدار کی خواہش میں عیسائیت کھو بیٹھی تھی ان علمی نسخوں کو مترجم کر کے کتب خانوں کی زینت بنایا۔ یہ مسلم اسکالرز ہی تھے جو یونانی علوم کے وارث بنے اور ان علوم کے احیاء اور ارتقاء میں جد وجہد کر کے لاتعداد علمی نسخے تصنیف کئے، جبکہ

---

[1] شاہد، ایس ایم، تاریخ یورپ، ص 15

[2] مودودی، ابو الاعلیٰ، اسلام اور جدید معاشی نظریات، ص 10؛ امینی، محمد تقی، مولانا، لامذہبی دور کا تاریخی پس منظر، ص 41

عیسائیت نے اپنے تسلط کے دور میں اسلام کو بری نظر سے ہی دیکھا۔[1]

مغربی نشاۃ ثانیہ:

تیرہویں صدی میں مسلم دنیا کی علمی اور فنی ترقی کو دیکھ کر کیتھولک چرچ میں علم کی اہمیت راسخ ہونے لگی، کیتھولک کے تعلیمی اسکول علمی مراکز بننے لگے، آہستہ آہستہ یورپ کی علمی پیاس بڑھتی گئی اور مسلم علمی عربی ذخیروں کے لاطینی زبان میں تراجم شروع کر دیئے "سسلی، ٹولیڈو" میں مسلم عربی ذخیروں کے تراجم کے لیے اپنی کوششوں کو تیز تر کر دیا، ان تراجم کی حفاظت اور اشاعت کے لیے مختلف مقامات (فرانس، اسپین اور برطانیہ) پر مختلف ادارے اور مطالعاتی مراکز قائم کئے گئے جس دوران ان کو یونانی مفکرین(ارسطو، افلاطون) اور ساتھ ہی مسلم مفکرین (جابر بن حیان، ابن رشد، ابن سینا، ابن الہیثم اور ابوالقاسم الظاہروی) اور دیگر اسکالرز کے علمی اثاثوں سے بھرپور مستفید ہونے کا موقع ملا، اور ان علوم کو اپنے علمی مراکز کی زینت بنا کر از سرِ نو زیرِ بحث لایا گیا جس سے مغربی تہذیب ایک بار پھر یونانی راہوں پر گامزن ہوئی اور نئی دریافتوں کا آغاز ہوا۔ جسے تاریخ "تحریک نشاۃ ثانیہ" کے نام سے موسوم کرتی ہے۔ جو کہ 1300ء میں اطالیہ سے شروع ہو کر 1500ء تک پورے یورپ میں چھا گئی۔[2]

ولندیزی مفکر "اراسمس" (Erasmus) کا اس تحریک کے سرکردہ بانیوں میں شمار ہوتا ہے، جو نظریاتی طور پر ہیومنسٹ تھا عیسائی فکر میں قدیم الحادی اور یونانی فکر کو پیوست کرنے کا خواہاں تھا، انہی نظریات کے سبب یورپ میں وہی قانون، فلسفہ، جمہوریت، معاشی اور معاشرتی نظم ایک نئے انداز سے مغرب کے افق پر ابھرا، جو یونانی دور میں ارسطو، افلاطون جیسے فلاسفر دے کر گئے تھے۔[3]

عقلیت کا دور:

نشاۃ ثانیہ سے مغرب میں عقلیت پرستی نے جنم لیا جس سے مختلف نظریے وجود میں آئے، عیسائی تہذیب کی رگوں میں عقلیت پرستی گردش کرنے لگی، غیر معقول نظریات ان کے نزدیک بے معنیٰ تصور ہونے لگے، فکر و نظر میں وسعت پیدا ہوگئی، عیسائیت کا کمزور دعویٰ کہ "عیسائی علمیت، عقائد و نظریات کو ارسطو کے عقلی دلائل سے ثابت کیا جاسکتا ہے" اسے جدید سائنس نے جھوٹا ثابت کر دیا۔ اور سائنس نے عیسائیت کے لئے یہ ثابت کر دیا کہ انسانی تجربہ، مشاہدہ اور تفکر کائناتی قوتوں کو ادراک کے ذریعے اپنے تابع کرنے میں کسی وحی کا محتاج نہیں ہے، وحی جو کائنات میں تغیر کا تصور پیش کرتی ہے وہ حقیقت سے ماوراء ہے۔ ڈیکاٹ اور نیوٹن دو فلسفی اسی دور کے عقلیت پسند فلسفی تھے۔[4]

---

[1] امینی، محمد تقی، مولانا، عروج وزوال کا الٰہی نظام، ص160

[2] شاہد، ایس ایم، تاریخ یورپ، ص18؛ بسرا، خالد فاروق، جدید تہذیب، ناشر النور پبلیکیشنز، لاہور، س ن، ص65

[3] انصاری، جاوید اکبر، ڈاکٹر، دروس سرمایہ داری ایک تعارف، الغزالی پبلشر اینڈ ڈسٹری بیوٹر، کراچی، 2021ء، ص33

[4] انصاری، جاوید اکبر، ڈاکٹر، سرمایہ داری کے نقیب، ص16

سرمایہ دارانہ نظریات

تحریک اصلاح (مارٹن لوتھر):

سولہویں صدی میں مارٹن لوتھر نے تحریک اصلاح کے نام سے ایک تحریک چلائی جس کا مقصد چرچ کے عیسائی مذہب کو خرافات، توہمات، رسم و رواج اور بدعتوں سے سنوارنا تھا جس پر اس نے 95 نکات پر مشتمل ایک دستاویز تیار کی اور 21 اکتوبر 1517ء کو "ونٹبرگ" کے گرجاگھر کے دروازے پر آویزاں کر کے پوپ کے خلاف بغاوت کا علان کر دیا جس سے ایک نیا فرقہ وجود میں آیا جسے پروٹسٹنٹ protestant کہا جاتا ہے[1]۔

ابتداءً یہ تحریک ایک مذہبی اصلاح کا نعرہ لے کر کھڑی ہوئی لیکن بعد میں یہ تحریک پرانے سیاسی، معاشی (جاگیر دارانہ نظام) اور معاشرتی افکار کے تغیر اور لبرل ازم کے ارتقاء کا سبب بنی۔[2]

پروٹسٹنٹ کے بنیادی افکار:

پروٹسٹنٹ کے بنیادی افکار درج ذیل ہیں۔

1۔ ہر عیسائی کو بائبل کی تفسیر کرنے کا مکمل، یکساں اور مساوی حق ہے۔

2۔ خدا اور بندے کا باہمی تعلق حضرت عیسیٰؑ کی دوسری آمد تک ختم ہو چکا ہے۔

3۔ کسی کو کسی کے معاشرتی مرتبے کے تعین کا کوئی مذہبی استحقاق حاصل نہیں ہے۔

4۔ دینوی کامیابی کو اخروی کامیابی کا پیش خیمہ سمجھا جائے۔[3]

یہ ہی وہ بنیادیں تھیں جس سے معاشرے میں "آزادی، مساوات اور عقلیت" جیسے تصورات نے جنم لیا۔

سیکولرازم:

پروٹسٹنٹ کے افکار کے نتیجے میں "آزادی، مساوات اور عقلیت" جب لوگوں میں پیوست ہونے لگی اور عیسائیت میں ہر چیز کو عقل کی کسوٹی پر پرکھا جانے لگا۔ تو چوتھی صدی کے عیسائی راہب آگسٹائن (Saint Augustine) کے نظریہ کی طرف عدول کیا، کیونکہ عقل کے ذریعے اہداف تک رسائی تو ممکن تھی لیکن اچھائی اور برائی کو پہچاننے کا کوئی معیار عقل کے پاس نہیں تھا۔ اس عقلی کمزوری کو عیسائیت نے سیکولرازم کے ذریعے دور کیا۔[4]

سیکولرازم نے مجموعی طور پر انسانی زندگی کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔

1۔ انفرادی زندگی (عقائد، عبادات، رسومات)

---

[1] شاہد، ایس ایم، تاریخ یورپ، ص43

[2] محمد احمد، حافظ، سرمایہ دارانہ نظام ایک تنقیدی جائزہ، ص18

[3] ایضاً، ص47

[4] انصاری، جاوید اکبر، دروس سرمایہ داری ایک تعارف، ص26

2۔ اجتماعی یا سماجی زندگی (معاشرت، معیشت، سیاست)

حافظ محمد احمد، کاشف علی شیخ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"سیکولرازم نے مجموعی طور پر انسانی زندگی کو دو خانوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ ایک سماجی زندگی اور دوسری ذاتی زندگی، سماجی زندگی سے اس نے مذہب کو بالکل علیحدہ کر دیا تھا اور اس کی جگہ عقلیت کی بالادستی تسلیم کر لی تھی دوسرا حصہ جو انہوں نے ذاتی زندگی کے نام سے رکھا تھا اس میں عقلیت اور ریاستی نظام کو بے دخل کر دیا تھا اور اس کی جگہ مذہب کو دے رکھی تھی" [1]

معلوم ہوا کہ انسان کی اجتماعی یا سماجی زندگی سے مذہب کو خالی کر دینے کا نام سیکولرزم ہے۔ چنانچہ سیکولرازم نے انفرادی زندگی سے عقلیت کو نکال کر اسے مذہب کے ساتھ اور اجتماعی یا سماجی زندگی سے مذہب کو نکال کر عقلیت کے ساتھ منسلک کر رکھا تھا۔ جس کے ذریعے وہ سارا نظام چلاتے تھے۔

لبرل ازم:

اس تحریک کا بانی برطانوی فلسفی "جان لاک" (John Locke) تھا جس نے سولہویں صدی عیسوی میں اس تحریک کا آغاز کیا۔ یہ ایک سیاسی تحریک تھی جو معاشرتی اعتبار سے فرد کی آزادی، نظام کے اعتبار سے جمہوری نظام حکومت اور معیشت کے اعتبار سے تجارتی آزادی کا منشور لے کر نکلی۔ [2]

1۔ لبرل معاشرتی تصور:

لبرل تحریک نے معاشرتی استحکام کے لیے "فرد کی آزادی" کا تصور پیش کیا، جس کا مطلب یہ ہے کہ انسان مطلق العنان ہے۔ زندگی کے ہر شعبہ میں انسان مکمل طور پر آزاد ہے، اس کی عملی زندگی میں کسی قسم کی رکاوٹ اس پر اثر انداز نہیں ہو سکتی۔ وہ رکاوٹ اخلاقی بندش ہو، مذہبی ہو یا رسمی۔ ہر انسان یہ حق رکھتا ہے کہ وہ اپنی قوتوں اور اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر زندگی کے سفر میں ترقی حاصل کرے۔ [3]

لبرل معاشی تصور:

معیشت میں لبرل ازم "آزادیِ تجارت" کا تصور دیتا ہے۔ جس میں فرد خود ہر قسم کی انفرادی کوشش میں آزاد ہے، جس میں نہ کوئی حکومت دخل اندازی کا حق رکھتی ہے نہ ہی کوئی قانون اور مذہب اس پر حد بندی کر سکتا ہے۔ جس سے پیداوار میں بڑھوتری ہو گی اور تقسیم بھی اچھے طریقے سے ہو گی۔ یہ ہی (Free Enterprises) اصول سرمایہ دارانہ نظام کا بنیادی فارمولا ہے۔ [4]

---

[1] محمد احمد، حافظ، سرمایہ دارانہ نظام ایک تنقیدی جائزہ، ص19

[2] بھنڈر، عمران شاہد، لبرل ازم پوسٹ ماڈرن ازم مارکسزم، کتاب محل اردو بازار، لاہور، س ن، ص31

[3] مودودی، ابوالاعلیٰ، اسلام اور جدید معاشی نظریات، ص18؛ انصاری، جاوید اکبر، دروس سرمایہ داری ایک تعارف، ص99

[4] مودودی، ابوالاعلیٰ، اسلام اور جدید معاشی نظریات، ص19

لبرل سیاسی تصور:

سیاست میں بھی ان کا دعویٰ یہ تھا کہ عوام کی حکومت ہو۔ جس میں عوام خود تو حکومت نہیں کرتی لیکن حکومت کو قائم کرنے کے لیے ایسے نمائندوں کا انتخاب عوام ہی کرتی ہے جو فرد کی آزادی اور حقوق کے لیے قوانین مرتب کرتے ہیں جس میں ایسا کوئی قانون نہیں بنایا جاتا جو فرد کی آزادی کے خلاف ہو اور قانون کو نافذ کرنے والے اداروں کے ذریعے ان قوانین کا نفاذ یقینی بناتی ہے، جسے جمہوری حکومت کہا جاتا ہے۔[1]

تحریک تنویر:

سولہویں اور سترہویں صدی کی اصلاحات اور تحریکات نے اٹھارہویں صدی میں تحریک تنویر کی راہ ہموار کی جو انسان کا وحی کے انکار کے ساتھ "احد، صمد، قائم بالذات، ذات وکائنات کا خالق" ہونے کے دعوے کے ساتھ مغرب میں پھیلی۔
تحریک تنویر جن مفروضات کے ساتھ وجود میں آئی انہیں ہیومن ازم کہا جاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں اس نظریے کو "تصورِ الوہیتِ انسان" کہا جاتا ہے۔ یہ وہی ہیومن ازم ہے جس کی بنیاد یونانی فلسفہ سے ملتی ہے۔[2]

سرمایہ داری کا باقاعدہ آغاز:

لہٰذا جب الوہیت انسان کا تصور پیش کیا گیا اور انسان نے اپنے آپ کو ہیومن بینگ تسلیم کر لیا اور اس کے ساتھ ساتھ جاگیردارانہ نظام بھی اپنی تنگ نظری، خود غرضی اور انصاف کے نہ ہونے کی وجہ سے مکمل طور پر زوال پذیر ہو گیا، جس کے نتیجے میں مشینری اور صنعت کاری کے عروج کی وجہ سے سرمائے میں اضافہ ہوا تو ان سارے تغیرات کے ہم آہنگ ایک ایسے نظام کی ضرورت تھی کہ جو ہیومن بینگ کی آزادی وخود مختاری، سرمائے اور اس کے حقوق کی حفاظت کا ضامن ہو۔ ان مقاصد کو پورا کرنے کے لیے دنیا میں کوئی ایسا نظام قائم نہیں تھا، جو ان تغیرات سے پیدا ہونے والی ہیومن بینگ کی اس ڈگمگاتی صورت حال کو سہارا دے سکے۔ تو اس ضروت کے حصول کے لیے ایک نظام تشکیل دیا گیا جس کا اپنا اقتصادی نظام ہونے کے ساتھ ساتھ اپنا ایک معاشرتی اور ریاستی نظام بھی ہے۔ عصر حاضر میں اس کی تعبیر سرمایہ دارنہ نظام سے کی جاتی ہے، جسے مشہور برطانوی ماہر اقتصادیات "ایڈم سمتھ" (1723ء تا 1790ء) نے مرتب کیا[3]۔ یوں تو سرمایہ دارانہ تصور یونانی فلسفہ (انسان ہی اصل حقیقت ہے) سے ملتا ہے جس کی چھوٹے پیمانے پر ابتدا چودھویں صدی میں اٹلی اور ولندیز کے چند شہروں سے ہوئی اور اس کا باقاعدہ آغاز اٹھارہویں صدی میں صنعتی انقلاب کے بعد ہوا۔[4]

---

[1] مودودی، ابوالاعلیٰ، اسلام اور جدید معاشی نظریات، ص 18؛ انصاری، جاوید اکبر، دروس سرمایہ داری ایک تعارف، ص 99

[2] انصاری، جاوید اکبر، ڈاکٹر، سرمایہ داری کے نقیب، ص 16

[3] عبدالغفار، سرمایہ دارانہ نظام کی ماہیت اور اسلامی سیاست پر اس کے اثرات، ناشر پبلیشر الاضواء شیخ زاہد اسلامک سنٹر یونیورسٹی آف لاہور، 2020ء، ص 54

[4] انصاری، جاوید اکبر، ڈاکٹر، سرمایہ داری کے نقیب، ص 18

نیز Henry Heller کی مشہور زمانہ کتاب The Birth of Capitalism سرمایہ داری کے تاریخی مراحل کی عکاسی کرتی ہے۔

سرمایہ اور دولت کا مفہوم

سرمایہ دارانہ نظام کو سمجھنے کے لیے سرمایہ اور دولت کا مطلب و مفہوم جاننا ضروری ہے۔

سرمایہ

یہ فارسی زبان کا لفظ ہے عربی میں اسے "راس المال"[1] اور انگریزی میں "Capital"[2] کہتے ہیں۔اقتصادیات کے مضمون میں "سرمایہ" کو بنیادی عاملین پیداوار میں شامل کیا گیا ہے جو کہ درج ذیل چار ہیں۔

1۔ سرمایہ

2۔ محنت

3۔ تنظیم

4۔ کرایہ

گویا کہ (سرمایہ دارانہ نظام کے مطابق) سرمایہ بنیادی عاملین پیداوار کی ایک قسم ہے۔ جس کا عمومی مطلب سرمائے کی بڑھوتری، پیداوار کی برھوتری ہو گا۔

جیسا کہ " F.A. Hayek "لکھتا ہے۔

> "The term capital itself, in so far as it is required to describe a particular part of the productive resources, will accordingly be used here to designate the aggregate of those non-permanent resources which can be used only in this indirect manner to contribute to the permanent maintenance of the income at a particular level"[3]
>
> خود سرمایہ کی اصطلاح یہ ہے کہ، پیداواری وسائل کے اس خاص حصے کو بیان کیا جائے، جس کو غیر مستقل وسائل کے مجموعے کے تعین کے لیے استعمال کیا جائے گا،جو ایک خاص سطح پر آمدنی کی بڑھوتری کے لیے بالواسطہ انداز میں شراکت کرسکتے ہیں۔

دولت:

1۔ دولت عربی زبان کا لفظ ہے، جو کہ "ثروۃ" کا مترادف ہے۔[4]

---

[1] قاسمی، وحید الزمان، القاموس الجدید، ناشر ادارہ اسلامیات، کراچی، 1990ء، ص609

[2] Oxford Collocations Dictionary for students of English ,Archive:01/02/2022 at 10:05 pm https://www.pdfdrive.com/oxford-collocations-dictionary-for-students-of-english-e195373690.html

[3] F.A. Hayek,The Pure Theory Of Capital, publisher The Ludwig von Mises Institute Auburn, Alabama 2009, P.54

[4] قاسمی، وحید الزمان، القاموس الجدید، ص480

2۔ اردو میں اِسے "زرنقد" کہتے ہیں۔[1]

3۔ اور انگلش میں اس معنیٰ "wealth" کے ساتھ کیا جاتا ہے ۔ جو کہ عام طور پر مادی اشیاء، سونے، چاندی، معدنی اور قدرتی اشیاء ہیں۔ اقتصادیات میں دولت ان تمام مادی اشیاء کے مجموعے کو کہتے ہیں جس سے انسان اپنی ضروریات پوری کرتا ہے۔ جیسا کہ Kirk Hamilton and Cameron Hepburn لکھتے ہیں:

"Wealth is a stock of assets that can generate future income and wellbeing" [2]

دولت اثاثوں کا ایک ذخیرہ ہے جو مستقبل کی آمدنی اور بہبود پیدا کر سکتا ہے۔

چنانچہ William A. Darity Jr. لکھتا ہے:

"One concept that is broader than marketable wealth is The sum of marketable wealth and consumer durables" [3]

یہ ایک مارکیٹ کی دولت سے وسیع مفہوم رکھنے والا تصور ہے، جو کہ مجموعہ ہے صارف کی اشیاء اور مارکیٹ کی دولت کا۔

ڈاکٹر عصمت اللہ، ڈاکٹر عدنان خالد ترکمانی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"النقد عبارة عن كل شيئى يلقى قبولاًعاماًكوسبط للتبادل ومقياس للقيمة مهما كان ذالک الشئى وعلى اى حال يكون"[4]

زَر ہر اس شئے کو کہتے ہیں جو آلہِ مبادلہ کی حیثیت سے مقبول عام ہو اور معیار قیمت ہو، گو وہ شئے کچھ بھی ہو اور کسی بھی حالت میں ہو۔

سرمایہ اور دولت میں فرق:

1۔ دولت اپنا حسی اور ظاہری وجود رکھتی ہے جس وجہ سے اس کا نقل و حمل مشکل تھا جبکہ سرمائے کا کوئی حسی یا ظاہری وجود ہونا ضروری نہیں ہے۔

2۔ دولت اپنے آپ کو باقیمت ثابت کرنے کے لیے کسی سسٹم اور نظام کی محتاج نہیں ہوتی مثلاً سونا چاندی وغیرہ جس علاقے میں بھی لے جاؤ قیمتی ہی رہے گا، جبکہ سرمایہ اپنے آپ کو باقیمت ثابت کرنے کے لیے نظام اور سسٹم کا محتاج ہو گا، مثلاً عراق کا روپیہ اس وقت تک باقیمت چیز تھی جب تک وہاں کی حکومت پر امریکہ نے قبضہ نہیں تھا کیا، جب کسی علاقے پر کوئی دوسری فوج غالب آجائے تو وہاں کے کرنسی نوٹ حاکمین کے رحم و کرم پر ہوتے ہیں۔ اسی طرح ہماری جیب میں موجود اے ٹی ایم (ATM) کارڈ اپنے چلنے کے لیے ایک سسٹم کا محتاج ہے، بذات خود تو اس کی اصل مالیت چند روپے ہوں گے۔ دولت

---

[1] فیروزالدین، مولوی، فیروز اللغات، فیروز سنٹر، لاہور، ص656

[2] Kirk Hamilton;Cameron Hepburn, Oxford Review of Economic Policy,Vol.1, 2014, P.20

[3] William A. Darity Jr,International Encyclopedia of the Social Sciences,2nd edition, publisher Printed in the United States of America, P.9

[4] عصمت اللہ، ڈاکٹر، زر کا تحقیقی مطالعہ (شرعی نقطہ نظر سے)، ادارۃ المعارف، کراچی، 2009ء، ص26

چونکہ ایک حسی اور ظاہری وجود رکھتی ہے اسی لیے اس کی نقل و حمل مشکل ہو گی جبکہ سرمایہ ایک واجب الزمہ ہوتا ہے اس کا ظاہری وجود نہ ہونے کی وجہ سے اس کی ٹرانزیکشن آسان ہوتی ہے۔

3- سرمایہ لامتناہی حد تک بڑھ سکتا ہے۔ کیوں کہ سرمائے کی حقیقت واجب الزمہ کی سی ہے ایک شخص کے ذمہ کیا کچھ واجب ہو سکتا ہے وہ کتنا مقروض ہو سکتا ہے اس کی کوئی حد نہیں ہے، لہٰذا سرمائے میں لامتناہی طور پر اضافہ ہو سکتا ہے۔

جبکہ دولت کو لامتناہی حد تک نہیں بڑھایا جا سکتا۔ منطقی اور عقلی طور پر پوری دنیا کی دولت کو جمع کیا جا سکتا ہے۔ اگر ایک کے پاس ہے تو دوسرے کے پاس نہیں ہو گی۔

سرمایہ دارانہ نظام کا بنیادی پہلو:

سرمایہ دارانہ نظام کا بنیادی پہلو "دَین" یعنی (واجب الزمہ) ہے، جس کی کوئی حد مقرر نہیں ہوتی، ایک انسان پر پوری دنیا کے حجم کے برابر یا اس سے کہیں زیادہ بھی سونا قرض ہو سکتا ہے اگرچہ دنیا میں اتنی مقدار سونے کی موجود ہو یا نہ ہو۔

جبکہ اسلامی نظام اقتصاد کی بنیاد "عین" یعنی (دولت) پر ہے۔ جس کی حد مقرر ہوتی ہے۔ جو اپنا ایک حسی وجود رکھتی ہے۔ جس کی مقدار کا تعین کرنا ممکن ہے۔

لہٰذا سرمایہ دارانہ نظام نظریہ آزادی کے بالکل ہم آہنگ سسٹم ہے اس نظام میں سرمایہ دار ہمیشہ اس دور میں رہتا ہے جس کی نہ کوئی منزل ہے اور نہ ہی کوئی انتہا۔ اسی وجہ سے سرمایہ دارانہ نظام میں ہر بندہ قارون سے زیادہ امیر ہو سکتا ہے اور اس کے امیر ہونے میں کسی دوسرے کے سرمائے پر بھی کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

سرمایہ دارانہ بنیادی عقائد (ایمانیات):

سرمایہ دارانہ نظام کے بنیادی عقائد مندرجہ ذیل ہے ہیں۔

1۔ آزادی

2۔ مساوات

3۔ ترقی

یہ وہ بنیادی عقائد ہیں جن پر ایک سرمایہ دار ایمان لاتا ہے اور سرمایہ دارنہ نظام زندگی اختیار کرتا ہے۔

آزادی (Freedom):

آزادی کا لغوی معنی "خود مختاری، چھٹکارہ، باختیاری" کے آتے ہیں [1]۔ سرمایہ دارانہ نظام کا بنیادی عقیدہ وہی "آزادی" ہے جو مغربی فلسفے کی مطلق قدر ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ انسان مطلق العنان ہے جو الہامی ضوابط اور اصولوں سے ماوراء ہے اور کسی ضابطے یا کسی اصول کا پابند نہیں ہے۔ ڈاکٹر جاوید اکبر انصاری آزادی کا معنی لکھتے ہیں:

---

[1] فیروالدین، مولوی، فیروز اللغات، ص17

"آزادی کا مطلب یہ ہے کہ انسان جو چاہے خواہش کر سکتا ہے، وہ کسی کا پابند نہیں ہے وہ آزاد پیدا ہوا ہے لہٰذا اِسے کسی الہامی ضابطے کا پابند نہیں کیا جا سکتا"[1]

"آزادی" کا نظریہ آٹھارہویں صدی میں فرانسیسی سائنس دان "ڈیکارٹ" اور جرمن فلسفی "کانٹ" نے ایجاد کیا۔ "ڈیکارٹ" نے انسان کا وجود اس کی سوچ کے ساتھ منسلک کر دیا کہ انسان سوچ سکتا ہے اس لیے انسان ہے۔ اور "کانٹ" نے انسان کی ذہنی ساخت کو بنیاد بنایا ہے کہ انسانی ذہن میں وہ صلاحیت موجود ہے کہ حواس خمسہ سے حاصل شدہ معلومات کے ذریعے حقائق کا ادراک کر سکتا ہے۔ اس کے لیے کسی الہامی راہنمائی کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ ان کے تصورات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انسان کو حصولِ ہدایت اور خیر و شر کے بارے میں اپنے عقل سے راہنمائی لینی چاہیے۔

یہ آزادی ہیومن بینگ کا حق ہے اور جو چاہے چاہ سکتا ہے، وہ اپنے نظام زندگی کو اپنی عقل کے مطابق ترتیب دے گا جو اس کی فطری آزادی کی حفاظت کا ضامن ہو گا۔ کوئی عمل بذاتِ خود حلال، حرام، اچھا اور برا نہیں ہے، ہر عمل کی حیثیت انسان بتائے گا کہ اسے کیا پسند ہے۔ بشر طیکہ اس کی پسند پر عمل کرنے میں کوئی دوسرے ہیومن بینگ کی پسند کے عمل میں رکاوٹ نہ بنے۔ زاہد صدیق مغل آزادی کا مطلب لکھتے ہیں:

"آزادی کا مطلب ہے ارادہ انسانی کے اظہار کے حق کو "خیر" پر فوقیت دینا یعنی خیر اور شر کا تعین کرنے کا مساوی حق ہر انسان کو ہونا چاہیے، ماورائے اس سے کہ انسان اس حق کو استعمال کر کے اپنے لیے خیر اور شر کا کون سا پیمانہ طے کرتا ہے"[2]

سرمائے کی بڑھوتری اور تصور فروغِ آزادی:

بڑھوتریِ سرمایہ اور آزادی کے فروغ کا تصور انجام کے اعتبار سے ایک ہی معنی دیتے ہیں کیونکہ آزادی کا فروغ سرمائے کی بڑھوتری کا سبب ہے، سرمایہ ایک ایسی شئے ہے جس سے انسان اپنی تمام خواہشات کو سہل طریقے سے پایہ تکمیل تک پہنچا سکتا ہے۔ آزادی کی اُوٹ میں سرمائے سے انسان ہر جائز و ناجائز کاروبار اور کام کر سکتا ہے۔ جیسے اگر گوشت کے لیے حلال جانور پال سکتا ہے تو آزادی اس کو یہ بھی اجازت دے گی خنزیر پالنا بھی اس کے لیے کوئی ممنوع نہیں ہے کیونکہ سرمائے کی بڑھوتری میں دونوں کاروبار برابر ہیں۔ اسی طرح ایک سرمایہ دار کا حرص و حسد دوسرے سرمایہ دار کے لیے مزاحم نہیں بلکہ معاون اس وجہ سے ہو گا کہ یہ حرص و حسد دوسرے سرمایہ دار کے سرمایہ میں برھوتری کا سبب ہے۔ بڑھوتریِ سرمایہ اور فروغِ آزادی ایک دوسرے کے لیے لازم ملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ آزادیِ سرمایہ کا انحصار مارکیٹ پر ہوتا ہے جو کسی چیز یا عمل کی قدر کا اندازہ دیتی ہے کہ کسی کام کے کرنے یا کسی چیز کے بنانے سے سرمائے کی بڑھوتری کی رفتار میں کس قدر اضافہ ہو گا۔

---

[1] انصاری، جاوید اکبر، ڈاکٹر، مغربی تہذیب کا اساسی نظام اور اسکی استعماری توسیع سرمایہ دارانہ نظام ایک تعارف، کتاب محل، لاہور، س ن، ص7

[2] مغل، زاہد صدیق؛ انصاری، جاوید اکبر، ڈاکٹر، سرمایہ دارنہ انفرادیت کا حال اور مقام (2)، مجلہ (ماہنامہ) الشریعہ، گوجرانوالہ، شمارہ 8، اگست 2012ء، ص17

لہٰذا سرمایہ دارنہ نظام میں آزادی صرف سرمائے کی بڑھوتری ہی کا نام ہے۔ سرمایہ دارنہ نظام میں فروغِ آزادی کے تصور کے بارے میں جاوید اکبر انصاری لکھتے ہیں۔

"آزادی سرمایہ دارانہ نظام زندگی کی بنیادی قدر اس وجہ سے ہے کہ سرمایہ آزادی کی تجسیم، اس کی Concrete form ہے اور فروغ آزادی، بڑھوتری سرمایہ کے علاوہ کچھ نہیں"[1]

مساوات (Equality)

لغت میں مساوات "برابری" کے معنی میں آتا ہے[2]۔ سرمایہ دارانہ نظام زندگی اور مغربی فلسفہ و فکر نے مساوات کا دارومدار عقل کو ٹھہرایا ہے، تمام انسان اپنے عقل کے ذریعے خیر اور شر کا تعین کرنے میں برابر ہیں۔ انسان پر کوئی مادی، سماجی یا معاشی پابندی نہیں ہے کہ جو اس کی آزادی کی راہ میں رکاوٹ بن سکیں۔ "کاشف علی شیخ" اپنی تحریر میں لکھتے ہیں:

"آزادی اور مساوات کی بالادستی دراصل تمام خواہشات کی یکساں اہمیت کا اقرار ہیں"[3]

چنانچہ ہر فرد کو اس کی خواہشات کی تکمیل کا مکمل حق حاصل ہے۔ اور خواہشات کو پایہ تکمیل تک پہچانے کی اس جنگ میں تمام افراد کی حیثیت برابر ہوگی۔ ہر انسان اپنے لیے جو چاہے نظام زندگی مقرر کرے کر سکتا ہے لیکن وہ اتنا ہی اہمیت کا حامل ہے جتنا کہ دوسرے فرد کا اپنے لیے مقرر کردہ نظام زندگی اہمت کا حامل ہے۔ اگر ایک بندہ اپنا مقصد زندگی عبادت کو بناتا ہے اور دوسرا اپنا مقصد زندگی شراب کی خرید و فروخت بناتا ہے، تو ایک معاشرے یا سماج کے لیے ان دونوں کے مقاصد اہمیت کے اعتبار سے یکساں ہوں گے۔ "زاہد صدیق مغل" اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں:

"مساوات یعنی یہ ماننا کہ چونکہ ہر فرد کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے لیے قدر کا جو پیمانہ چاہے طے کرلے لہٰذا ہر شخص کے لیے یہ لازم ہے کہ وہ دوسروں کے اس مساوی حق کو تسلیم کرے کہ وہ بھی اپنی زندگی میں خیر اور شر کا جو پیمانہ چاہیں طے کرلیں اور اس بات کو مانے کہ خیر اور شر کے تمام معیارات مساوی ہیں"[4]

سرمایہ دارانہ نظام اس آزادی اور مساوات کے فروغ کے لیے کچھ ذرائع فراہم کرتا ہے جنہیں ہیومن رائٹس کہا جاتا ہے۔ جو کہ سرمایہ دارانہ معاشرے کے ہر ہر فرد کے لیے یکساں اور ہر فرد کی ملکیت ہوتے ہیں۔ ان حقوق کی دو قسمیں ہیں:

1۔ ہیومن رائٹس

2۔ سوشل رائٹس

---

[1] انصاری، جاوید اکبر، ڈاکٹر، دروس سرمایہ داری ایک تعارف، ص58

[2] فیروزالدین، فیروز اللغات، ص1241

[3] محمد احمد، حافظ، سرمایہ دارانہ نظام ایک تنقیدی جائزہ، ص19

[4] مغل، زاہد صدیق؛ انصاری، جاوید اکبر، ڈاکٹر، سرمایہ دارنہ انفرادیت کا حال اور مقام، مجلہ ماہنامہ الشریعہ، گوجرانوالہ، شمارہ8، اگست 2012ء ص17

ہیومن رائٹس:

لبرل ریاست کی طرف سے ہیومن بینگ کے لیے تین طرح کے حق ہیں۔

1۔ جینے کا آزادانہ حق:

اس کا مطلب یہ ہے کہ معاشرے کے ہر فرد کو جینے کا آزادانہ حق حاصل ہے اور اس پر یہ فرض ہے کہ وہ اپنی آزاد زندگی کو سرمائے کی بڑھوتری کے لیے وقف کر دے، جو فرد اپنی زندگی کو اس کام کے لیے نہیں کھپاتا وہ (ہیومن) نہیں ہے۔ کیونکہ وہ فرد انسانیت کے مطلق العنان ربوبیت والے عقیدے پر ایمان لانے والا نہیں ہے، اسی فلسفہ کی بنیاد پر سولہویں سے انیسویں صدی تک "جان لاک" کے قتل عام کا جواز پیش کرنے پر امریکیوں نے دو کروڑ انڈین کو موت کے گھات اتارا صرف اس وجہ سے کہ ریڈ انڈین نے امریکہ کی زرخیز زمین پر قبضہ تو کر لیا لیکن کام نہ کر کے سرمائے کی بڑھوتری کی رہ میں رکاوٹ بنے رہے۔

چنانچہ جینے کے اس آزادانہ حق کو انسانی حقوق کے عالمی اعلامیہ (UDHR) کے آرٹیکل 3 کے تحت انسانی حقوق کے طور پر تسلیم کیا گیا۔

دفعہ نمبر 3:

"ہر شخص کو اپنی جان، آزادی اور ذاتی تحفّظ کا حق ہے"[1]

2۔ اظہار رائے کا آزادانہ حق:

ہیومن کا دوسرا حق "اظہارِ رائے کا آزادانہ حق" ہے، معاشرے کا ہر فرد یہ برابر حق رکھتا ہے کہ وہ بغیر کسی مداخلت کے فکر و نظر، عمل اور نظام میں جو نکتہ نظر قائم کرنا چاہے کر سکتا ہے۔ آزادی اظہارِ رائے کو انسانی حقوق کے عالمی اعلامیہ (UDHR) کے آرٹیکل 19 کے تحت انسانی حقوق کے طور پر تسلیم کیا گیا۔

دفعہ نمبر 19:

"ہر شخص کو اپنی رائے رکھنے اور اظہار رائے کی آزادی کا حق حاصل ہے۔ اس حق میں یہ امر بھی شامل ہے کہ وہ آزادی کے ساتھ اپنی رائے قائم کرے، جس ذریعے سے چاہے بغیر ملکی سرحدوں کا خیال کئے، علم اور خیالات کی تلاش کرے، انہیں حاصل کرے اور ان کی تبلیغ کرے"[2]

3-ملکیت کا آزادانہ حق:

ہیومن کا تیسرا حق "ملکیت کا آزادانہ حق" ہے، سرمایہ دارنہ معاشرے کے ہر فرد کو بغیر کسی پابندی کے اشیاء پر ملکیت کاملہ

---

[1] ادارہ، انسانی حقوق کا عالمی منشور، مجلہ ماہنامہ الشریعہ، گوجرانوالہ، ج15، شمارہ6، جون 2004ء

[2] ابو عمار، زاہد الراشدی، اسلام اور انسانی حقوق اقوام متحدہ کے عالمی منشور کے تناظر میں، الشریعہ اکادمی، گوجرانوالہ، 2011ء، ص98

حاصل ہے۔انسان اپنی املاک کو کسی بھی صورت میں سرمایہ کے حوالے کرنے میں آزاد ہے۔حصول دولت اور سرمائے کی بڑھوتری کے لیے ضروری ہے کہ فرد جہاں چاہے جیسے چاہے آزادانہ طور پر اپنے اس حق ملکیت کو استعمال کرے اگر انسان ایسا نہیں کرتا تو حصولِ دولت اور سرمائے کی بڑھوتری اس کے لیے نہیں ہو گی۔

سوشل رائٹس:

وہ حقوق ہیں جو ایک لبرل سرمایہ دارانہ ریاست پر لازم ہوتے ہیں کہ وہ "ہیومن رائٹس" اپنے ماتحت تمام افراد کو برابر فراہم کرے۔ہیومن رائٹس کا دستور افراد کو مساوی طور پر ان حقوق کا مکلف ٹھہراتا ہے۔

ان حقوق(ہیومن اور سوشل رائٹس)کا معاشرے کے ہر فرد کو یکساں فراہم کرنا سرمائے کی برھوتری میں معاون و مددگار ہے، تاکہ فرد سرمائے کی بڑھوتری میں اپنا کردار ادا کر کے اپنی نفسانی خواہشات کو پایہ تکمیل تک پہنچا سکے۔اور اسی کا نام سرمایہ دارانہ عدل ہے۔

ترقی:

لغت میں "ترقی" کے معنٰی "آگے بڑھنا، برتری اور اضافہ" کے آتے ہیں۔[1]

1۔مولانا محمد احمد حافظ اپنی کتاب میں ترقی کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ترقی "سرمائے میں لامحدود اضافہ کرنے کی جدوجہد کا نام ہے"[2]

2۔ڈاکٹر جاوید اقبال انصاری ترقی کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ترقی کا معنٰی پراگرس(Progress) ہے۔اور پراگرس(Progress) سے مراد صرف یہ ہے کہ سرمایہ کی بڑھوتری میں لامتناہی اور مسلسل اضافہ مستقل ہوتا رہے"[3]

سرمایہ دارانہ فکر میں "ترقی" آزادی کا لازمی جز ہونے کے ساتھ عقیدے کا مقام رکھتی ہے۔مساوی آزادی اپنے لیے لازم قرار دیتی ہے کہ غیر ہیومن اشیاء پر ہیومن کا تسلط اس حد تک ہو کہ وہ اشیاء ہیومن کے ارادے کے تابع ہوں۔یہ ہی ترقی ہے، جس کا ذریعہ سرمائے کی بڑھوتری ہے۔

3- محمد مارماڈیوک پکتھالؒ نے قرآن مجید کا ترجمہ کرتے ہوئے سورۃ التکاثر کے تحت سرمائے کو تکاثر کے مترادف لکھا ہے چنانچہ لکھتے ہیں:

"Rivalry in Wordly Increase"[4]

دنیاوی بڑھوتری میں آگے نکلنے کا مقابلہ کرنا

---

[1] فیروزالدین، مولوی، فیروز اللغات، ص 1241

[2] محمد احمد، حافظ، سرمایہ دارانہ نظام ایک تنقیدی جائزہ، ص 63

[3] انصاری، جاوید اکبر، ڈاکٹر، دروس سرمایہ داری ایک تعارف، ص 74

[4] Muhammad Marmaduke Pickthall ,The Meaning of the Glorious Quran,Published by Qudrat Ullah Co,Lahore,P.541

لہٰذا سرمائے کی بڑھوتری ہی آزادی کے فروغ میں عملی کردارادا کرتی ہے۔جب انسان اپنے آپ کو ہیومن تسلیم کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی خواہشات کی تکمیل کو بطور مقصد زندگی مان رہا ہے۔ہیومن کے اسی مقصدِ زندگی کا نتیجہ ترقی ہے۔وہ اسطرح کہ اس کی لامحدود خواہشات کی آزادنہ تکمیل سرمائے کی لامحدود بڑھوتری کے ساتھ ہی ممکن ہے۔لہٰذا جو ہیومن جس قدر انہماک سے سرمائے کی بڑھوتری کی کوشش میں لگا رہے گا اور سرمائے کے حصول کو یقینی بنائے گا اس قدر وہ اپنی خواہشات کو آزادی کے ساتھ پورا کر پائے گا۔

ترقی کو ناپنے کا آلہ:

"ویلفیئر اکنامکس"،اکنامکس کی ایک شاخ ہے جس کا کہنا یہ ہے کہ ترقی کو(GNP) کی معاشرتی تقسیم کے بعد ہی ناپا جا سکتا ہے -(Gross National Production) یہ اکنامکس میں ترقی کو ناپنے کا آلہ ہے۔کیونکہ ترقی سے مراد سرمائے میں لامحدود بڑھوتری ہے جو ہیومن کی لامحدود خواہشات سے عمل میں آتی ہے،ویلفیئر اکنامکس کا کہنا یہ ہے کہ سرمائے کی بڑھوتری کے لیے صرف لامحدو خواہشات کافی نہیں ہیں بلکہ اس کے ساتھ (GNP) کی تقسیم بھی اس طریقے سے ہو کہ تمام افراد لذت سے پیدا ہونے والی خواہشات کی تکمیل کے اضافے سے تسکین حاصل کرتے رہیں۔سرمایہ دارانہ نظام میں یہ ہی ترقی کا مفہوم ہے۔لہٰذا"Amartya Sen" اپنی کتاب Development as freedom میں لکھتے ہیں۔جس کی چند سطور درج ذیل ہیں۔

> "Development can be seen, it is argued here, as a process of expanding thereal freedoms that people enjoy. Focusing on human freedoms contrasts with narrower views of development, such as identifying development with the growth of gross national product, or with the rise in personal incomes, or with industrialization, or with technological advance, or with social modernization. Growth of GNP or of individual incomes can, of course, be very important as means to expanding the freedoms enjoyed by the members of the society"[1]

سرمایہ دارانہ نظامِ اقتصاد کے بنیادی اصول:

سرمایہ دارنہ نظام اقتصاد تین بنیادی اصول پیش کرتا ہے۔

1۔ نجی ملکیت

2۔ذاتی منافع کا محرک

3۔ حکومت کی عدم مداخلت

مختلف محققین نے مختلف اصول ذکر کئے ہیں جیسا کہ ابوالاعلی مودودیؒ نے اپنی کتاب "اسلام اور جدید معاشی نظریات" میں 7 اصول ذکر کئے ہیں وہ دراصل انہی 3 اصولوں کا جز ہیں۔

[1] Amartya Sen,Development as freedom,Printed in the United States of America, 2000,P.1

نجی ملکیت(private ownership):

یہ سرمایہ دارانہ نظامِ اقتصاد کا پہلا اصول ہے کہ انسان قانوناً مالک ہے ہر اس چیز کا جو اس نے کمائی اور جس کے ذریعے کمائی۔ اگر دکان انسان کا ذریعہ معاش ہے تو انسان اس دکان سے حاصل ہونے والے ہر منافع اور اس دکان دونوں کا مالک ہے، اسی طرح اگر زمین ذریعہ معاش ہے تو انسان زمین اور منافع دونوں کا مالکِ کل ہے۔

یہ ہی سرمایہ دارانہ نظام کا وہ اصول ہے جس کے تصور کی بنیاد پر سرمایہ دارانہ نظام میں ذاتی ترغیب دے کر توجہ زیادہ سے زیادہ سرمایہ کاری کی طرف کرائی گئی ہے۔ انسان جتنی زیادہ محنت کرے گا سرمایہ کاری سے حاصل ہونے والا منافع، دولت، جائیداد سب اسی کی ہو گی۔ جس سے خود بخود معیشت مستحکم ہو گی۔John Locke نے نجی ملکت کو اس طرح بیان کیا ہے:

> "Property is a person's life and liberty as well as his physical possessions"[1]
>
> جائیداد ایک شخص کی زندگی اور آزادی کے ساتھ ساتھ اس کا ذاتی مال بھی ہے۔

مفتی تقی عثمانی لکھتے ہیں:

> "ہر انسان کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ اپنی ذاتی ملکیت میں اشیاء بھی رکھ سکتا ہے اور وسائل پیداوار بھی رکھ سکتا ہے"[2]

ابو الاعلی مودودی لکھتے ہیں:

> "شخصی ملکیت صرف ان اشیاء کی ملکیت کا حق نہیں جنہیں آدمی خود استعمال کرتا ہے۔ بلکہ ان اشیاء کی ملکیت کا بھی حق ہے جن سے آدمی مختلف قسم کی اشیاءِ ضرورت پیدا کرتا ہے"[3]

ذاتی منافع کا محرک:

مزید کی خواہش، نفع کی جستجو انسانی فطرت میں موجود ہے جو انسان کو اس بات کا محرک ٹھہراتی ہے کہ انسان زیادہ سے زیادہ نفع کمائے۔ اس کے لئے سرمایہ دارانہ نظام میں ذاتی منافع کو آزاد چھوڑ دیا گیا ہے کہ انسان جتنا چاہے جہاں سے چاہے منافع حاصل کر سکتا ہے، یہ آزادی مسابقت کی فضاء پیدا کر دے گی ہر فرد آگے نکلنے اور زیادہ سے زیادہ منافع کمانے کی کوشش کرے گا جس سے پیداوار خود بخود بڑھے گی۔ اور منافع کی لالچ سے ایک مفاد پرست معاشرہ قائم ہو گا جسے "سول سوسائٹی" کہا جاتا ہے۔ ابو الاعلی مودوی لکھتے ہیں۔

> "نظام سرمایہ داری اشیاءِ ضرورت کی پیداوار اور ترقی کے لیے جس چیز پر انحصار کرتا ہے وہ فائدے کی طمع اور نفع کی امید ہے"[1]

---

[1] John Locke, Two Treatises of Government ,publisher New York New American Library,USA, 1963,P.395

[2] عثمانی، محمد تقی، مفتی، اسلام اور جدید معیشت و تجارت، مکتبہ معارف القرآن، کراچی، 2012ء، ص29

[3] مودودی، ابو الاعلیٰ، اسلام اور جدید معاشی نظریات، ص21

Joseph A.Schumpeter لکھتا ہے:

"So is the profit motive and selfinteres".[2]

بس منافع کا مقصد ذاتی مفاد ہے۔

حکومت کی عدم مداخلت:

سرمایہ دارانہ نظام کا تیسرا اصول ہے جسے laissez-faire کہا جاتا ہے جس کا مطلب ہے "کرنے دو"۔

Friedrich Hayek لکھتا ہے:

"laissez-faire – a doctrine that belongs to the French rationalis" [3]

laissez-faire - ایک نظریہ ہے جس کا تعلق فرانسیسی عقلیت پسندوں سے ہے۔

سرمایہ دارانہ نظام کا دعویٰ ہے کہ معاشرہ اسی صورت میں معاشی ترقی کر سکتا ہے کہ جب تاجروں اور کاروباری حضرات کو کاروبار یا تجارت کرنے میں آزاد چھوڑ دیا جائے۔ حکومت یا ریاست اس میں کوئی مداخلت نہ کرے ہر فرد کو یہ مکمل حق حاصل ہے کہ وہ جیسے چاہے جو چاہے کاروبار کر سکتا ہے اور زیادہ سے زیادہ منافع کما سکتا ہے۔ انسان کی فطرت میں ہے کہ جس کام میں انسان کو زیادہ منافع ملتا نظر آتا ہے اس میں وہ اور زیادہ کوشش کرتا ہے تا کہ اور زیادہ دولت کما سکے جس کے لیے وہ اپنی تمام تر صلاحیتوں کو بروئے کار لاتا ہے۔ جب ہر فرد اپنے طور پر اس معاشی مقابلے میں دوڑ لگائے گا، آزادانہ طور پر آگے نکلنے کی کوشش کرے گا تو اچھے سے اچھے مال کا مارکیٹوں اور بازاروں میں آنا، قیمتوں کا تعین، خام مال کی پیداوار، معیاری اشیاء کی فراہمی اور معاشرے کی ضرورتوں کا اندازہ، یہ تمام کام خود بخود طے ہوتے جائیں گے۔[4]

اگر حکومت بے جا دخل اندازی کرے تو معاشی طور پر توازن برقرار نہیں رہے گا اور معاشرہ بگاڑ کی بے راہ روی کا شکار ہو جائے گا۔

F.A Hayek اس نظریہ کی مخالفت یہ کہہ کر کرتا ہے کہ یہ ایک پرانا نظریہ ہے۔

"Hayek does not favour passive government, but rather onethat seeks many benefits for the community "[5]

ہائیک غیر فعال حکومت کے حق میں نہیں ہے، بلکہ وہ جو کمیونٹی کے لیے بے حد مفید ہو۔

جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ سرمایہ چند ہی افراد کے ہاتھوں میں گردش کرنے لگا جسے معیشت کی اصطلاح میں "ارتکازِ دولت" کہا جاتا ہے۔ اس خرابی کو مد نظر رکھتے ہوئے خود سرمایہ دارانہ حکومتیں اس اصول کے خلاف عمل کر کے منحرف ٹھہریں، حکومتوں نے کاروبار اور تجارت میں ٹیکسوں کی شکل میں بے جا پابندیاں لگا کر مداخلت کرنا شروع کر دی اور خود ہی اپنے بنائے ہوئے اصولوں کو اپنے ہاتھوں سے توڑا۔

---

[1] مودودی، ابوالاعلیٰ، اسلام اور جدید معاشی نظریات، ص22

[2] Joseph A.Schumpeter,Capitalism Socialism And Democracy,George Allen & Unwin Publishers Ltd,USA,1976, P.123

[3] Hayek's,The Constitution of Liberty,Great Britain by Hobbs the Printers, 2010,P.44

[4] ڈار، عبدالحمید، پروفیسر، ودیگر، اسلامی معاشیات، مرکزی کتاب خانہ، لاہور، 2014ء، ص103

[5] Hayek's,The Constitution of Liberty,Great Britain by Hobbs the Printers, 2010,P.20

فصل سوم

اسلام کے بنیادی اقتصادی افکار

اسلامی اقتصادی نظام کا آغاز وارتقاء:

اسلامی نظام کی ابتداءرسول اکرم ﷺ کی بعثت کے ساتھ جڑی ہوئی ہے۔ آپ ﷺ مکہ میں شعب بنی ہاشم میں 9ربیع الاول عام الفیل والے سال20یا22اپریل 571 ءمیں حضرتِ عبداللہ کے گھر پیدا ہوئے۔[1]

آپ ﷺ نے مکہ سے ہی اپنی حیات طیبہ کا آغاز کیا اور 40سال کی عمر میں آپ ﷺ کو نبوت ملی۔ احکام الٰہی کے نفاذ کے لیے آپ ﷺ نے مدینہ منورہ کا انتخاب کیا اوراسلامی ریاست کی بنیاد رکھی۔ اس ریاست کو چلانے کے لیے آپ ﷺ نے کیا اقتصادی اصول مقرر کئے ؟ اسے جاننے کے لیے ضروی ہے کہ آپ ﷺ کی بعثت سے قبل عربوں کے کچھ حالات کا ذکر کیا جائے جس سے اندازہ ہو سکے آپ ﷺ کی آمد سے قبل عرب کن کن خرافات کا شکار تھے۔

عربوں کی سیاسی حالت:

آپ ﷺ کی آمد سے قبل عرب مختلف قبیلوں میں منقسم تھے۔ یہ سیاسی طور پر ایک ایسی قوم تھی جس کے پاس نہ کوئی ایسی شخصیت تھی جسے یہ اپنا حکمران مان لیتے ۔ نہ ہی کوئی ایسا انتظامی مرکز تھا جس کے تحت یہ اپنی حکومت کا کوئی ڈھانچہ کھڑا کر سکتے۔[2]

عربوں کی معاشرتی حالت:

کسی قوم کی معاشرتی زندگی کا اندازہ اس کی معاشی اور مذہبی زندگی سے لگایا جا سکتا ہے۔ مذہبی طور پر اہل عرب کی حالت یہ تھی کہ بیت اللہ میں 360بت رکھے تھے۔ الصحیح بخاری کی روایت ہے:

> ”دخل النبي صلى الله عليه وسلم مكة وحول الكعبة ثلاث مائة وستون نصبا،فجعل يطعنها بعود في يده، وجعل يقول: جاء الحق وزهق الباطل سورة الإسراءآية 81“ [3]
>
> نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (فتح مکہ دن جب) مکہ میں داخل ہوئے تو خانہ کعبہ کے چاروں طرف تین سو ساٹھ بت تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان بتوں پر مارنے لگے اور فرمانے لگے کہ جاء الحق وزھق الباطل حق آگیا اور باطل مٹ گیا۔

عربوں کا بنو اسماعیل میں سے ہونے کا دعوٰی کرنے کے ساتھ شرک کا یہ عالم تھا کہ ہر قبیلہ نے اپنا الگ بت بنا رکھا تھا، ان بتوں کے علاوہ چاند، سورج، ستاروں، جانوروں اور پتھروں کی پوجا ان کی مذہبی رسومات کا حصہ تھیں۔ غیر اللہ کے نام پر نذرانے اور نذریں دی جاتی تھیں۔

قرآن پاک اہل عرب کے شرک کو یوں بیان کرتا ہے:

---

[1] مبارک پوری، صفی الرحمٰن، مولانا، الرحیق المختوم، (مترجم مولانا صفی الرحمٰن)، ص83

[2] عثمان غنی، پروفیسر؛ونذیر احمد، پروفیسر، اسلامی تمدن و تاریخ، ناشر لکی بک سنٹر، لاہور، 1990ء، ص294

[3] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب المظالم ، باب هل تكسرالدنان التى فيهاالخمراوالتخرق الزقاق، رقم الحدیث: 2478

"وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ مَا لَايَضُرُّہُمْ وَ لَايَنْفَعُہُمْ وَ يَقُوْلُوْنَ ہٰؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللهِ"[1]

اور پوجتے ہیں وہ اللہ کے سوا ان چیزوں کو جو نہ انہیں نقصان دیں نہ نفع اور کہتے ہیں کہ یہ ہمارے شفیع ہیں اللہ کے نزدیک ۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

"اِنَّہُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَہُمْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ o وَ يَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِہَتِنَا لِشَاعِرٍمَّجْنُوْنٍ"[2]

بیشک جب ان سے کہا جاتا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں تو وہ تکبر کرتے تھے۔ اور کہتے تھے کیا ہم ایک دیوانے شاعر کی وجہ سے اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں۔

یہ لوگ اللہ رب العزت کی شان عالیہ کے ساتھ شرک تو کرتے ہی تھے لیکن اس کے ساتھ اپنی عظمت و قار کو بھی بہتے پانی کی طرح بہا چکے تھے۔ اپنی مستیوں میں اس طرح مگن تھے کہ ان میں سے بعض تو اللہ رب العزت کی ذات کا ہی انکار کر بیٹھے تھے ان کا دعوٰی تھا کہ زمانہ اور فطرت ہی اس دنیاوی نظام کو چلائے ہوئے ہے، قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''وَ قَالُوْا مَا ہِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَ نَحْيَا وَ مَا يُہْلِكُنَآ اِلَّا الدَّہْرُo''[3]

اور یہ لوگ کہتے ہیں جو کچھ ہے یہ ہی ہماری دنیاوی زندگی ہے ہم مرتے اور جیتے ہیں اور ہم کو مارتا ہے تو زمانہ مارتا ہے۔

اور اگر کچھ خدا کو ماننے والے تھے تو دوسری طرف قیامت، یوم آخرت کے منکر تھے، اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

''وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّ رُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا''[4]

اور انہوں نے کہا: کیا جب ہم ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو کیا واقعی ہمیں نئے سرے سے پیدا کر کے اٹھایا جائے گا؟

اوہام پرستی کا دور دورہ تھا ، بعض دنوں کو منحوس قرار دے رکھا تھا۔ جہالت اس حد تک تھی کہ گھر سے نکلنے اور گھر واپسی پر بتوں کے سامنے حاضری کو لازمی سمجھا جاتا تھا، بتوں کے نام پر چڑھاوے چڑھانا ان سے مرادیں مانگنا اور بتوں کے سامنے قربانیاں کرنے کا رواج تھا۔ انہی کی اوہام پرستی کو آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اپنے اس ارشاد کے ساتھ رد فرمایا:

"لا عدوى ولا طيرة، ولا هامة ولا صفر، وفر من المجذوم كما تفر من الاسد"[5]

چھوت لگنا، بد شگونی لینا، الو کا منحوس ہونا اور صفر کا منحوس ہونا یہ سب لغو خیالات ہیں البتہ جذامی شخص سے ایسے بھاگتا رہ جیسے کہ شیر سے بھاگتا ہے۔

---

[1] یونس: 18
[2] الصافات:36،35
[3] الجاثیہ:37
[4] بنی اسرائیل:51
[5] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الطب ، باب الجزام، رقم الحدیث: 5707

ان مذہبی خرافات کی وجہ سے عرب معاشرہ بہت ساری معاشرتی خرابیوں میں گھرا ہوا تھا، خود پرستی، تنگ نظری اور سنگ دلی کا یہ عالم تھا کہ بیٹی کو صرف اس لیے زندہ در گور کر دیا جاتا تھا کہ ان کا کوئی داماد نہ کہلا سکے، سسکیوں اور آہو بکا میں بیٹیوں کو زندہ دفن کر کے ان کے تذکروں سے اپنی مجالس میں فخر کرتے۔ عورت کا کوئی وقار نہیں تھا عورت اور مرد ننگے ہو کر کعبہ کا طواف کرنے کو ثواب سمجھتے۔ ارشار باری تعالیٰ ہے:

''وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُمْ بِالْأُنْثَى ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ ۔يَتَوَارَى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوءِ مَا بُشِّرَ بِهِ أَيُمْسِكُهُ عَلَى هُونٍأَمْ يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ أَلَا سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ''[1]

حالانکہ جب ان میں سے کسی کو بیٹی (کے پیدا ہونے) کی خبر ملتی ہے تو اس کا منہ (غم کے سبب) کالا پڑ جاتا ہے اور (اس کے دل کو دیکھو تو) وہ اندوہناک ہو جاتا ہے۔ اور اس خبر بد سے (جو وہ سنتا ہے) لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے (اور سوچتا ہے) کہ آیا ذِلت برداشت کر کے لڑکی کو زندہ رہنے دے یا زمین میں گاڑ دے۔ دیکھو یہ جو تجویز کرتے ہیں بہت بری ہے۔

معمولی سی بات پر تلواریں نیام سے باہر ہوتیں قبیلے کے قبیلے ختم ہو جاتے، حرب البسوس جو کہ بنو بکر بن وائل اور بنی تغلب کے درمیان ایک اونٹنی کی وجہ سے چالیس سال تک جاری رہی یہ عرب کی لڑائیوں کی زندہ مثال ہے۔[2]

عربوں کی اخلاقی حالت:

یہ ایک حقیقت ہے کہ اہل عرب پر اگرچہ جاہلانہ ماحول کا یہ اثر تھا کہ ان میں بری عادات اور مافوق العقل باتیں پائی جاتی تھیں لیکن یہ لوگ کچھ ایسی عادات وصفات کے حامل بھی تھے جن کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ جو قابل ذکر ہیں۔

1۔ سخاوت:

اہل عرب اس جہالت کے دور میں سخاوت کے ایسے وصف کے ساتھ متصف تھے کہ ہر بندہ دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش میں رہتا تھا، جسے وہ اپنے لیے باعث فخر سمجھتے تھے۔ یہ ہی وجہ تھی اہل عرب کی شاعری کا اکثر حصہ انہیں مرثیوں پر مشتمل ہے، کبھی تو کوئی اپنی بہادری اور سخاوت پر اور کبھی کسی دوسرے کی سخاوت اور بہادی پر شاعری کرتا نظر آئے گا۔ سخاوت کا یہ عالم تھا کہ اگر کسی نے بھوک اور پیاس کی وجہ سے بطور مہمان ان کے دوازے پر دستک دے دی تو گھر میں کچھ نہ ہونے کے باوجود اپنے گھر کو چلانے کے واحد سہارے اونٹنی تک ذبح کر کے مہمان نوازی کرنے سے دریغ نہیں کرتے تھے، اور بڑے فخر سے یہ کام سرانجام دیتے تھے۔

رات کو اپنے گھروں کے سامنے آگ جلانے کا اہتمام کرتے صرف اس لیے کہ شاید رات کے کسی پہر کوئی بھوکا پیاسا آگ دیکھ اس طرف آجائے اور مہمان نوازی کا موقع مل جائے۔ کنجوس اور بخیل ان کے درمیان رہنے کا حق نہیں رکھتا تھا۔

---

[1] النحل:58

[2] عثمان غنی پروفیسر؛ونذیر احمد، پروفیسر، اسلامی تمدن و تاریخ، ص298

علم کی نورانیت سے محروم ہونے کے باوجود ایسے خداداد حافظے کے مالک تھے کہ ایک ہی مجلس میں سینکڑوں اشعار پڑھ دیتے۔ اور جانوروں تک کے نسب یاد کئے ہوئے تھے۔

2۔ ایفائے عہد:

ایفائے عہد کا مطلب ہے وعدے کی پاسداری۔ اہل عرب وعدوں کی پاسداری کو دین کی حیثیت سے دیکھتے تھے، وعدے کی پاسداری کے لیے ان کے نزدیک گھربار مال وجان کی کوئی وقعت نہیں تھی۔ ہانی بن مسعود شیبانی اور اس جیسے کئی واقعات ان کے ایفائے عہد کی ترجمانی کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ خوددار، سادہ اور بہادر قوم تھی۔[1]

عربوں کی معاشی حالت:

اقتصادی اعتبار سے عرب معاشرہ بدحالی کا شکار تھا جو کہ غیر اصولی قوانین اور سودی نظامِ معیشت کے زیرنگوں تھا، ان کے پاس آج کے جدید نظام ہائے معاشیات کی طرح ایک مکمل نظامِ معیشت نہیں تھا لیکن چونکہ یہ جس نظام کے تحت زندگی گزار رہے تھے وہ بھی انسانوں کا ہی خودساختہ نظام تھا۔ جس میں ایک معاشی نظام کی بنیادی تعبیرات شامل تھیں۔ جو کہ جدید نظامہائے معیشت اور تہذیب و ترقی کی بنیاد بنا۔

یہ بات بھی اپنی جگہ حقیقت ہے کہ انسان کا خودساختہ کوئی نظام بھی جو وحی الہی و ہدایت کے علاوہ خالصتاً عقل، تجربات اور مشاہدات کی بنا پر کھڑا کیا گیا ہو وہ اپنی ظاہری خوبیوں کے باوجود بہت ساری خامیوں کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہو گا۔ لامحالہ طور پر انسانی عقل کامل نہ ہونے کے سبب کسی نظام کو مدون کرنے میں خطاء کی مرتکب ہو سکتی ہے۔ لہٰذا انسان جو نظام بنائے گا اس میں غلطیوں اور خرابیوں کا احتمال ضرور ہو گا۔

زمانہ جاہلیت میں عربوں کی معاشی زندگی کے مطالعہ سے ان کے چند معاشی پہلو سامنے آتے ہیں جو کہ درج ذیل ہیں۔

1۔ تجارت 2۔ زراعت 3۔ صنعت وکاریگری

تجارت:

بعثتِ رسول اللہ ﷺ کے وقت اہل عرب کا معاشی مشغلہ تجارت تھا۔ دوسرے ممالک میں ان کی تجارت کا بڑا چرچا تھا۔ بیت اللہ کی وجہ سے اس علاقہ کو شرف وفضیلت حاصل تھی، دنیا کے دور دراز علاقوں سے حجاج اور زائرین کی آمد ورفت کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ ان میں سے تاجر حضرات ساتھ ہی تجارتی سامان بھی لے آتے، خرید وفروخت کے بعد واپسی پر خریدا ہوا سامان اپنے علاقوں میں لے جاتے۔ اس دور میں اس علاقہ کو جہاں بیت اللہ کی وجہ سے فضیلت حاصل تھی وہاں یہ علاقہ عالمی تجارت کا مرکز بھی مانا جاتا تھا۔ یہ ہی وجہ تھی کہ عرب میں ہر قسم کی اشیاء وافر مقدار میں میسر ہوتی تھیں۔ اللہ رب العزت نے دنیا کی تمام نعمتیں اس گھر میں جمع فرمادیں تھیں جو خانہ کعبہ کی تعمیر کے بعد حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ

---

[1] مبارک پوری، صفی الرحمٰن، مولانا، الرحیق المختوم، (مترجم مولانا صفی الرحمٰن)، ص73-74

نے اپنی دعامیں مانگیں۔ جسے اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں اس طرح بیان فرمایا ہے۔

"وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰہِمُ رَبِّ اجْعَلْ ہٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّ ارْزُقْ اَہْلَہٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْہُمْ بِاللّٰہِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ قَالَ وَ مَنْ کَفَرَ فَاُمَتِّعُہٗ قَلِیْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّہٗۤ اِلٰی عَذَابِ النَّارِ ؕ وَ بِئْسَ الْمَصِیْرُ "[1]

اور جب ابراہیمؑ نے دعا کی کہ اے پروردگار اس جگہ کو امن کا شہر بنا اور اس کے رہنے والوں میں سے جو اللہ پر اور روز آخر پر ایمان لائیں ان کے کھانے کو میوے عطا فرما۔ تو اللہ نے فرمایا کہ جو کافر ہو گا میں اس کو بھی کچھ مدت تک سامان زندگی دوں گا مگر پھر اس کو عذاب دوزخ کے بھگتنے کے لئے مجبور کر دوں گا اور وہ بری جگہ ہے۔

عربوں کے مشہور تجارتی بازار:

باہر سے آنے والے تاجروں کی سہولت کے لیے اہل مکہ نے مختلف اشیاء کے الگ الگ بازار بنا رکھے تھے جن کے لیے الگ سے جگہ متعین نہیں ہوتی تھی۔

درج ذیل بازار جو اس وقت معروف تھے۔ جو اہل مکہ کی تجارت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

1۔ سوق العطارین (عطر فروشوں کا بازار)، 2۔ سوق الفوکہ (پھلوں کا بازار)، 3۔ سوق الرطب (کھجور منڈی)، 4۔ سوق البزازین (کپڑا فروشوں کا بازار)، 5۔ زقاق للحذائین (جوتوں کا بازار)، 6۔ مکان للحجامین والعلاقین (حجام)۔[2]

اس کے علاوہ موجودہ دور کے میلوں کی طرح مختلف مقامات پر اور مختلف اوقات میں بازار سجائے جاتے تھے جیسا کہ:

1۔ بازارِ صُحار جو حضرت موت کے مقام پر یکم رجب سے پانچ رجب تک قائم کیا جاتا تھا، 2۔ دومتہ الجندل عراق اور حجاز کے درمیان یکم ربیع الاول سے پندرہ ربیع الاول تک قائم کیا جاتا تھا، 3۔ مشقر جو کہ حضرت موت کے مقام پر جمادی الاولی کا سارا مہینہ مسلسل لگا رہتا تھا، 4۔ بازارِ دَبا رجب کے آخر میں سندھ، چین، ہندو غیرہ کے تاجروں کو شامل کئے ہوئے تھا، 5۔ بازارِ شحر جو کہ حضرت ہود علیہ السلام کی قبر کے قریب شعبان کے مہینے میں لگتا تھا، 6۔ بازارِ عدن یکم رمضان المبارک سے بیس رمضان المبارک تک لگتا تھا، 7۔ رابیہ جو کہ حضرت موت کے مقام پر پندرہ ذیعقد کو لگتا تھا، 8۔ زوالمجاز کا بازار یکم ذی الحجہ سے آٹھ ذی الحجہ تک لگتا تھا، 9۔ بازارِ حجر جو کہ یمامہ کے مقام پر ماہ محرم میں پورا مہینہ مسلسل لگا رہتا تھا۔[3]

تجارت اور قریش مکہ:

قریش مکہ پیشہ کے اعتبار سے تجارت پیشہ قبیلہ تھا۔ ان کے یمن اور شام کی طرف سال میں دو تجارتی سفر ہوا کرتے تھے موسم کا لحاظ رکھتے ہوئے موسم سرما میں یمن اور موسم گرما میں شام کی طرف ہوا کرتے تھے۔ جن کا سورۃ القریش میں اس طرح

---

[1] البقرہ:26

[2] عارف محمود، مفتی، قدیم اور جدید معاشی نظریات کا تعارف، ماہنامہ البینات، جامعہ العلوم الاسلامیہ، کراچی، رجب المرجب 1434ھ، ص47

[3] میمن، آصف، خیر محمد، دور جاہلیت میں عرب کے معاشی حالات کا جائزہ، ششماہی الاعجاز، الخادم فاؤنڈیشن، میٹیاری، سندھ، ج2، شمارہ 2 جولائی تا دسمبر، 2018ء، ص4

تذکرہ کیا گیا ہے۔

"لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍo اٖلٰفِہِمْ رِحْلَۃَ الشِّتَآءِ وَ الصَّیْفِ"[1]

قریش کے مانوس کرنے کی بناپر۔یعنی انکو جاڑے اور گرمی کے سفر سے مانوس کرنے کی بناپر۔

قریش ایسی قوم تھی کہ ان کے مرد وعورت دونوں تجارت میں پیش پیش نظر آتے تھے، جیسے کہ حضرت خدیجہؓ کا شمار عرب کے مشہور تاجروں میں ہوتا تھا۔ آپ ﷺ بھی ان کا مال شام میں تجارت کے غرض سے لے کر گئے، ہندہ جو حضرت ابوسفیانؓ کی زوجہ تھیں ان کے قافلے ملک شام میں تجارت کی غرض سے جایا کرتے تھے۔

وہ قریش ہی کا قافلہِ تجارت تھا جو ملک شام سے واپسی پر مسلمانوں کے حملے کا شکار ہوا اور غزوہ بدر کا سبب بنا۔ جس میں ایک ہزار اونٹ اور دس ہزار دینار کا مال تجارت شامل تھا جو مکہ کے ہر مرد وعورت اور بچہ کا سرمایہ تھا جو انہوں تجارت کے لیے ابوسفیان کی امارت میں ملک شام کی طرف نفع کے لیے بھیجا تھا۔ الغرض عرب میں عزت کے قابل وہی شخص ہوتا جس کا تجارت کے ساتھ کوئی نہ کوئی واسطہ ضرور ہوتا۔[2]

تجارت اور گھریلو ضروریات میں سود کا لین دین:

آمد اسلام سے قبل اہل عرب اپنی تجارت کی غرض سے ایک دوسرے کے ساتھ سودی لین دین کیا کرتے تھے، سود نے معاشی نظام کو اسطرح اپنی لپیٹ میں لیا ہوا تھا کہ غریب آدمی کا جینا مشکل ہو کر رہ گیا تھا، غریب آدمی سرمایہ داروں کے چنگل میں اس قدر پھنسا ہوا تھا کہ اسے ہر ظلم وبربریت کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ حال یہ تھا کہ اگر وقت پر سودی رقم نہ دی جاتی تو غریب آدمی کی جائیداد اور زمینیں سرمایہ دار ہڑپ کر جاتے تھے، چنانچہ اہل عرب کے نظریہ سود کو قرآن پاک میں یوں بیان کیا گیا ہے:

''ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا''[3]

اس لئے کہ وہ کہتے ہیں کہ سودا بیچنا بھی تو (نفع کے لحاظ سے) ویسا ہی ہے جیسے سود (لینا) حالانکہ سودے کو خدا نے حلال کیا ہے اور سود کو حرام۔

جب اسلام آیا تو آپ ﷺ نے وہ سارے سودی معاملات ختم کرنے کا حکم صادر فریا جو وہ زمانہ جاہلیت میں کیا کرتے تھے۔ چنانچہ قبیلہ بنو مغیرہ اپنے تجاری کاروبار کے لیے قبیلہ بنو عمرو بن عامر سے سود پر قرض لیا کرتا تھا جب سود کی حرمت کا اعلان ہو تو بنو مغیرہ کے ذمے ایک کثیر رقم تھی جو انہوں نے سود کی مد میں لی ہوئی تھی۔ ابن جریرؒ لکھتے ہیں۔

"کان بنوعمرو بن عامریاخذون الربوٰمن بنی مغیرہ وکانت بنومغیرہ یربون لہم فی الجاہلیۃ فجاء الاسلام ولہم علیہم مال کثیر"[4]

---

[1] القریش:1

[2] غفاری، نور محمد، ڈاکٹر، نبی کریم ﷺ کی معاشی زندگی، مرکز دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، لاہور، 1999ء، ص23

[3] البقرہ:275

[4] طبری، ابن جریر، جامع البیان عن آیات القرآن، ناشر دارالمعارف قاہرہ، س ن، ج6، ص22

زمانہ جاہلیت میں بنو عمرو بن عامر بنی مغیرہ سے سود لیا کرتا تھا اور بنی مغیرہ ان کو سود دیا کرتے تھے پس جب اسلام آیا تو بنو مغیرہ کے ذمے کثیر مال تھا۔

زراعت:

اہل عرب میں آج کی طرح اُس دور میں بھی ریگستانی علاقہ ہونے کی وجہ سے زراعت بطور پیشہ کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا تھا، قرآن پاک میں حضرت اسماعیلؑ سے وادی مکہ کے لیے یہ الفاظ منقول ہیں:

''رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ''[1]

اے پروردگار میں نے اپنی اولاد کو میدان (مکہ) میں جہاں کھیتی نہیں تیرے عزت (وادب) والے گھر کے پاس لا بسائی ہے۔

قریش کا اصل ذریعہ معاش تجارت تھا اور وہ تجارت کو ہی قدر کی نظر سے دیکھتے تھے، اس کے علاوہ پیشہ ور افراد ان کے نزدیک اہمیت کے حامل نہیں تھے۔ یہ ہی وجہ تھی کہ غزوہ بدر میں آپ ﷺ کی طرف سے کفار کے مقابل بھیجے گئے انصاری صحابی حضرت معاذؓ اور حضرت معوذؓ کو یہ کہہ کر مقابل نہ آنے کو بولا:

" یا محمد اخرج الینا اکفاءنا من قومنا"[2]

اے محمد! ہمارے مقابلے میں ہماری برادری سے ہمارے درجے کے نوجوانوں کو بھیجئے۔

تو آپ ﷺ نے حضرت حمزہؓ، حضرت علیؓ، اور حضرت عبید اللہ بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ان کے مقابلے میں بھیجا۔

اہل مدینہ اور طائف زرعی سہولیات کی دستیابی، زرخیز زمینوں، پانی کی فراوانی اور مناسب آب و ہوا کی وجہ سے زراعت میں مشہور تھے۔ مدینہ اور طائف کے باسی زراعت پیشہ افراد تھے جن کی ملکیت میں مختلف قسم کی اجناس والے کھیت اور باغات تھے، ان کے مشہور باغات کھجور کے تھے، ان کے علاوہ اجناس میں گندم اور پھلوں میں انار، کیلا، انگور، انجیر کی کاشت کرتے تھے۔ حضرت رافع بن خدیجؓ سے روایت ہے:

" کنا اکثر اهل المدینة مزدرعا"[3]

ہم مدینہ میں سب سے بڑے کاشتکار تھے۔

سعید احمد انصاری علامہ آلوسیؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں۔

"مدینہ فطرتاً سبز حاصل مقام تھا اس لیے وہاں کی آبادی کے لیے کاشتکاری اور بھی ضروری تھی چنانچہ زراعت کی کثرت اور پیداوار کی صلاحیت کی وجہ سے مدینہ کے چہار طرف جھنڈ کے جھنڈ سینکڑوں کھجوروں کے درخت نظر آتے تھے"[4]

---

[1] الابراہیم: 37

[2] ابن هشام، عبد الملک بن هشام، السیرة النبویة، مکتبہ ومطبعة مصطفیٰ البابی، ط الثانیہ، مصر، 1375ھ، ج 1، ص 625

[3] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب المزارعة، رقم الحدیث: 2327

[4] انصاری، سعید احمد، سیر انصار، مطبع معارف اعظم، گڈھ انڈیا، س ن، ج 1، ص 65

صنعت وکاریگری:

اہل عرب کا پیشہ چونکہ تجارت کے ساتھ وابسطہ تھا ساری صلاحیتیں اور توجہ تجارت پر ہی مرکوز تھیں، اس کے علاوہ کوئی ایسا ذریعہ معاش پیشہ وارانہ طور پر نہیں اپنایا جاتا تھا۔ یہ ہی وجہ تھی کہ اس علاقہ کا شمار صنعتی طور پر خستہ حالی اور پسماندہ ترین علاقوں میں ہوتا تھا۔

البتہ عرب میں کھالوں کی دباغت کا کام اعلیٰ پیمانے پر کیا جاتا تھا۔ ان کی کھالوں کی صنعت دوسرے علاقوں میں بھی قابل تحسین تھی، کھالوں کی تیاری میں ان کی مہارت کو سراہا جاتا تھا۔

اہل مدینہ بھی زراعت کے ساتھ کچھ صنعتی سرگرمیوں میں کوشاں تھے۔ جیسے پارچہ بانی، سنگ تراشی، لکڑی کا کام، اور ہتھیار سازی کے علاوہ زرگری اور لوہے کے کام کو ذریعہ معاش بنائے ہوئے تھے۔[1]

بعثت رسول ﷺ اور اسلامی نظام:

آپ ﷺ نے اس بکھری ذہنیت کے بدوی لوگوں کو جو ایک جھگڑالو اور قبائل میں بٹی ہوئی قوم تھی ایک جگہ جمع کر کے مدینہ منورہ میں اسلامی سلطنت کی بنیاد رکھی، بدوی قبائل کو ریاستی انتظام و انصرام دے کر ایک ریاست کے تحت یکجا کر دیا جس سے ریاستِ مدینہ اخوت و مساوات کا گہوار بن گئی۔ وہ ترقی یافتہ قومیں جو عرب کو محکوم اور حقیر سمجھے ہوئے تھیں ریاست مدینہ کو ان کے برابر لا کر کھڑا کر دیا۔

جس نے تاریخ انسانی کے تصورِ انسانیت میں انقلاب برپا کر دیا، جس سے ایک ایسا نظامِ زندگی وجود میں آیا جو ان سب نظاموں سے الگ تھلگ تھا جن کی بنیاد افلاطون اور ارسطو کے فلسفہ پر ہے۔ جس نے روم و فارس کے فلسفیانہ نظام کو منجمند کر دیا اور عالمگیر انقلاب و دعوت کا منشور دیا، جزیرہ نما عرب لامرکزیت کے علاوہ سیاسی طور پر بھی مفلوج الحال تھا، عرب کے مختلف علاقوں پر مختلف حکومتیں اپنا ذہنی تسلط جمائے ہوئے تھیں۔ جیسا کہ عرب کا جنوبی علاقہ ایرانیوں اور شمالی علاقہ جات رومیوں کے زیر تسلط تھے۔ رومیوں اور ایرانیوں کے نزدیک اہل عرب محکوم اور حقیر قوم تھی۔[2]

آپ ﷺ نے دنیائے عالم کے غیر منصفانہ اور غیر عادلانہ نظاموں کے مقابلے میں ایک ایسے عادلانہ نظام کی بنیاد رکھی اور ایسے اصول متعین کر دیئے کہ جس سے معاشی و معاشرتی نظام مستحکم ہونے کے ساتھ ساتھ امیر اور غریب کے تعلقات میں محبت واُلفت کا ماحول پیدا ہو گیا، غریب کی بے وقاری اس کی عزت و توقیر میں بدل گئی۔ نسل پرستی اور قبائل پرستی کا وہ سیلاب جو عرب معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے چکا تھا اس کے سامنے سیسہ پلائی دیوار کی طرح ڈٹ کر سماج میں اتحاد، اجتماعیت اور خوشحالی کی راہ میں بننے والی ہر رکاوٹ کا مقابلہ کیا۔ جس میں آپ ﷺ نے دنیائے عالم کو یہ بتا دیا کہ معاشرے کی فلاح وبقاء اور معاشی ترقی صرف انسانیت کو ماوراء نسل وقبیلہ یکجا کرنے کی صورت میں ہی ممکن ہے۔

---

[1] غفاری، نور محمد، ڈاکٹر، نبی کریم ﷺ کی معاشی زندگی، ص50

[2] نجیب آبادی، خان، اکبر شاہ، تاریخ اسلام، دارالاندلس مرکز القادسیہ 4، لاہور، س ن، ج1، ص81

اسلامی اقتصادی نظام کی غرض غایت:

آپ ﷺ نے جن سیاسی، مذہبی، اخلاقی، معاشی اور سماجی اصولوں کی بنیاد پر اسلامی معاشرے کا قیام کیا۔ان کا مقصد معاشرے کی فلاح وبہبود اور ہر برائی سے محفوظ رکھ کر انسانی باطنی اور ذہنی صلاحیتوں کو ایک پر سکون ماحول دینا ہے، تاکہ معاشرہ تہذیب وتمدن کی مستحکم بنیادوں پر کھڑا ہو کر اجتماعی مفاد کو انفرادی مفاد پر ترجیح دینے والا بن جائے۔ یہ آپ ﷺ کی اُس سیاسی، مذہبی، اخلاقی، معاشی اور سماجی جدوجہد کا ہی فیضان تھا کہ عرب کے وہ بدو جو آمد اسلام سے قبل خانہ جنگی، لادِینیت، لاقانونیت اور اخلاقی پستی کا شکار تھے۔امن، راحت، اعلیٰ تہذیب تمدن، اور نمونہ اخلاق لے کر دنیا کے افق پر ابھرے۔الطاف حسین حالی لکھتے ہیں:

عرب کی زمین جس نے ساری ہلا دی　　　وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوت ہادی[1]

اسلام میں تصورِ اقتصادیات:

تصورِ اقتصادیات میں اسلام کا نقطہ نظر یہ ہے کہ اسلام انسان کو باقی تمام شعبہ حیات کی طرح معاشی زندگی کے لیے بھی بنیادی اصول دیتا ہے، یہ بنیادی اصول دو قسم کے ہیں ایک تو وہ احکام جو دلیل قطعی سے ثابت ہوں جیسے حرمتِ رِبا اور وارثت میں مرد کا دو عورتوں کے برابر حصہ وغیرہ ان میں تغیر وتبدل نہیں کیا جا سکتا۔دوسرے وہ احکام جو دلیل وقطعی سے ثابت نہ ہوں بلکہ دلیل ظنی سے ثابت ہوں ان کا اختیار ولی امر، مجتہدین، فقہاء کو ہوتا ہے جو ایسے اصول اخذ کرتے ہیں جن کو سامنے رکھتے ہوئے ان کی بنیاد پر ہر دور کی ضرورت کے مطابق معاشی نظام کی عمارت کھڑی کی جاسکتی ہے، اسی طرح زندگی کے ہر شعبہ میں اسلام نے حدودِ اربعہ مقرر کر کے حکم یہ دیا کہ ان سے تجاوز نہ کیا جائے۔اب ہر دور میں فقہاءِ امت ان حدودِ اربعہ کے اندر رہتے ہوئے زمانے کی ضروریات کو سمجھتے ہوئے انہی اصولوں کی بنیاد پر معاشی زندگی کی ترتیب متعین کرتے ہیں اور نئے آنے والے مسائل کا قرآن وسنت کی روشنی میں استخراج کرتے ہیں۔چنانچہ ڈاکٹر عبداللہ بن محسن لکھتے ہیں:

> "احکام الاقتصادالاسلامی:وھی علی نوعین، الاول :الاحکام الثابتۃ:وھوماکانت احکامہ من ادلۃ قطعیۃ او راجعۃ الی الاصل قطعی----الثانی :الاحکام المتغیرۃ:وھومالم تکن ادلتہ قطعیۃ ولاراجعۃ الی الاصل قطعی"[2]
>
> اسلامی اقتصادی احکام دو قسموں پر مشتمل ہیں، پہلا احکام ثابتہ وہ احکام ہیں جو دلیل قطعی سے ثابت ہوں یا ان کے لیے اصل کی طرف رجوع کرنا پڑے۔۔۔۔ دوسرے احکام متغیرہ ہیں جو دلیل قطعی سے ثابت نہ ہوں اور اصل قطعی کی طرف رجوع نہ کیا جائے۔

ہر نظام دو پہلوں پر مشتمل ہوتا ہے:

1 ۔فکری اساس، 2۔علمیات۔

---

[1] حالی، الطاف حسین، مسدس حالی، ناشر تاج کمپنی لمیٹڈ، لاہور، س ن، ص17

[2] الطریقی، عبداللہ بن عبدالمحسن، الدکتور، الاقتصاد الاسلامی، مکتبۃ الملک فہد الوطنیۃ اثناء النشر، ط الحادیۃ عشرۃ، 1430ھ، ص19

جب ہم اسلام کے اقتصادی نظام پر بحث کریں گے تو اسلامی نظام کے ان دونوں پہلوؤں کا جاننا ضروری ہے۔

اسلامی نظامِ اقتصاد کی فکری اساس:

باقی نظامہائے دنیا کی طرح اسلامی نظامِ اقتصاد بھی اپنی فکری اساس رکھتا ہے۔ اسلام نے انسان کو معاشی زندگی گزارنے کے لیے جو نظام دیا ہے نہایت ہی مضبوط فکری بنیادوں پر قائم ہے ،اس کی نظریاتی اساس "ایمان" ہے۔ اصطلاحاً ایمان کا مطلب اللہ رب العزت پر ایمان لانا ہے کہ وہی اس کائنات کا مالک و خالق ہے، وہی رازق ہے جس نے اپنی تمام مخلوقات کے رزق کا ذمہ لیا ہے، قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا كُلٌّ فِي كِتَابٍ مُبِينٍ"[1]

اور زمین پر کوئی چلنے پھرنے والا نہیں مگر اس کا رزق خدا کے ذمے ہے وہ جہاں رہتا ہے، اسے بھی جانتا ہے اور جہاں سونپا جاتا ہے اسے بھی۔ یہ سب کچھ کتاب روشن میں (لکھا ہوا) ہے۔

اللہ رب العزت نے انسان کو اس دنیا میں ہمیشہ کے لیے نہیں بھیجا بلکہ یہ اس کا عارضی ٹھکانہ ہے اصل ٹھکانہ آخرت کی ابدی زندگی ہے جہاں ہمیشہ رہنا ہے۔ تو تیاری بھی اسی کی کرنی چاہیے جہاں ہمیشہ رہنا ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ، أَوْ عَابِرُ سَبِيلٍ"[2]

دنیا میں اس طرح ہو جا جیسے تو مسافر یا راستہ چلنے والا ہو۔

اللہ رب العزت نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا کہ میں نے زندگی اور موت کو پیدا ہی اسی لیے کیا ہے کہ میں آزمالوں کون اچھے اعمال لے کر آتا ہے: رب العزت نے ارشاد فرمایا:

"الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا وَهُوَ الْعَزِيزُ الْغَفُورُ"[3]

اسی نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں کون اچھے عمل کرتا ہے۔ اور وہ زبردست (اور) بخشنے والا ہے۔

جب ہمارے دلوں میں یہ بات راسخ ہو جائے گی کہ ہمارا مبداء اور معاد وہی اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس ہے اور دنیا ہمارے لیے عارضی ہے تو باقی تمام دنیاوی نظام ہمارے نزدیک فاسد ہو جائیں گے جن کی بنیاد مادہ پرستی اور ارسطوئی فلسفہ پر ہے۔

اسلامی اقتصادی نظام کی علمیاتی اساس:

اسلام کے اقتصادی نظام کی علمیاتی عمارت ان دو قرآنی آیات کی بنیاد پر استوار ہوتی ہے۔

---

[1] الھود:6

[2] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الرقاق، رقم الحدیث: 6416

[3] الملک:2

(1)

'' أَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا''[1]

حالانکہ سودے (بیع) کو خدا نے حلال کیا ہے اور سود کو حرام۔

(2)

''لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ''[2]

ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ ۔

جدید اقتصادی نظام اور اسلامی اقتصادی نظام میں فرق انہی دو نظریوں سے ہوتا ہے، انسانی فطرت ہے کہ بلامشقت نفع کا طلبگار ہوتا ہے، اس لیے ایک معاشی انسان ''رِبا'' کو ''بیع'' کی بانسبت زیادہ اہمیت دیتا ہے کہ ''رِبا'' میں مشقت نہیں ہے اور نفع آسانی سے حاصل ہوتا ہے، جبکہ ''بیع'' ایک محنت طلب کام ہونے کے ساتھ نفع ونقصان کا احتمال رکھتا ہے۔ اور ''ربا'' میں نقصان والا پہلو معدوم ہے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ غیر اسلامی معیشت دان ہمیشہ سود کے حرام ہونے کے باوجود اس کے رواج پر بضد ہو کر قرآنی و اخلاقی قدار کو پس پشت ڈال کر محاذآرائی کرتے آئے ہیں۔ حرمت سود کے احکام نازل ہونے کے بعد مشرکین مکہ جو سودی نظام کے چنگل میں پھنسے ہوئے تھے یہ نعرہ لگا کر انکار کر دیا جسے قرآن پاک نے اس طرح بیان کیا ہے:

''قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا''[3]

وہ کہتے ہیں کہ سودا بیچنا بھی تو (نفع کے لحاظ سے) ویسا ہی ہے جیسے سود (لینا) ۔

2۔ اپنی معاشی جدوجہد میں ایسا طریقہ اپنانا کہ جس میں دوسرے کا مال اس طریقے سے حاصل کیا جائے کہ جس پر اسے کوئی حق نہیں تھا اسلام اس سے منع کرتا ہے یہ مفہوم عام ہے جو ابن کثیرؒ اسی آیت مبارکہ کے تحت لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ اپنے ایماندار بندوں کو ایک دوسرے کے مال باطل کے ساتھ کھانے کی ممانعت فرما رہا ہے خواہ اس کمائی کے ذریعہ سے ہو جو شرعاً حرام ہے جیسے سود خوری، قمار بازی اور ایسے ہی ہر طرح کی حیلہ سازی چاہے اسے جواز کی شرعی صورت دے دی ہو اللہ کو خوب معلوم ہے کہ اصل حقیقت کیا ہے، سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال ہوتا ہے کہ ایک شخص کپڑا خریدتا ہے اور کہتا ہے اگر مجھے پسند آیا تو تو رکھ لوں گا ورنہ کپڑا اور ایک درہم واپس کر دوں گا آپ نے اس آیت کی تلاوت کر دی یعنی اسے باطل مال میں شامل کیا''[4]

معلوم ہوا کے اللہ رب العزت نے تجارت کے وہ تمام طریقے ممنوع قرار دیئے ہیں جن میں غرر، فریب اور ناجائز منافع کا پہلو شامل ہو۔

---

[1] البقرہ:275

[2] النساء:29

[3] البقرۃ:275

[4] ابن کثیر، عمادالدین، تفسیر ابن کثیر (مترجم مولانا محمد صاحب جوناگڑھی)، شمع بک ایجنسی اردو بازار، لاہور، س ن، ج 1، ص، 529

اسلامی نظامِ اقتصاد کے بنیادی اصول:

اسلام ایک مکمل نظامِ حیات ہے، یہ نظام جن نظریات و افکار، عقائد اور اصول وضوابط پر مبنی ہے وہ ایک منظم، مربوط اور کل کے اجزاء کی طرح مرتب ہیں۔ اسلامی تعلیمات خواہ ان کا تعلق اجتماعی معاملات سے ہو یا انفرادی معاملات سے ہو جن میں عقائد، عبادات، رسومات اور معاشرت، معیشت، سیاست شامل ہے یہ تمام ایک ترتیب کے ساتھ باہم مربوط اور منظم ہیں۔ لہٰذا ان میں سے کسی ایک جز مثلاً ''اسلامی اقتصادیات'' کا صحیح مفہوم و مطلب اور اس کے اصول جاننے کے لیے اس کے کل یعنی ''اسلام'' کی منشاء کا جاننا اور باقی تعلیمات کے ساتھ مطابقت ہونا ضروری ہے۔

اسلام کی منشاء کیا ہے؟ قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا كُلٌّ فِي كِتَابٍ مُبِينٍ''[1]

اور زمین پر کوئی چلنے پھرنے والا نہیں مگر اس کا رزق خدا کے ذمے ہے وہ جہاں رہتا ہے، اسے بھی جانتا ہے اور جہاں سونپا جاتا ہے اسے بھی۔ یہ سب کچھ کتاب روشن میں (لکھا ہوا) ہے۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

''إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ''[2]

خدا ہی تو رزق دینے والا زور آور اور مضبوط ہے۔

ان آیات میں اللہ رب العزت کی صفت رزاقیت کا تذکرہ ہے جو کہ اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ کائنات میں اللہ رب العزت نے جو بھی وسائل رزق پیدا فرمائے ہیں ان میں اِس کائنات کے ہر ہر فرد کا رزق موجود ہے جو ہر انسان کو اس کی زندگی کی بقاء کے مطابق رزق میسر ہونا چاہیے۔ اسلام یہ چاہتا ہے کہ اللہ رب العزت کی یہ صفتِ رزاقیت کے تحت کائنات کے ہر فرد کو سامان معاش میسر ہو، لہٰذا اسلامی اقتصادی نظام میں ایسے اصول اور قواعد وضوابط جس سے بعض افراد کو تو سامان معاش وافر مقدار میں میسر ہو اور بعض کو نہ ہو وہ اصول اسلامی نہیں کہلائیں گے۔

نیز دوسرے نظاموں (سرمایہ دارانہ نظام اور اشتراکیت) کی طرح اسلام کسی معاشی اصطلاح کو براہ راست زیر بحث نہیں لایا، لیکن باقی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے احکام کی طرح نظامِ اقتصاد کے احکام بھی دیئے ہیں۔ انہی احکام کو سامنے رکھتے ہوئے چند اصول جو معیشت کی کتابوں میں ذکر ہیں درج ذیل ہیں۔

1۔ انفرادی ملکیت کا تصور

یہ بات واضح رہے کہ اللہ رب العزت نے اصل ملکیت کا تصور اپنے پاس رکھا ہے انسان کو بطور نائب اور خلیفہ اس کو حق تصرف کے طور پر ملکیت دی ہے۔

---

[1] الھود:6

[2] الذاریات:58

قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''لِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا فِيهِنَّ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ''[1]

آسمان اور زمین اور جو کچھ ان (دونوں) میں ہے سب پر خدا ہی کی بادشاہی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

دوسری جگہ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا

''آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَأَنْفِقُوا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُسْتَخْلَفِينَ فِيهِ فَالَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَأَنْفَقُوا لَهُمْ أَجْرٌ كَبِيرٌ''[2]

(تو) خدا پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور جس (مال) میں اس نے تم کو (اپنا) نائب بنایا ہے اس میں سے خرچ کرو۔ جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور (مال) خرچ کرتے رہے ان کے لئے بڑا ثواب ہے۔

ان دونوں آیات میں واضح ہے کہ اصل ملکیت تو اللہ رب العزت کی ہے لیکن اس نے اپنی ملکیت میں تصرف کے لیے انسان کو اپنی خلافت و نیابت کے شرف سے نوازا ہے۔

قرآن مجید میں اور بھی بہت ساری آیات اس موضوع پر موجود ہیں جو اللہ رب العزت کی حقیقی ملکیت کی وضاحت کرتی ہیں۔ اسلام چونکہ ایک دین فطرت اور امن و سلامتی کا دعویدار ہے۔ اس لیے اللہ رب العزت کی حقیقی اور ملکیتِ کلی کے تحت قیوداتِ جائز و ناجائز مقرر کرکے رفع فساد، تصرفِ اموال اور حصولِ انتفاع کے لیے فرد کے حقِ ملکیت کو تسلیم کرتا ہے۔[3] قرآن پاک کی بہت ساری آیات میں اس کی وضاحت موجود ہے۔

(1)

'' لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِمَّا اكْتَسَبْنَ''[4]

مردوں کے لیے اس میں سے ایک حصہ ہے، جو انھوں نے محنت سے کمایا اور عورتوں کے لیے اس میں سے ایک حصہ ہے، جو انھوں نے محنت سے کمایا۔

(2)

''وَإِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ''[5]

اور اگر توبہ کرلو تو تمھارے لیے تمھارے اصل مال ہیں۔

---

[1] المائدہ:120

[2] الحدید:7

[3] محمد دین، ڈاکٹر، شاہ ولی اللہ اور ان کے اقتصادی نظریات، تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور، 1986ء، ص429

[4] النساء:32

[5] البقرۃ:279

(3)

''وَآتُوهُمْ مِنْ مَالِ اللَّهِ الَّذِي آتَاكُمْ''[1]

اور انھیں اللہ کے مال میں سے دو جو اس نے تمھیں دیا ہے۔

(4)

''وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَعْلُومٌ o لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ''[2]

اور جن کے مال میں حصہ مقرر ہے، (یعنی) مانگنے والے کا اور نہ مانگنے والے کا ۔

مندرجہ بالا آیات میں (أَمْوَالِهِمْ ، أَمْوَالِكُمْ وغیرہ) ایسے الفاظ نجی ملکیت پر دلالت کرتے ہیں، لیکن اسلام اس ساری ملکیت کو فضلِ خداوندی قرار دیتا ہے اور اسے سرمایہ دارانہ نظام کی طرح بے لگام نہیں چھوڑ دیتا بلکہ اس کی کچھ حدود و قیود مقرر کرتا ہے۔ جو کہ درج ذیل ہیں۔

1۔ محنت اور سعیِ رزق:

اسلام میں انفرادی ملکیت کے لیے پہلی شرط محنت اور سعیِ رزق ہے، اللہ رب العزت نے انسان کو پیدا فرما کر اس کے لیے وسائلِ رزق مہیا فرمائے ہیں اور انسان کو اپنی کوشش کے ساتھ انہیں حاصل کرنے کی ترغیب دی ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ''[3]

پھر جب نماز ہو چکے تو اپنی اپنی راہ لو اور خدا کا فضل تلاش کرو اور خدا کو بہت بہت یاد کرتے رہو تا کہ نجات پاؤ۔

محنت سے کمائی کرنے پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"مَا أَكَلَ أَحَدٌ طَعَاماً قَطُّ خَيْرًا مِنْ أَنْ يَأْكُلَ مِنْ عَمَلِ يَدِه، وَأَنَّ نَبِيَّ اللهِ دَاوُدَ عليه السلامُ كَانَ يَأْكُلُ مِنْ عَمَلِ يَدِه"[4]

تم میں کوئی اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر کوئی چیز نہیں کھاتا، اور اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ سے کما کر کھاتے تھے۔

ایک دوسری روایت میں ہے:

"لأنْ يَحْتَطِبَ أَحَدُكُمْ حِزْمَةً عَلَى ظَهْرِه خَيْرٌ مِنْ أَنْ يَسْأَلَ أَحَدًا فَيُعْطِيَه أَوْ يَمْنَعُه"[1]

---

1 النور: 33

2 المعارج: 25،24

3 الجمعہ: 10

4 بخاری، الجامع الصحیح، کتاب البیوع، بَابُ كَسْبِ الرَّجُلِ وَعَمَلِهِ بِيَدِهِ، رقم الحدیث: 2072

وہ شخص جو لکڑی کا گھٹا اپنی پیٹھ پر لاد کر لائے، اس سے بہتر ہے جو کسی کے سامنے ہاتھ پھیلائے چاہے وہ اسے کچھ دیدے یا نہ دے۔

آپ ﷺ نے کسب حلال کو فریضہ قرار دیا ہے، چنانچہ ارشاد نبوی ہے:

''كَسْبُ الْحَلَالِ فَرِيْضَةٌ بَعْدَالْفَرِيْضَةِ''[2]

حلال روزی کمانا فرائض (لازمہ) کے بعد فریضہ ہے۔

آپ ﷺ نے فکرِ طلبِ معاش کو (مخصوص) گناہوں کا کفارہ قرار دیا ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا:

"اِنَّ مِنَ الذُّنُوْبِ ذُنُوْبًا، لاَ تُكَفِّرُهَا الصَّلٰوةُ وَلاَ الصِّيَامُ وَلاَ الْحَجُّ وَلاَ الْعُمْرَةُ، قَالُوْا: فَمَا يُكَفِّرُهَا يَا رَسُوْلَ اللهِ ؟! قَالَ: اَلْهُمُوْمُ فِيْ طَلَبِ الْمَعِيْشَةِ"[3]

گناہوں میں سے بعض گناہ ایسے ہیں، جنہیں نہ نماز معاف کرواتی ہے، نہ ہی روزہ اور نہ حج وعمرہ معاف کراتے ہیں، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! پھر انھیں کون سی چیز معاف کرواتی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کا کفارہ کسبِ معاش میں پیش آنے والی پریشانیاں ہیں۔

2۔ حقوق واجبہ اور نافلہ:

اسلام نے وہ مال جو انسان اپنی ذاتی محنت اور سعی سے کماتا ہے اس میں بھی حقوق رکھ دیئے ہیں جن میں سے کچھ تو ایسے ہیں جو شرعی اور وجوبی طور پر مقررہ نصاب پورا ہونے سے انسان پر ان کی ادائیگی لازم ہوتی ہے۔ اگر کوئی صاحبِ نصاب خود یہ حقوق ادا نہیں کرتا تو ریاست یہ حق رکھتی ہے کہ وہ قانونی اختیار کو بروئے کار لاتے ہوئے زبردستی ان حقوق کی ادائیگی کا اہتمام کرے۔ دوسرے کچھ ایسے ہیں جن کی ادائیگی تو لازم نہیں ہے لیکن نفلی طور پر ان کو انسان ادا کرتا ہے جیسے نفلی صدقات وغیرہ۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(1)

''وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ''[4]

اور ان کے مال میں مانگنے والے اور نہ مانگنے والے (دونوں) کا حق ہوتا تھا

(2)

''وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَعْلُومٌ ۝ لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ''[1]

---

[1] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب البیوع، بَابُ كَسْبِ الرَّجُلِ وَعَمَلِهِ بِيَدِهِ، رقم الحدیث: 2074

[2] البیہقی، أبو بکر أحمد بن الحسین بن علی، السنن الکبری، کتاب الاجارۃ، باب کسب الرجل وعمله بیده، رقم الحدیث: 1230، ناشر مجلس دائرۃ النظامیۃ، حیدرآباد، الہند، ۱۳۴۴ھ، ج6، ص128

[3] الہیثمی، نورالدین علی بن أبی بکر، مجمع الزوائد، کتاب البیوع، باب الکسب والتجارۃ ومحبتها والحث علی طلب الرزق، رقم الحدیث: 6239، ناشر دارالفکر، بیروت، س ن، ج4، ص109

[4] الذاریات: 19

اور جن کے مال میں حصہ مقرر ہے (یعنی) مانگنے والے کا۔اور نہ مانگنے والے کا[1]

اسلام نے اہل ثروت کے مال میں غریب اور نادار کا حق رکھ کر تمام انسانوں میں ایک ایسا توازن قائم کر دیا ہے کہ اجتماعی طور پر اس کو پورا کرنے سے معاشرے سے فقر و فاقہ اور افلاس کا خاتمہ ہو کر ایسی اعتدال والی فضاء قائم ہو جائے کہ معاشرے سے تمام معاشی تنگدستیاں مسمار ہو کر رہ جائیں۔

یمن کے باشندے اسلام کے نور سے منور ہو کر اسلام میں داخل ہو گئے تو آپ ﷺ نے 10 ہجری میں معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تو بطورِ وصیت ارشاد فرمایا:

''قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لمعاذ بن جبل حين بعثه إلى اليمن: إنك ستاتي قوما اهل كتاب،فإذا جئتهم فادعهم إلى ان يشهدوا ان لا إله إلا الله وان محمدا رسول الله، فإن هم اطاعوا لك بذلك فاخبرهم ان الله قد فرض عليهم خمس صلوات في كل يوم وليلة، فإن هم اطاعوا لك بذلك فاخبرهم ان الله قد فرض عليهم صدقة تؤخذ من اغنيائهم فترد على فقرائهم، فإن هم اطاعوا لك بذلك فإياك وكرائم اموالهم واتق دعوة المظلوم فإنه ليس بينه وبين الله حجاب''[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ رضی اللہ عنہ کو جب یمن بھیجا' تو ان سے فرمایا کہ تم ایک ایسی قوم کے پاس جارہے ہو جو اہل کتاب ہیں۔ اس لیے جب تم وہاں پہنچو تو پہلے انہیں دعوت دو کہ وہ اس بات کی گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے سچے رسول ہیں۔ وہ اس بات میں جب تمہاری بات مان لیں تو انہیں بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر روزانہ دن رات میں پانچ وقت کی نمازیں فرض کی ہیں۔ جب وہ تمہاری یہ بات بھی مان لیں تو انہیں بتاؤ کہ ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ دینا ضروری قرار دیا ہے۔ یہ ان کے مالداروں سے لی جائے گی اور ان کے غریبوں پر خرچ کی جائے گی۔ پھر جب وہ اس میں بھی تمہاری بات مان لیں تو ان کے اچھے مال لینے سے بچو اور مظلوم کی آہ سے ڈرو کہ اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی۔

اس حدیث مبارکہ میں آپ ﷺ کی پُر حکمت تعلیم سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اہل ثروت یہ خیال مت کریں کہ یہ جو ان کو دولت دی گئی ہے اس پر حقیقی ملکیت بس انہی کی ہے، بلکہ یہ تو ان پر خدا کا فضل ہے کہ خدا نے ان کو اپنی نیابت کے لیے چن لیا ہے۔ لہٰذا انسان پر اجتماعی حقوق کی ذمہ داری اسی قدر ہو گی جس قدر وہ کماتا ہے۔

اسلامی تعلیمات اور معاشی مسائل اربعہ کا حل:

جدید معیشت دانوں کے ایجاد کردہ معاشی مسائل (1۔ترجیحات کا تعین، 2،وسائل کی تحصیص، 3۔ آمدنی کی تقسیم، 4۔ ترقی) جن کو وہ معیشت کی بنیاد ٹھہرا کر ان کے حل کے لیے اپنے نظریات پیش کر کے معاش کو مقصد زندگی قرار دیتے ہیں۔ ان

---

[1] المعارج:25،24

[2] بخاری، الجامع الصحیح، كتاب الزكوة، بَابُ أَخْذِ الصَّدَقَةِ مِنَ الأَغْنِيَاءِ وَتُرَدَّ فِي الْفُقَرَاءِ حَيْثُ كَانُوا، رقم الحدیث: 1496

مسائل کے حل میں اسلامی نقطہ نظر جو احکامات پیش کرتا ہے وہ درج ذیل ہیں۔

قوانین رسد و طلب اور اسلامی نقطہ نظر:

اسلام چونکہ ایک فطری مذہب ہے اس لیے جو بھی فطری قانون ہو اسے تسلیم کرتا ہے۔ لہٰذا "طلب و رسد" کے قوانینِ فطرت کو بھی نہ صرف قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے، بلکہ اقتصادیات کے باب میں اس کی ہدایات بھی کرتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

"نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا"[1]

ہم نے ان کے درمیان معیشت کو تقسیم کیا ہے اور ان میں سے بعض کو بعض پر درجات میں فوقیت دی ہے، تاکہ ان میں سے ایک دوسرے سے کام لے سکیں۔

اس آیت مبارکہ میں ہے کہ "ایک دوسرے سے کام لے سکیں" ایک کام کرنے والا ہوگا اور دوسرا جس سے کام لیا جارہا ہوگا، کام کرنے والے کو رسد اور کام لینے والے کو طلب سے تعبیر کیا جائے گا۔ یہ ہی طلب و رسد کا فطری قانون ہے جس کی باہمی کشمش اور امتزاج سے ایک متوازن معیشت کا وجود ممکن ہے۔

آپ ﷺ نے اس درخواست کے جواب میں جو بازار میں فروخت ہونے والی اشیاء کی قیمتوں اور نرخ کو سرکاری طور پر متعین کرنے کے بارے میں کی گئی ارشاد فرمایا:

"إِنَّ اللهَ هُوَالْمَسعِّرُالْقَابِضُ الْبَاسِطُ الرَّازِقُ"[2]

بے شک اللہ تعالیٰ ہی قیمت مقرر کرنے والے ہیں، وہی چیزوں کی رسد میں کمی اور زیادتی کرنے والے ہیں، اور وہی رزاق ہیں۔

ایک دوسرے مقام پر ہے کہ زمانہ نبوت میں جب دیہات والے لوگ شہر میں اپنا مال بیچنے کی نیت سے نکلتے تو راستے میں شہری لوگ ان سے کہتے کہ تم مال ہمیں دے دو تاکہ وہ شہری لوگ زیادہ قیمت میں مال فروخت کریں۔ اس پر آپ ﷺ نے شہریوں کو ایسا کرنے سے منع کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"دَعُوا النَّاسَ يَرْزُقُ اللهُ بَعْضَهُمْ مِنْ بَعْضٍ"[3]

لوگوں کو آزاد چھوڑ دو تاکہ اللہ تعالیٰ ان میں سے بعض کو بعض کے ذریعے رزق عطا فرمائے۔

یہ وہ معاشی تعلیم اور معاشی بصیرت تھی کہ بازار میں طلب و رسد کے توازن کو برقرار رکھنے کے لیے آپ ﷺ نے خرید و فروخت کرنے والے دو آدمیوں کے درمیان تیسرے کو مداخلت کرنے سے منع فرمادیا۔ اسی طرح اسلام نے ایسی

---

[1] الزخرف:32

[2] الاذدی، السجستانی، أبوداؤد سلیمان بن الاشعث، السنن، كتاب الاجارة، باب فی الشعير، رقم الحدیث:3451، ناشر دار احیاء التراث العربی، ۱۴۲۱ھ، ج3، ص374، 375

[3] الترمذی، أبو عیسی محمد بن عیسی بن سورة، السنن، كتاب البيوع، باب ماجاء لايبيع حاضرلباد، رقم الحدیث:1223، دارالکتب العلمیۃ، بیروت ۱۴۲۱ھ، ج2، ص266

بیوعات جن سے مال صرف سرمایہ داروں کے ہاتھ میں سمٹ کر رہ جائے جیسے: سود، قمار، سٹہ بازی وغیرہ کے رد میں احکامات جاری کئے ہیں۔ ان تمام بیوعات فاسدہ اور باطلہ کی حرمت کے احکامات جاری کرنے کی وجہ یہ ہی تھی کہ فطری قوانین جن پر معاشی بنیادیں کھڑی ہیں مستحکم رہیں۔[1]

3۔ ذاتی منافع کا محرک

اسلام نے ذاتی منافع کے محرک کو تسلیم کر کے ایک تاجر کو ایسی حدود کا پابند ٹھہرایا ہے کہ جو معیشت کو غیر متوازن سمت پر جانے سے منع کرتا ہے۔ جبکہ جدید معاشی نظاموں (سرمایہ دارانہ نظام) میں ذاتی منافع کے محرک کو آزاد چھوڑ دیا گیا ہے۔ جس سے معیشت غیر متوازن سمت پر چل پڑتی ہے۔ اسلام ذاتی منافع کے محرک پر جو پابندیاں عائد کرتا ہے وہ درج ذیل تین قسم کی ہیں۔

1۔ خدائی پابندیاں

اسلام نے انسانی زندگی کے تمام معاملات کی طرح معاشیات کے باب میں بھی حلال و حرام کے کچھ احکامات اور کچھ حد بندیاں جاری کی ہیں جن کی اپنی الگ ابدی حیثیت ہونے کے ساتھ ساتھ ہر زمانے میں اور ہر جگہ ان پر عمل کرنا لازمی ہے۔ اسلام ان پابندیوں کو انسانی عقل کا محتاج نہیں ٹھہراتا بلکہ وحی الٰہی ان کا اصل منبع اور ماخذ ہیں، تاکہ انسانی عقلوں میں تفاوت معاشرے کو ان پابندیوں سے آزاد کروا کر معاشرے کو معاشی بے راہ روی کا شکار نہ بنا دے۔

مثال کے طور پر سود، قمار، سٹہ، اکتناز، احتکاز کے علاوہ باقی تمام بیوعات باطلہ کو ناجائز قرار دیا جن سے معاشرہ معاشی بد اخلاقی اور فرسودگی کا شکار ہو۔ چنانچہ مفتی تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں:

> ''فَلاَ يَجُوْزُ لِأَحَدٍ مِّنَ الْمُكْتَسِبِيْنَ أَنْ يَكْسِبَ الْمَالَ بِطَرِيْقَةٍ غَيْرِ مَشْرُوْعَةٍ مِّنَ الرِّبَوٰ وَالْقِمَارِ وَالتَّخْمِيْنِ وَسَائِرِ الْبُيُوْعِ الْفَاسِدَةِ أَوِ الْبَاطِلَةِ''[2]
>
> کسی تاجر کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ سود، قمار، سٹہ بازی اور دیگر تمام بیوع فاسدہ و باطلہ کے غیر مشروع طریقہ سے مال کمائے۔ (کیوں کہ یہ چیزیں عموماً اجارہ داریوں کے قیام کا ذریعہ بنتی ہیں)۔

2۔ ریاستی پابندیاں:

خدائی ابدی پابندیوں کے بعد اسلام حکومت وقت کو یہ اختیار دیتا ہے کہ اگر تو تمام معاملات عین شریعتِ اسلامیہ کے مطابق چل رہے ہوں تو مداخلت نہ کرے اور اگر مباحات وغیرہ سے اجتماعی خرابی لازم آرہی ہو تو عمومی مصلحت کے تحت پابندی لگا سکتی ہے، تاکہ معاشی ناہمواریوں کا سد باب کیا جا سکے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایک دفعہ بازار تشریف لائے اور دیکھا کہ ایک شخص چیز کو اس کے معروف نرخ سے بہت کم داموں میں فروخت کر رہا ہے۔ تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

---

[1] عثمانی، محمد تقی، مفتی، تکملۃ فتح الملہم، کتاب البیوع، المذہب الاقتصادی الاِسلامی، مکتبۃ دار العلوم، کراتشی، س ن، ج1، ص311- 313

[2] ایضاً:312

''إِمَّا أَنْ تَزِيْدَ فِي السِّعْرِ وَإِمَّا أَنْ تَرْفَعَ مِنْ سُوْقِنَا''[1]

یا تم دام میں اضافہ کرو، ورنہ ہمارے بازار سے اٹھ جاؤ۔

حدیث مبارکہ سے واضح ہوتا ہے کہ اگر اولی الامر کسی معاملے میں عمومی مفاد یا کسی مصلحتِ عامہ کی وجہ سے کوئی پابندی عائد کرنا چاہے تو اسے اختیار ہے۔ جیسا کہ حضرت عمر فاروقؓ نے معروف قیمت سے کم بیچنے پر پابندی عائد کی، گو کہ آپؓ کا پابندی لگانا کسی وجہ سے بھی ہو سکتا ہے اس کے کم نرخ سے ذخیرہ اندوزی یا لوگوں کا وہ چیز ضرورت سے زیادہ مقدار میں خریدنا اسراف کا سبب بن سکتا ہو۔

اولی الامر کی لگائی گئی پابندی پر عمل کرنا واجب ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ''[2]

مومنو! خدا اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو اور جو تم میں سے صاحب حکومت ہیں ان کی بھی۔

اس آیت مبارکہ میں یہ وضاحت ملتی ہے کہ اولی الامر کی اطاعت واجب العمل ہے۔ البتہ ایک بات واضح رہے کہ یہ اطاعت اس وقت ہو گی جب قرآن وسنت سے کوئی حکم نہ ملے دوسرا یہ کہ یہ پابندیاں قرآن وسنت کے کسی حکم کے متضاد نہ ہوں، اگر حکمِ ولی الامر کسی حکمِ شرعی سے متصادم ہو اور اس میں کوئی اجتماعی مصلحت نہ ہوئی تو وہ واجب العمل نہیں ہو گا کیونکہ اسلام نے ہمیں یہ تعلیم دی ہے کہ ''مخلوق کی اطاعت جائز نہیں جب خدائی حکم آجائے'' چنانچہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''لاَ طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِيْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ''[3]

خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں۔

اور فقہی قاعدہ ہے کہ:

"التصرف على الرعية منوط بالمصلحة"[4]

عوام پر حکومت کے اختیارات مصلحت کے ساتھ بندھے ہوئے ہیں۔

لہٰذا اولی الامر کے پابندی لگانے میں کوئی اجتماعی مصلحت نہ ہوئی تو قاضی اس پابندی کو ختم کرنے کا حق رکھتا ہے۔

3۔ اخلاقی پابندیاں:

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو زندگی کے باقی تمام شعبوں کی طرح معیشت کے شعبے میں بھی رہنمائی کرتا ہے۔ لیکن اسلام انسان کو یہ تعلیم دیتا ہے کہ معاشی سرگرمیوں اور ان سے حاصل مادی فوائد انسانی مقصد حیات نہیں ہیں۔ بلکہ انسانی پیدائش کا اصل مقصد اُخروی کامیابی کا حصول ہے۔ زندگی کے کامیاب لمحات وہی ہیں جو آخرت کی فکر میں گزر جائیں، انسان

---

[1] إمام دار الهجرة، مالك بن أنس، مؤطا الإمام مالك، كتاب البيوع، باب الحكرة والتربص، قدیمی کتب خانہ، کراچی، س ن، ص 591

[2] النساء: 59

[3] التبریزی، الخطیب، ولی الدین ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ، مشکاۃ المصابیح، كتاب الامارة والقضاء، الفصل الثانی، رقم الحدیث: 3696، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۲۴ھ، ج 3، ص 8

[4] الحجی الکردی، احمد، القواعد الفقہیۃ الکلیۃ، القاعده الثامنا: نظرية الولاية، ناشر فی وزارۃ الاوقف والشوون الاسلامیہ بدولۃ الکویت، س ن، ص 85

تو اس قدر حریص ہے کہ ایک چیز مل جائے تو دوسرے کی خواہش کرتا ہے۔ حدیث پاک میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”لو ان لابن آدم واديا من ذهب احب ان يكون له واديان، ولن يملا فاه إلا التراب،
ويتوب الله على من تاب“[1]

اگر انسان کے پاس سونے کی ایک وادی ہو تو وہ چاہے گا کہ دو ہو جائیں اور اس کا منہ قبر کی مٹی کے سوا
اور کوئی چیز نہیں بھر سکتی اور اللہ اس کی توبہ قبول کرتا ہے جو توبہ کرے۔

آپ ﷺ کے اس فرمان عالی شان سے یہ بات واضح ہوئی کہ انسان کے دل میں زیادہ کی خواہش ہوتی ہے۔ لیکن انسانی فکرِ معاد فکرِ معاش پر غالب ہو، اسبابِ معیشت میں اس طرح منہمک ہو جانا کہ وہ آخرت کی فکر سے غفلت کا سبب بن جائیں یہ مذموم ہے۔

لہٰذا معیشت میں اخلاقی پابندیوں سے مراد یہ ہے کہ جب انسانی فکرِ معاد فکرِ معاش پر غالب ہو جاتی ہے تو اس کا اثر انسان کے معاشی فیصلوں پر اس طرح ظاہر ہوتا ہے کہ انسان آخرت میں زیادہ نفع مند ہونے والے کام کو دنیاوی منفعت والے کام پر ترجیح دیتا ہے۔

---

[1] بخاری، الجامع الصحیح، كِتَاب الرِّقَاقِ، بَابُ مَا يُتَّقَى مِنْ فِتْنَةِ الْمَالِ، رقم الحدیث: 6439

باب دوم

اقتصادی افکار میں تصور روحانیت کا جائزہ

فصل اول

عصر حاضر کے اقتصادی افکار

1۔اشتراکیت (Socialism)

دینامیں معاشی طور پر پیش آمدہ مسائل کے حل کے لیے مختلف تحریکیں ہر دور میں اٹھتی رہی ہیں۔جن میں سرمایہ دارانہ نظام اور اشتراکیت کو انتہائی پذیرائی ملی ہے۔اشتراکیت سرمایہ دارانہ نظام کے مدمقابل اپنا ایک نظام معیشت لے کر میدان میں آئی۔جس کی بنیاد ہینرچ کارل مارکس (Henrich karl Marx) نے 1867ءمیں اپنی کتاب "داس کیپٹال" (Das Kapital) لکھ کر رکھی۔اس کی ایک جلد تو ان کی اپنی زندگی میں ہی شائع ہوگئی تھی باقی دو جلدیں ان کی وفات 1883ء کے بعد شائع ہوئیں۔[1]

اشتراکیت کا لغوی اصطلاحی مفہوم:

"اشتراکیت "اشتراک سے ماخوذ ہے جس کے معنٰی مشترک، شراکت یا ساجھا کے ہیں، یہاں پر اشتراکیت سے مراد وہ تحریک ہے جو ایک معاشی نظام لے کر نکلی۔[2]

مولوی فیروزالدین اپنی کتاب فیروزاللغات اردو میں اشتراکیت کا معنٰی "اجتماعیت اور شرکت سے کرتے ہیں، جس کی وضاحت میں لکھتے ہیں کہ یہ ایک ایسا اعتدال پسند فلسفہ یا نظریہ حیات ہے جس کے مطابق ذرائع پیداوار پر عوام کی مشترکہ ملکیت ہونی چاہیے "صاحب فیروز اللغات نے اشتراکیت کے لیے "اشتمالیت "کی اصطلاح کو بھی استعمال کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں: اشتمالیت کا معنی مساوی ہونا یا برابر ہونا ہے، یہ ایک انقلابی نظریہ حیات ہے جو نجی ملکیت کے خلاف ہے، اس کی رو سے قوم کے ذرائع پیداوار پر ریاست کا قبضہ ہونا چاہیے اور ان میں سے ہر فرد کو اس کی ضروریات کے مطابق حصہ دیا جائے۔اسی اشتمالیت کو انگریزی میں کمیونزم (Communism) کہتے ہیں۔[3]

اشتراکیت کی ماہرین معاشیات نے کئی تعریفات کی ہیں لیکن کسی ایک تعریف پر بھی ان کا اتفاق نہیں پایا گیا۔ان تعریفات میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔

William A. Darity Jr اشتراکیت کی تعریف لکھتے ہیں۔

> "socialism is a social order in which private property and exploitation are abolished"[4]

اشتراکیت ایک سماجی نظام ہے۔جس میں نجی املاک اور استحصال کو ختم کیا جاتا ہے۔

انسائیکلوپیڈیا آف برطینیکا میں اشتراکیت کی تعریف یہ ہے :

> "socialism, social and economic doctrine that calls for public rather than private ownership or control of property and natural resources"[5]

---

[1] افغانی، شمس الحق، سرمایہ دارانہ اور اشتراکی نظام کا اسلامی معاشی نظام سے موازنہ، دارلبحوث والدعوۃ الاسلامیۃ، کوہاٹ، 1983ء، ص41

[2] فرحان، ڈاکٹر، (مدیر اعلی و پریس کاپی)، اردو لغت تاریخی اصول پر، ناشر ترقی اردو بورد، کراچی، 1977ء، ج1، ص96

[3] مولوی فیروالدین، فیروااللغات (اردو)، ناشر فیروزسنز پرائیویٹ لمیٹڈ، لاہور، س ن، ص96

[4] William A. Darity Jr. International Encyclopedia of the Social Sciences, 2nd edition,Printed in the United States of America, P.638

[5] Socialism, Henri de Saint-Simon,Archive:10/04/2022 at 04:35pm https://www.britannica.com/topic/socialism

اشتراکیت، سماجی اور معاشی نظریہ ہے جو عوام کے بجائے جائیداد ، قدرتی وسائل اور نجی ملکیت پر ریاستی کنٹرول کا مطالبہ کرتا ہے۔

ڈاکٹر فرزانہ بخاری اپنی کتاب میں اشتراکیت کا مفہوم بیان کرتی ہیں:

"اشتراکیت کا فلسفہ یہ ہے کہ تمام وسائل ثروت سوسائٹی کے درمیان مشترک ہیں اس لیے فرداً فرداً ان پر مالکانہ حقوق کا قبضہ کرنے اور اپنے حسب منشاء ان میں تصرف کرنے اور ان کے منافع سے تنہا متمتع ہونے کا کوئی جواز نہیں، افراد کو جو کچھ ملے گا وہ محض ان خدمات کا معاوضہ ہو گا جو معاشرے کے مشترکہ مفاد کے لیے انجام دیں گے اور معاشرہ ان کے لیے ضروریات زندگی فراہم کرے گا اور اس کے بدلے اپنی ذہانت واہلیت کے مطابق کام کریں گے، نجی املاک اور جاگیریں نہیں ہوں گی، روپیہ جمع کرنے اور ذاتی کاروبار کرنے کی اجازت نہیں ہو گی، پرائیویٹ اداروں ، صنعتوں اور کمپنیوں کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہو گی"[1]

ڈاکٹر نعیم صدیقی نے اشتراکیت پر مختلف ماہرین معاشیات کی تعریفات کو نقل کیا ہے، جو کہ درج ذیل ہیں:

1۔ ہنری سمتھ:

"اشتراکیت سے مراد ایسی حکمت عملی ہے جس کا نصب العین ایک ایسے معاشرے کی تشکیل کرنا ہے جس میں پیداواری ذرائع مشترکہ ملکیت میں ہوں"

2۔ ولیم گراہم سمر:

"اشتراکیت ایک ایسا منصوبہ یا نظریہ ہے جس کا مقصد ریاست کی مداخلت کی بدولت افراد کو جہد البقاء کے مصائب اور کشمکش حیات کی تکالیف سے بچانا ہے"

3۔ پروفیسر جوڈ:

"اشتراکیت اُس ٹوپی کی مانند ہے جو اپنی شکل وصورت کھو چکی ہے اور یہ کہ ہر کوئی اسے اپنے سر پر منڈھنے میں مصروف ہے"

4۔ ولیم این لاؤکس، ولیم جی وائٹی:

"اشتراکیت سے مراد ایسی تحریک ہے جو پیمانہ کبیر پر پیدائش دولت عمل میں لانے والی ہر قسم کی اشیاء سرمایہ کو انفرادی انتظامیہ کی تحویل یا ملکیت میں دینے کی بجائے مجموعی طور پر پورے معاشرے کی ملکیت میں دینا چاہتی ہے تاکہ بڑھتی ہوئی قومی آمدنی کی مساویانہ تقسیم عمل میں لائی جاسکے، لیکن اس طرح کے لوگوں کے انفرادی جذبے اور اشیاء صَرف کرنے کی آزادی پر کوئی حرف نہ آنے پائے"[2]

ان تمام تعریفات سے یہ بات واضح ہوئی کہ اشتراکیت معاشی نظام سے مراد ایسی تحریک اور ایسے نظریات ہیں کہ جن کے

---

[1] بخاری، فرزانہ، ڈاکٹر، اسلامی معیشت، نیو بک پیلس، لاہور، س ن، ص106

[2] صدیقی، محمد نعیم، ڈاکٹر، اسلام اور جدید معاشی تصورات، ص98

ذریعے تمام انفرادی مادی وسائل پیدائش معاشرے کی اجتماعی ملکیت میں ہوتے ہیں، جس میں ہر فرد سے معاشرے کے اجتماعی مفاد کا مطالبہ ہو گا۔

سوشلزم (Socialism):

سوشلزم انگلش میں اشتراکیت کا ہی دوسرا نام ہے۔ جسے اصطلاحی معنوں میں باہمی مراسم، رواداری، مساوات اور بھائی چارہ کہتے ہیں، لفظ سوشلزم اتنا قدیم تو نہیں ہے لیکن اس کے ساتھ جڑے نظریات و عقائد اور تصورات قدیمی ہیں، یہ لفظ پہلی بار فرانس کے اخبار گلوب (Globe) میں استعمال ہوا۔[1]

پروفیسر کارڈیل سوشلزم کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "وہ شخصی ملکیت بصورت جائیداد غیر منقولہ اور سرمایہ کا مخالف ہے، یعنی سوشلزم ذاتی محنت کی کمائی کو جائز سمجھتا ہے۔ لیکن جائیداد کی کمائی کا قائل نہیں"[2]

مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں:

> "سوشلزم اصل معنی میں اجتماعیت اور اصطلاح میں اس انفرادیت کے مقابلہ میں بنائی گئی تھی جس پر جدید سرمایہ داری کا نظام تعمیر ہوا تھا، اس نام کے تحت بہت سے مختلف نظریے اور مسلک کارل مارکس سے پہلے پیش کئے جانے شروع ہو گئے تھے جن کا مشترک مقصود یہ تھا کہ کوئی ایسا نظام زندگی بنایا جائے جس میں بحیثیت مجموعی پورے اجتماع کی فلاح ہو، لیکن وہ سب کاغذ پر رہ گئے، مارکس نے آکر اس طلبِ عام کا جواب ایک خاص قسم کے سوشلزم کی شکل میں دیا جسے "سائنٹفک سوشلزم، مارکسزم اور کمیونزم" وغیرہ کے ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے"[3]

گویا کہ سوشلزم ایسے سائنٹفک نظریات اور تصورات و عقائد کا مجموعہ ہے جس میں جائیداد اور قدرتی و صنعتی وسائلِ پیداوار مشترکہ ملکیت میں رکھ کر ریاست کے ذریعے دولت کی منصفانہ تقسیم اور معاشی نظام چلایا جاتا ہے۔

کمیونزم (Communism):

اشتراکیت کا ایک اور نام کمیونزم بھی ہے جو کہ کمیون سے ماخوذ ہے بمعنیٰ "آبادی" مطلب یہ ہے کہ آبادی کے ذرائع پیداوار کو اسی آبادی پر اس طرح سے خرچ کیا جائے کہ آبادی کو مختلف چھوٹی چھوٹی اکائیوں میں تقسیم کر دیا جائے۔

آکسفورڈ ڈکشنری کے مطابق کمیونزم کے معنیٰ ہیں:

> "Communism is a theory or system of social organization in which all property is owned by community and each person contributed and receive according to their ability and needs"[4]

---

[1] کارڈیل، پروفیسر، سوشلزم کی بنیادی حقیقت اور اس کی قسمیں، (مترجم مغنی الدین شمس)، ناشر ندوۃ المصنفین، نئی دہلی، س ن، ص 3

[2] ایضاً، ص 5

[3] مودودی، ابو الاعلیٰ، اسلام اور جدید معاشی نظریات، ص 45

[4] Concise Oxford Dictionary, Published by Oxford University Press, London, P.1369

کمیونزم سماجی تنظیم کا وہ نظریہ اور نظام ہے جس میں تمام جائیداد کمیونٹی کی ملکیت ہوتی ہے، ہر شخص اپنی محنت سے شریک ہوتا ہے اور اپنی صلاحیت اور ضرورت کے حساب سے حاصل کرتا ہے۔

کمیونزم کے بارے میں ہمارے ذہنوں میں جو تصور ہے وہ یہ ہے کہ یہ ایک محض معاشی نظام ہے جو اشتراکیت اور سوشلزم کا ہی دوسرا نام ہے، جبکہ کارل مارکس کے نظریات پر جس نظامِ معیشت کو کھڑا کیا اس کی انتہائی شکل کو کمیونزم کہا جاتا ہے۔ ریاستی ملکیت کا تصور تو دونوں میں پایا جاتا ہے لیکن فرق اتنا ہے کہ سوشلزم میں معاوضہ استعداد کے مطابق کام پر دیا جاتا ہے اور کمیونزم میں معاوضہ استعداد کے مطابق کام پر ضرورت کے مطابق دیا جاتا ہے۔[1]

معلوم ہوا کہ کمیونزم ان نظریات اور عقائد کا نام ہے جو معاشرے سے طبقاتی استحصال کا خاتمہ کر کے ایک ایسا معاشرہ وجود میں لانا چاہتا ہے جہاں وسائل پیدائش کا عام ملکیت میں آکر اشیائے پیداوار کی تقسیم مساویانہ طور پر ہو۔

کمیونزم اور سوشلزم میں فرق:

1۔ کمیونزم معاوضہ ضرورت کے مطابق دینے کی قائل ہے اور اشتراکیت معاوضہ کو محنت پر چھوڑتی ہے۔

2۔ سوشلزم محض ایک معاشی نظام ہے جبکہ کمیونزم معاشی کے ساتھ ایک سیاسی نظام بھی ہے۔

3۔ کمیونزم ریاست کو چھوٹی چھوٹی اکائیوں میں تقسم کرنا چاہتی ہے جبکہ اشتراکیت ذرائع کا مکمل کنٹرول ریاست کے حوالے کرتی ہے۔ کمیونزم کا دعویٰ ہے کہ ریاست مزدوروں کے استحصال کرنے والوں کی محافظ ہوتی ہے، ان کے نزدیک ریاست کا تصور ہی نہیں ہے۔

چنانچہ مولانا مسعود ندوی لکھتے ہیں:

> "کمیونزم کے بنیادی اصولوں میں انقلابی طریق کار شامل ہے، یہ ریاست کو سرمایہ داری کا آلہ کار سمجھتے ہیں اور جو پرانے سوشلسٹ پارلیمانی نظام کی مشینری کو بتدریج اشتراکیت کے حصول کے لیے استعمال کرنا چاہتے ہیں وہ کمیونسٹوں کی نگاہ میں مزدوروں کے بدترین دشمن ہیں"[2]

اشتراکیت کے ماخذ:

اشتراکیت کے نظریات بنیادی طور پر افلاطون کے فلسفہ کے ساتھ ملتے ہیں، افلاطون نے اجتماعی ملکیت اور انفرادی ملکیت کو کشمکش اور اجارہ داری کا سبب گردانا ہے، جس کا حل اس نے تمام جائیداد اور دولت معاشرے کی مشترکہ ملکیت کی صورت میں پیش کیا۔

چنانچہ بلال زبیری افلاطون کے اس نظریے کو نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "جس طرح فرد کی ملکیت اس کے تمام خاندان کے لیے وقف ہے اور خاندان کی ملکیت پوری سوسائٹی کے لیے ہے، اسی طرح سوسائٹی کی ملکیت پوری کی پوری مملکت کے قبضہ میں ہونی چاہیے کیونکہ

---

[1] (نام مصنف ندارد)، خدا اور سرمایہ دار، بحث اساس محکم، ادارہ طلوع اسلام ٹرسٹ، لاہور، 1996ء، ص172

[2] ندوی، مسعود، مولانا، اشتراکیت اور اسلام، ادارہ معارف، لاہور، 1993ء، ص27

مملکت اپنے شہریوں کی کفیل ہوتی ہے اور جو مملکت اپنے شہریوں کی کفیل نہیں بنتی وہ مملکت نہیں کہلاسکتی"[1]

کارل مارکس نے اپنے معاشی نظام کی عمارت کو کھڑا کرنے کے لیے افلاطون کے علاوہ جن نظریات، شخصیات اور کتب کو ماخذ کے طور پر اپنایا ان میں بڑانام سینٹ سیمون (st. Simon)، فوری اے(Fourier)اور رابرٹ اوئن(Robert - owen)کا ہے، جن کے نظریات اور کتب سے مارکس نے استفادہ کیا، مارکس سے پہلے ان مفکرین نے انہیں نظریات سے لبریز تحاریک کا آغاز کیالیکن سرمایہ داری سے مصالحت کے پہلو کی وجہ سے ناکام رہیں، جن کو کارل مارکس نے بغیر مصالحت کے پایا تکمیل تک پہنچایااور کامیاب ہوا۔[2]

اشتراکیت کے ماخذ میں کارل مارکس کی وہ کتب بھی ہیں جو انہوں نے معاشیات کے موضوع پر تحریر کیں جن میں سے درج ذیل ان تین کتب کو آفاقی شہرت حاصل ہے:

1۔اشتراکی منشور(Communist manifesto)

2۔نظام معیشت پر تنقید(A contribution to the entique of political economy)

3۔سرمایہ(Capital)

ان کتب کو اشتراکت کاسنگ بنیاد بھی کہاجاتا،اشتراکی نظریہ کی جان یہ ہی کتب ہیں۔[3]

اشتراکیت کی خصوصیات:

اشتراکیت کے کچھ تصورات اور نظریات ایسے بھی ہیں جو ایک معاشی نظام کے اعتبار سے مفید ہیں، مثلاً:

1۔ نجی ملکیت کے تصور کی بجائے اجتماعی ملکیت کا تصور:

اشتراکیت میں وسائلِ پیداوار یعنی کارخانے، زمین، جائیداوغیرہ کسی نجی ملکیت میں نہیں ہوں گے جیسا کہ سرمایہ دارانہ نظام میں لامحدود نجی ملکیت کی وجہ سے انسان میں دولت کے جمع کرنے کی لالچ اور ہوس پیدا ہو جاتی ہے، سرمایہ سمٹ کر ایک جگہ اکٹھاہوناشروع ہو جاتاہے، جس کے نتیجے میں انسان سرمائے کے حصول کے لیے جائز وناجائز کی تمیز کھو بیٹھتاہے، اس بے قید اور لامحدو انفرادی ملکیت کی آزادی سے معاشرے میں کئی طرح کی خرابیاں پیدا ہوتیں ہیں مثلاً ذخیرہ اندوزی، منافع حاصل کرنے کے ناجائز طریقے اپنانا، تمام اشیاء میں ملاوٹ وغیرہ، الغرض ہر وہ طریقہ جس سے سرمایہ میں اضافہ ہو اپنایا جاتاہے۔ لیکن اشتراکیت میں تمام تر وسائلِ پیداوار پر حکومت کا قبضہ ہونے کی وجہ سے دولت کا ارتکاز نہیں ہوتا جو کہ کئی معاشی ومعاشرتی خرابیوں سے رکاوٹ کا سبب ہے۔

---

[1] زبیری، بلال، اسلامی حکومت اور سوشلزم، جھنگ ادبی اکیڈمی، جھنگ، 1972ء، ص34

[2] ندوی، مسعود، مولانا، اشتراکیت اور اسلام، ص28

[3] ایضاً، ص41

2۔ پیداوار کی منصفانہ تقسیم اور معاشرے کی فلاح:

اشتراکیت میں اجتماعی ملکیت کا ہونا اس بات کا فائدہ دیتا ہے کہ حکومت اس سے ایسی پالیسی آسانی سے تیار کر سکتی ہے کہ جس سے تمام معاشرے کی فلاح ہو، اسی طرح قومی ملکی منصوبے اور ملک کی تمام ضروریات کو پایہ تکمیل تک پہنچانا نہایت سہل ہو جاتا ہے۔ مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں:

> "روس میں افراد کے قبضے سے زمین، کارخانے اور تمام کاروبار نکال لینے کا فائدہ یہ ہوا کہ اشیاء کی لاگت اوران کی بازاری قیمت کے درمیان جو منافع پہلے زمین دار، کارخانہ دار اور تاجر لے جاتے تھے اب حکومت کے خزانے میں آنے لگا اور ممکن ہوا کہ اس منافع کو اجتماعی فلاح کے کاموں پر صرف کیا جاسکے، اور دوسرا نامساعد حالات کے پیش نظر بعض لوگ کام کاج کے قابل نہیں رہتے مثلاً بوجہ بیماری یا معذوری تو ان لوگوں کو ایک مشترکہ فنڈ سے مدد دی جاتی ہے"[1]

وہ معاشرے جہاں اشتراکیت قائم ہوئی وہاں پر تعلیمی، فنی اور طبی شعبوں میں ماہر اور کام کار پڑھے لکھے طبقے کے ذریعے ملکی خدمات کے لیے حکومتی سطح پر خصوصی توجہ دی گئی، جس سے ہر شعبے میں قابل افراد کی وجہ سے ملکی معیشت اچھی ہوتی گئی، جیسا کہ روس وہ تمام وسائل پیداور کو ایک نظم کے تحت استعمال میں لانے کے لیے جتنے افراد درکار ہوتے اتنے ہی تیار کر کے ایک اچھے عہدے پر فائز کرتے جس سے وہ اپنی زندگی احسن انداز سے گزار سکتے تھے، جو ان کی ملکی معیشت کی مضبوطی کا سبب بنا۔

3۔ اشتراکیت میں اخلاقی شکل:

اشتراکیت نے مذہبی اخلاقی اصولوں کی نفی کی ہے، اور اس کی بنیاد خالص مادیت پرستی پر قائم ہے جس کا مذہب میں کوئی تصور نہیں ہے، اس کے باجود عام افراد کا اشتراکیت کی طرف میلان صرف سرمایہ داری کے ظلم اور استحصال کے خلاف آواز اٹھانے کی وجہ سے ہوا، کیونکہ کہ ان کا نعرہ معاشی انصاف اور مساوات کا تھا۔ اشتراکیت کے اس معاشی نظام میں ان کا یہ عدل وانصاف کا نعرہ کوئی اخلاقی حیثیت تو نہیں رکھتا، لیکن ان کے یہ الفاظ اخلاقی مفہوم ہی دیتے ہیں جو لوگوں کے ذہنوں میں ان کی کامیابی کے لیے کارگر ثابت ہوئے، گو کہ عدل وانصاف اور مساوات کا نعرہ اشتراکیت کا غیر ارادی طور پر ایک احسن اقدام تھا۔[2]

4۔ روزگار کے یکساں مواقع:

سارے وسائل پیداوار حکومت کی مٹھی میں ہونے کہ وجہ سے ملکی امور، انتظامات اور عوامی فلاحی کاموں کی درجہ بندی حکومت یا حکومتی کابینہ کرتی ہے اس لیے تمام افراد کو روزگار کے مواقع مساوی طور پر فراہم کئے جاتے ہیں، جس شعبے میں

---

[1] مودودی، ابو الاعلیٰ، اسلام اور جدید معاشی نظریات، ص54

[2] خورشید احمد، پروفیسر، سوشلزم یا اسلام، مکتبہ چراغ راہ، کراچی، ص70

جتنے افراد کی ضرورت ہوتی ہے اس کے لیے حکومت خود اتنے افراد تیار کرتی ہے ان کی تمام ضروریات حکومت کے ذمہ ہوتیں ہیں جو وہ مساوی طور پر پورا کرتی ہے۔[1]

5۔ معاوضوں کا تعین:

اشتراکیت وسائلِ پیداوار کو ایک نظم کے تحت مصروفِ عمل بناتی ہے۔ جس کے لیے ان کے پاس اپنے ہی تیار کرہ افراد موجود ہوتے ہیں جن میں معاوضوں کو تقسیم کرنے کی حکومت خود پالیسی تیار کرتی ہے جس کے مطابق معاوضے دیئے جاتے ہیں، اور سرمایہ داری کی طرح طلب ورسد کے قانون سے مدد نہیں لیتی، جس کے نتائج اچھے نکلتے ہیں۔[2]

اشتراکیت کا منفی رُخ:

ہر نظام جب رائج ہوتا ہے تو اس کے کچھ ایسے پہلو ہوتے ہیں جو قابل تعریف اور حاملِ خصوصیات ہوتے ہیں، دوسری طرف اس کے کچھ ایسے پہلو، نظریات اور افکار ہوتے ہیں جو کہ قابل تنقید ہوتے ہیں، اشتراکیت بھی ایک معاشی نظام ہے جس کے مثبت افکار کے ساتھ کچھ منفی چہرے، افکار اور نظریات بھی ہیں جو روس میں اشتراکیت کے عملی تجربہ کے بعد ظاہر ہوئے۔

1۔ اشتراکیت اور بازارِ ظلم:

اشتراکیت کی بنیاد جبر پر رکھی گئی ہے، اس کا جواز یہ پیش کیا گیا کہ جبر کے بغیر اس کے نفاذ پر عمل درامد ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ نجی ملکیت سے اجتماعی ملکیت کی طرف آنا مشکل کام تھا، اشتراکیت نے فلسفہ ہی یہ دیا تھا کہ جب تک اجاہ داروں کی اجارہ داری ختم نہیں ہو گی انصاف کا قیام ناممکن ہے۔ اجارہ داری کے خاتمے کے لئے طاقت کے استعمال سے بھی گریز نہیں کیا جائے گا۔

Samuel H. Beer لکھتے ہیں:

> "The proletariat will use its polictal supremacy to wrest by degree all capital from bourgeoise to centralize all instrument of production in the hands of the state, i.e. of the proletariat organized as the ruling class and to increase the total productive forces rapidly as possible. Of course in the beginning this cannot be affected by means of despotic inroads on the rights of property and on the conditions of bourgeious productions "[3]
>
> ادنیٰ طبقہ اپنے سیاسی اقتدار سے کام لے کر رفتہ رفتہ پورا سرمایہ بورژو طبقے سے چھین لے گا، پیداوار کے تمام آلات کو ریاست یعنی حکمران طبقے کی صورت میں منظم ادنیٰ طبقے کے ہاتھ میں مرکوز کر دے گا اور پیداواری قوتوں کو ممکن حد تک تیزی سے بڑھاتا جائے گا، اس میں شک نہیں کہ شروع میں اس کو عمل میں لانے کی اس کے علاوہ کوئی صورت نہیں کہ مملکت کے حقوق اور بورژو پیداوار کے تعلقات پر جارحانہ حملہ کیا جائے۔

---

[1] صدیقی، محمد نعیم، ڈاکٹر، اسلام اور جدید معاشی تصورات، ص110

[2] ایضاً، ص110

[3] Samuel H. Beer, The Communist Manifesto,Published by Appleton Century Crofs,Inc, New York,P.31

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ یہ جبر معاشی مساوات کے قیام کے لیے تھا، لیکن بعد میں یہ جبر خانہ جنگی کا سبب بنا جس وجہ سے روس نے اپنی بیشتر آبادی اسی کی نذر کر دی، 1971ء کے خونی معرکہ میں 19 لاکھ انسان موت کی گھات چڑھ گئے 20 لاکھ سزا کے مستحق ٹھہرے اور 40 لاکھ کو ملک بدر کر دیا گیا۔[1]

2۔ اشتراکیت کا اخلاقی اور مذہبی اقدار پر حملہ:

اشتراکیت نے معاشی نظام سے مذہب کو بے دخل قرار دیا ہے۔ جیسا کہ مارکسی نقطہ نظر جسے علامہ شمس الحق افغانی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

> "مذہب جن اسباب و عوامل سے پیدا ہوا وہ خوف اور بیچارگی کا احساس ہے۔ اب فطرتِ خارجی پر ایک حد تک انسان نے قابو پالیا ہے اس لیے خوف و دہشت باقی نہیں رہی تاکہ مذہب کا سہارا لینے کی ضرورت نہ ہو"[2]

گویا کہ اشتراکیت میں مذہب اور اخلاق کی کوئی اہمیت نہیں، انسان اپنے مفاد کے لیے بغیر کسی مذہب یا اخلاق کی پرواہ کئے ہر کام کر سکتا ہے، ابو خالد اسلم لکھتے ہیں:

> "اشتراکیت میں اصل چیز ہی مقصد ہے۔ ذرائع کا جائز یا ناجائز ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا، حصولِ مقصد کے لیے ہر حربہ اختیار کیا جاسکتا ہے، حتی کہ اگر ضرورت ہو تو، جھوٹ، فریب، دھوکہ، تشدد اور قتل وغارت سب روا ہیں"[3]

اشتراکیت کے یہ وہ لامذہبی نظریات جن کی بنیاد پر بنایا گیا نظام جو کہ روحانی اور اخلاقی اقدار سے بہرہ ور تھا۔ یہ ہی مذہب سے دوری نے اس نظام کی روحانی بنیادوں کو کھوکھلا کر دیا اور روس میں یہ انجام ہوا۔

3۔ اشتراکیت اور انسانی عظمت:

اشتراکیت نے انسان کو ایسا نظریہ دیا کہ جس سے انسان کا انسان سے اعتماد ہی اُٹھ گیا حتی کہ انسان اپنے گھر والوں کو بھی شک کی نگاہ سے دیکھنے لگ گیا جس نے انسان کی فطری عظمت کو پامال کر دیا جو اللہ رب العزت نے انسان کو دی تھی، اشتراکیت نے انسان کو غلط جذبات رکھنے والی ذات قرار دیا ہے۔ مسعود عالم ندوی تحریر کرتے ہیں:

> "اس نظام نے انسانی شخصیت کے ارتقاء کے امکان کو ختم کر دیا اور افراد کو موادِ خام کی حیثیت دے دی جہاں انسانوں کی منصوبہ بندی ہوتی ہے اور ایک منتخب گروہ انسانوں کو لوہے کے پرزے یا چمڑے کے جوتوں کی طرح ڈھالتا اور بناتا ہے"[4]

---

[1] مودودی، ابو الاعلیٰ، اسلام اور جدید معاشی نظریات، ص56

[2] افغانی، شمس الحق، علامہ، سرمایہ دارانہ اور اشتراکی نظام کا اسلامی معاشی نظام سے موازنہ، ص63

[3] ابو خالد، اسلم، اسلام یا سوشلزم، مکتبہ تعمیر ملت، گوجرانوالہ، س ن، ص30

[4] ندوی، مسعود، مولانا، اشتراکیت اور اسلام، ص153

معلوم ہوا کہ اشتراکیت نے انسان کو اس کے مقام اور شرف کی نفی کر کے اسے روٹی، کپڑا، مکان کا نعرہ دے دیا جس کے بدلے انسان سے اس کا دین، اخلاقی اقدار، اور انسانی شخصی آزادی سلب کر لی۔ علامہ شمس الحق افغانی رقم طراز ہوتے ہیں:

"انسان کی اصلی شرافت اس کی حُریت اور فکر و عمل ہے۔ اگر یہ حریت نہ ہو تو انسان مقام شرف انسانیت سے گر کر ایک حیوان بن جاتا ہے۔ اور حیوان کیا ہے؟ وہ ہمارے اختیار کے مطابق چلتا ہے پھر ہم اس کو گھاس ودانہ وغیرہ کھلاتے ہیں، اسی طرح کمیونزم انسان سے اپنے اختیار کے مطابق کام لیتا ہے اور پھر اس کے بدلے روٹی اور کپڑے کا بندوبست کر دیتا ہے۔ اس طریقے سے انسان کے فکر و عمل کی آزادی اور اختیار ختم ہو کر رہ جاتا ہے"[1]

2۔ سرمایہ دارانہ نظام(Capitalism):

جدید سرمایہ داری کا آغاز اٹھارہویں صدی میں صنعتی انقلاب کے بعد "ایڈم سمتھ" نے اپنی شہرہ افاق کتاب "دولت اقوام عالم" سے کیا۔ ایڈم سمتھ کی اس کتاب نے نہ صرف جدید معاشیات کو بنیاد فراہم کی بلکہ معاشیات کو دنیا میں ایک مضمون کی حیثیت سے روشناس بھی کروایا۔[2]

معنی، مفہوم و تعریفات:

سرمایہ داری کو انگریزی میں (Capitalism) کہتے ہیں، یہ لفظ (Capital) سے بنا ہے جو کہ لاطینی زبان کے لفظ "Caput" سے ماخوذ ہے۔ ابتداً یہ لفظ (Capital) مویشیوں کے لیے استعمال کیا جاتا تھا جس کا معنی یہ تھا کہ "ایسی جائیداد جو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو سکے" بارہویں اور تیرہویں صدی میں یہ لفظ سرمائے کے لیے استعمال ہونے لگا "Tom G. Palmer" لکھتے ہیں:

"The social historian Fernand Brauded traced the term Capital to the period spanning the twelfth and thirteenth centuries "[3]

سماجی تاریخ دان فرنینڈ بروڈڈ نے کیپیٹل کی اصطلاح کی تحقیق کی ہے کہ یہ بارہویں اور تیرہویں صدی میں استعمال میں آیا۔

اٹھارہویں صدی میں جب معاشی ترقی کا دور دور تھا اور سرمایہ دارانہ نظام ترقی کی رہ پر گامزن تھا تو سرمایہ جدید معاشی نظام میں اس قدر اہمیت پا گیا کہ ذرائع پیداوار میں ایک عنصر کا مقام حاصل ہوا تو سرمایہ اور سرمائے سے حاصل منافع "Capital" کہلانے لگا۔ انسائیکلوپیڈیا آف برطینیکا میں ہے:

"Capital is a stock of resources that may be employed in the production of goods and services. In classical economics it is one of the three fac-

---

[1] افغانی، شمس الحق، علامہ، سرمایہ دارانہ اور اشتراکی نظام کا اسلامی معاشی نظام سے موازنہ، ص50

[2] اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گہ پنجاب لاہور، ط1980ء، ج1، ص80

[3] Tom G, Palmer,Morality of Capitalism, published by Jameson books Inc,New York, 2011,P.12

tors of production, the others being labour and land"[1]

سرمایہ ذرائع کے ذخیرے کا نام ہے، جو کہ سامان اور خدمات کی پیداوار میں استعمال ہو سکتا ہے،

کلاسک اکنامکس میں یہ تین عناصر پیداوار میں سے ایک ہے، دوسرے دو محنت اور زمین ہیں۔

(Capital) کو چونکہ معیشت میں ایک خاص اہمیت حاصل ہے جس وجہ سے اس معاشی نظام کو جس میں سرمایہ عامل پیداوار ہے اسے (Capitalism) کے نام سے موسوم کر دیا گیا۔

انسائیکلوپیڈیا آف برطینیکا میں Capitalism کی تعریف یہ ہے:

"Capitalism also called free market economy or free enterprises economy, economic system dominate in the western world since the breaking up of feudalism , in which most of the means of production are privately owned"[2]

سرمایہ داری کو آزاد منڈی کی معیشت یا آزاد سرمایہ کاری کی معیشت بھی کہا جاتا ہے یہ معاشی نظام مغربی دنیا میں جاگیر داری کے خاتمے سے وجود میں آیا، اس میں زیادہ تر ذرائع پیدائش نجی ملکیت میں ہوتے ہیں، حکومتی عدم مداخلت کے علاوہ انفرادی ملکیت اور معاشی آزادی اس نظام کی بنیادی خصوصیات ہیں۔

Louise O.Kelso and Martimer j.Adler سرمایہ دارنہ نظام کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"It can be defined as an economy in which capitalism instruments are the chief productive force and together with natural resources, constitute the principle form of productive property entitling its owners to shares in the distribution of the wealth produced"[3]

سرمایہ دارانہ نظام کی ایک ایسے معاشی نظام کے طور پر وضاحت کی جاسکتی ہے جس میں آلات سرمایہ داری اہم پیداواری طاقت ہیں، جو قدرتی وسائل کے ساتھ مل کر ایک بنیادی قسم کی پیداوری ملکیت بناتے ہیں، جو ان کے مالکوں کو سرمائے کی تقسیم میں حصہ کا حقدار بناتی ہے۔

سرمایہ دارانہ نظام کی مختصر تعریف سادہ الفاظ میں :

"Capitalism is the social system based on the recognition and protection of individual rights"[4]

سرمایہ داری ایک سماجی نظام ہے جس کی بنیاد انفرادی حقوق کی پہچان اور تحفظ پر ہے۔

ان تعریفات سے معلوم ہوا کہ یہ ایک ایسا نظام ہے جس میں انسان سرمائے سے مزید نفع کماتا ہے جسے انٹرسٹ (Interest) کا نام دیا جاتا ہے، جس کی بنیادی اقدار میں آزادی، مساوات اور ترقی شامل ہیں، نجی ملکیت، ذاتی منافع کا محرک اور حکومت کی عدم مداخلت جس کی معاشی بنیادیں ہیں۔ قیمتوں کا تعین قانون طلب ورسد کے ذریعے کیا جاتا ہے۔

---

[1] Encyclopedia Britannica ,William Benton Publishers, London, 1943,Vol.3,P.831
[2] Ibid:P 831
[3] Louise O.Kelso and Martimer j.Adler,The Capitaist Mainfesto, Random House,New York,1958, P.1044
[4] Capitalism Defined and Defended,Clemson Institute For The Study Of Capitalism,Archive: 05/04/2022 at 08:48pm
https://capitalism.sites.clemson.edu/Misc/Capitalism-Defined-and-Defended.pdf

سرمایہ دارانہ نظام(Capitalism)کے ماخذ:

جدید سرمایہ دارانہ نظام کا تعلق کلاسیکی مکتبہ فکر کے ساتھ ہے جس کے بانی بابائے معاشیات ایڈم سمتھ ہیں۔جو کہ سکاٹ لینڈ کا مفکر اور فلسفی تھا، منطق، معاشیات، اخلاقیات اور قانون اس کے تدریسی موضوعات تھے، جن میں سے معاشیات کی طرف اس کے رجحان میں اضافہ ہوتا گیا اسی مضمون کی وجہ سے اس نے دنیا میں شہرت حاصل کی اور پوری دنیا کی توجہ کا مرکز بنا۔ ان کی کتاب "دولت اقوام عالم" کے علاوہ بھی معاشیات کے موضوع پر کتابیں موجود ہیں جو کہ اس مکتبہ فکر کے بنیادی ماخذ کے طور پر مانی جاتی ہیں جن میں A History of Astronomy، Theory of Sentiments اور Lecturers on Jirisprudence شامل ہیں۔[1]

علامہ شمس الحق افغانیؒ نے سرمایہ دارانہ نظام کا بنیادی ماخذ جزیرۃ العرب اور فلسطین کے یہود کے نظریات کو ٹھہریا ہے، کہ ان کے نظریات کی بنیاد جزیرۃ العرب اور فلسطین کی یہود قوم ہے، جن کے سودی کاروبار نے پوری عرب قوم کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا جس سے مفلسی اور غربت جیسی معاشی خرابیاں ان کو جکڑے ہوئے تھیں[2]۔ قرآن پاک نے بھی ان کی ذخیرہ اندوزی اور سرمایہ داری کو بیان کیا ہے:

" وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ "[3]

جو لوگ سونے اور چاندی کے خزانے رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان کو دردناک عذاب کی بشارت دو۔

سرمایہ دارانہ نظام(Capitalism) کی خصوصیات:

سرمایہ دارانہ نظام جن اصولوں اور جن حالات میں قائم ہوا۔ نئی چیز دیکھ کر لوگوں کا رجحان اس کی طرف کچھ زیادہ ہی ہونے لگا۔ماہرین معاشیات نے بھی اس بات پر اتفاق کیا ہے، حتیٰ کہ سرمایہ داری کا مخالف کارل مارکس بھی اس بات کو تسلیم کر چکا ہے کہ ابتداً اس نظام سے معیشت مضبوط اور مستحکم ہوئی ہے اور یہ دنیا کے لیے فائدہ مند ثابت ہوا ہے۔[4]

دنیا کا اس نظام پر عمل پیرا ہونے سے جو اس نظام کی خصوصیات سامنے آئیں ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

1۔افرادی قوت اور ذرائع پیداوار کا مناسب استعمال:

سرمایہ دارانہ نظام میں کیونکہ مقابلے کی فضاء ہوتی ہے اس لیے ہر آجر اور مزدور یہ چاہتا ہے کہ میں دوسرے سے آگے نکل سکوں اور زیادہ سے زیادہ نفع کما سکوں جس کے نتیجے میں آجر ذرائع پیداوار کے استعمال میں اپنی مکمل صلاحیتوں کو بروئے کار

---

[1] اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گہ پنجاب لاہور، 1980ء، ج1، ص80

[2] افغانی، شمس الحق، علامہ، سرمایہ دارانہ اور اشتراکی نظام کا اسلامی معاشی نظام سے موازنہ، ص34

[3] التوبہ:34

[4] محمد قطب، اسلام اور جدید ذہن کے شبہات، ناشر البدر پبلیکیشنز، لاہور، 2010ء، ص127

لاتے ہیں، تاکہ وسائل کی قلت کی وجہ سے ان کا ضیاع کم سے کم اور منافع زیادہ ہو اور مزدور زیادہ اجرت کے لیے سخت محنت کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ افرادی قوت وسائل کے بہترین استعمال کا سبب بنتی ہے، جس سے ملکی وسائل کے ضائع ہونے کے امکان بہت کم ہوتے ہیں اور ملکی معیشت مضبوط اور مستحکم ہو کر خوشحالی کا باعث بنتی ہے۔ محمد حسیب عباسی لکھتے ہیں:

"سرمایہ دارانہ نظام میں فرد اپنی ترقی کے لیے اپنی تمام تر استعداد کار کو عمل میں لاتا ہے، اس طرح سے افردی قوت کا بھرپور استعمال ہوتا ہے"[1]

2۔ قیمتوں کا صحیح تعین:

سرمایہ دارانہ نظام میں قیمتوں کا تعین ایک قانون کے تحت کرتے ہیں جس کو قانون طلب ورسد کہا جاتا ہے اور یہ فطری قانون ہے، "رسد" اُس مالِ تجارت کو کہا جاتا ہے جو تجارت کی غرض سے بازار میں لایا گیا ہو، اور "طلب" خریداروں کی اس خواہش کا نام ہے کہ وہ سامان تجارت بازار سے قیمتاً خریدیں۔ اب اس فطری قانون کے مطابق بازار کی قیمتوں کا تعین خود بخود اس طرح ہوتا ہے کہ بازار میں جس چیز کی رسد اسی کی طلب کے مقابلے میں زیادہ ہو گی تو اس چیز کی قیمت میں خود بخود کمی ہو جائے گی، اسی طرح اگر کسی چیز کی طلب اس کی رسد کے مقابلے میں زیادہ ہو گی تو خود بخود اس چیز کی قیمت بڑھ جائے گی، گویا کہ اس نظام نے قیمتوں کے تعین کو فطری قانون کے حوالے کیا ہے۔[2]

3۔ حقوق ملکیت:

سرمایہ دارانہ نظام میں تمام تر معاشی سرگرمیاں اسی بنیاد کے گرد گھومتی ہیں کہ معاشرے کے ہر فرد کو یہ حق حاصل ہے کہ جو کچھ اس نے کمایا وہ اسی کی ملکیت ہو گی، اور وہ جتنا چاہے وسائل پیداوار پر محنت کر کے انہیں خرید کر اپنی ملکیت میں لے سکتا ہے اور ان سے جتنا اور جیسے منافع کمانا چاہے کمانے کا حق رکھتا ہے۔ افراد کے اس حق میں حکومت مداخلت نہیں کرتی بلکہ ان کو تحفظ فراہم کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے۔ ڈاکٹر محمد نعیم صدیقی لکھتے ہیں:

"اس نظام میں تمام شہریوں کو جائیداد بنانے، پھیلانے اور محدود کرنے کے پورے حقوق حاصل ہوتے ہیں۔ نجی ملکیت اس نظام کی جان ہے اور ساری معاشی سرگرمیاں اسی کے گرد گھومتی ہیں"[3]

4۔ معاشی اور تجارتی سرگرمیوں میں آزادی:

سرمایہ دارانہ نظام کا ایک بنیادی وصف یہ بھی ہے کہ یہ اشتراکیت کی طرح افراد کو محدود معاوضے کے بدلے خرید نہیں لیتا کہ اس کو معاشی یا تجارتی میدان میں آگے نکلنے سے روک دیا جائے، بلکہ یہ آزاد تجارت اور معیشت کو فروغ دیتا ہے کہ فرد جس

---

[1] عباسی، محمد حسیب، اسلام اور جدید افکار، ص163

[2] عثمانی، محمد تقی، مفتی، اسلام اور جدید معیشت و تجارت، ص25

[3] صدیقی، محمد نعیم، ڈاکٹر، اسلام اور جدید معاشی تصورات، ص88

ذرائع پیداوار میں سے جسے چاہے استعمال میں لا کر آزادی کے ساتھ منافع کما سکتا ہے۔ اور اپنی صلاحیت و قابلیت جس شعبہ میں چاہے وقف کر سکتا ہے اس طرح پیداوار کا یہ عمل جاری رہتا ہے جس سے ملکی معیشت مستحکم ہوتی ہے۔[1]

سرمایہ دارانہ نظام کا منفی رخ:

سرمایہ دارانہ نظام آج چند اشتراکی ممالک کے علاوہ پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے ہے ہر ملک میں کسی نہ کسی حد تک سرمایہ دارانہ نظام نافذ ہے، دنیا کے اکثر ممالک میں اس نے اپنے منفی اثرات چھوڑے ہیں، جو کہ چند ایک درج ذیل ہیں۔

1۔ لا محدود حق ملکیت اور مذہبی اخلاقی اقدار پر حملہ:

اس نظام میں افراد کو حق ملکیت دے کر بے لگام چھوڑ دیا جاتا ہے اور لا محدود آزادی کی وجہ سے مذہبی اور اخلاقی اقدار تو اسے کے سامنے بے وقعت سی رہ جاتی ہیں، جس سے انسان اپنی زندگی کا مقصد صرف اور صرف سرمایہ کو ہی سمجھنے لگتا ہے۔ جس کے حصول کے لیے ہر طرح کی کوشش کر گزرتا ہے۔ علامہ سید قطب شہید سرمایہ دارانہ سرمائے کے حصول کی آزادی کے بارے لکھتے ہیں:

> ”سرمایہ دارانہ نظام کی تمام خرابیاں سود کی ہی پیدا کردہ ہیں، رفتہ رفتہ سود جدید اقتصادیات کی بنیاد بن گیا اور بالآخر اخلاقی، اجتماعی اور انسانی اقدار بے معنیٰ ہو کر رہ گئیں، اب اقدار کو حق حاصل نہیں ہے کہ اقتصادی قوانین میں دخل دے سکیں“[2]

انفرادی ملکیت ہر فرد کا بنیادی حق ہے جو اس جدید معیشت سے پہلے ہر دور میں رہا ہے۔ لیکن سرمایہ دارانہ نظام نے جو اس بنیادی حق کو بے لگام چھوڑا ہے۔ اس کے پس پشت وہ آزادی کا نعرہ ہے جو سرمایہ دارنہ نظام کے عقائد میں سے ایک ہے۔ جس کے تحت وہ اس عقیدے کا فروغ چاہتے ہیں۔ مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں:

> ”شخصی ملکیت اور بعض انسانوں کا بعض کی نسبت بہتر معاشی حالت میں ہونا کوئی خرابی کی بات نہیں ہے، لیکن جس چیز نے انہیں خرابیوں کی پیدائش کا ذریعہ بنایا ہے وہ یہ تھی کہ معاشی لحاظ سے بہتر لوگ خود غرضی، تنگ نظری، بخل، حرص، بدیانتی اور نفس پرستی میں مبتلاء ہو گئے اور زائد از ضرورت وسائل معیشت کو اپنی تعیشات پر صرف کرنے لگے اور معاشرے کے نادار طبقے کا خیال نہ کیا“[3]

2۔ سود کی وجہ سے تباہ کاری:

سرمایہ دارانہ نظام میں سود بنیادی حیثیت رکھتا ہے، جس سے سرمایہ دار اپنا سرمایہ لگا کر بغیر کاروبار اور بغیر کسی محنت کے اس لگائے گئے سرمائے پر سود وصول کرتا ہے اور اسے منافع کا نام دیتا ہے، جسے ملکی، معاشی اور معاشرتی سلامتی سے کوئی غرض

---

[1] صدیقی، محمد نعیم، ڈاکٹر، اسلام اور جدید معاشی تصورات، ص88

[2] شہید، قطب، سید، اسلام اور مغرب کے تہذیبی مسائل، ناشر اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، س ن، ص108

[3] مودودی، ابو الاعلیٰ، اسلام اور جدید معاشی نظریات، ص44

نہیں ہوتی، دوسری جانب غریب طبقہ ان سرمایہ داروں کے اس سودی نظام کی چکی میں پستے چلے جاتے ہیں، اور افلاس ان کا مقدر بن جاتا ہے، اسی سود کی ہی وجہ سے امیر، امیر سے امیر تر اور غریب، غریب سے غریب تر ہوتا جاتا ہے اور سرمایہ بس چند لوگوں کے ہاتھوں میں سمٹ کر رہ جاتا ہے، اس نظام معیشت میں اگر سرمایہ دار کو کوئی فکر ہے تو وہ بس سود کے اتار چڑھاؤ کی ہے۔[1]

3۔ اجارہ داریوں کا قیام:

اجارہ داری کا مطلب یہ ہے کہ بازار میں تجارت شعبہ کے ساتھ وابستہ کئی افراد، کئی تنظیمیں اور جماعتیں کام کر رہی ہیں، ایک چیز ایسی ہے کہ جو عام ہو ہر جگہ سے مل سکتی ہو، دوسری جانب ایک تنظیم نے سرمایہ لگا کر کسی چیز کو اپنے ساتھ خاص کر لیا کہ اگر وہ بازار میں مل سکتی ہے تو اسی سے ہی مل سکتی ہے کسی اور کو اس کے فروخت کرنے کا حق حاصل نہیں ہاں اگر دوسرا کوئی فریق بھی اس کو فروخت کرنا چاہتا ہے تو وہ اس کے ایجنٹ کے طور پر کام کرے گا۔ جس کا معاشرے کو نقصان یہ ہو گا کہ وہ اجارہ دار قیمتوں کے تعین میں اپنی من مانی کریں گے۔

لہٰذا جس طرح انسانی زندگی کے اکثر شعبوں میں مقابلے کا تصور پایا جاتا ہے۔ اسی طرح اس نظام میں مکمل مقابلہ کا تصور موجود ہے۔ جو افراد کو اس بات پر ابھارتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ نفع کے حصول کے لئے مقابلہ ایک لازمی جز ہے، جس کی انتہائی شکل اجارہ داریوں کا قیام ہے۔ کیونکہ بعض اوقات چھوٹے سرمایہ دار بڑے سرمایہ داروں کے مقابلے سے قاصر ہوتے ہیں۔[2]

4۔ معاشی بحران:

سرمایہ دارانہ نظام میں بعض اوقات منڈی کی صورت حال بہت گرم ہوتی ہے۔ ایک مال بہت ہی منافع مند ثابت ہو رہا ہوتا ہے، اس صورت حال کے پیش نظر اشیاء کی پیداوار میں اضافہ ہو جاتا ہے، تو اچانک سے سرمائے کے ارتکاز کے نتیجے میں خریدار کم ہو جاتے ہیں اور منڈی سرد پڑ جاتی ہے، جو کہ کساد بازاری، معاشی بحران اور بے روزگاری کا سبب بنتی ہے۔

اس کے علاوہ اور بھی بہت زیادہ خرابیاں ہیں جو ماہرین نے لکھی ہیں جیسا کہ "معاشی وسائل کا ضیاع، غربت، دولت کی غیر منصفانہ تقسیم، مخصوص طبقے کی حکومت وغیرہ۔

3۔ اسلامی معاشی نظام:

دنیا میں رائج اقتصادی نظام کا اگر جائزہ لیا جائے تو یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوتی ہے کہ دینا میں مروجہ نظاموں میں سے اب تک کوئی ایسا نظام نہیں آیا جو انسانیت کی عظمت اور فلاح کو برقرار رکھ سکے، بلکہ جو بھی آیا اس نے انسانیت کو استعمال کیا اور مصائب میں مبتلاء کرنے کے سوا کچھ نہیں دیا، مثلاً اس وقت دنیا میں دو معاشی نظام قائم ہیں، سرمایہ دارانہ اور اشتراکی نظام

---

[1] مودودی، ابو الاعلیٰ، اسلام اور جدید معاشی نظریات، ص39

[2] صدیقی، محمد نعیم، ڈاکٹر، اسلام اور جدید معاشی تصورات، ص92

مشاہدات، تجربات اس بات کے چشم دید گواہ ہیں کے یہ تمام دنیامیں معاشی ناانصافیوں، اقتصادی ناہمواریوں اور دیگر مسائل اقتصادیات کو حل کرنے میں ناکام رہے ہیں۔

اس کے برعکس دنیامیں ایک ایسانظام جو صرف اقتصادی ہی نہیں بلکہ مکمل نظامِ حیات ہے موجود ہے، جو انسانی فطری تقاضوں کے عین مطابق اور فلاحِ انسانی کا ضامن ہے، انسان کے روحانی اور مادی تقاضوں کی تکمیل کرتا ہے۔ ان تمام خصوصیات کا حامل نظام وہ اسلامی معاشی نظام ہے۔ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو انسانی زندگی کے ہر شعبہ میں انسان کی راہنمائی کرتا ہے اگرچہ اس کا تعلق انفرادی معاملات، عقائد، عبادات، رسومات یا اجتماعی معاملاتِ معاشرت، معیشت اور سیاست سے ہو، ان تمام شعبوں میں اسلام نے راہنما اصول دیئے ہیں، جن میں معیشت بھی شامل ہے، جس کے لیے ایسے اصول و قواعد عطاء کئے ہیں کہ جن کو اپنا کر ہر زمانے میں ایک عادلانہ اور قابلِ عمل نظام تشکیل دے سکتے ہیں۔

اسلامی معاشیات کی تعریفات:

اسلامی معاشیات پر ویسے تو بہت سے ماہرین نے قلم اٹھایا ہے، تعریفات کی ہیں لیکن ایک تعرف جو ان سب کو شامل ہے درج ذیل ہے:

> "اسلامی معاشیات وہ علم ہے جس میں شریعت کے ان اصولوں سے بحث کی جاتی ہے جو بے انصافی کے ذریعے مادی وسائل کے حصول کو ناجائز قرار دیتے ہیں اور جو جائز مادی وسائل کے تصرف کو اس طرح منضبط کرتے ہیں کہ وہ انسان کی ضروریاتِ زندگی کی تکمیل کے ساتھ ساتھ اسے اس قابل بنائیں کہ وہ ان انفرادی، عائلی اور اجتماعی فرائض کی ادائیگی کر سکے جو اللہ تعالیٰ نے اور معاشرے نے اس پر عائد کئے ہیں"[1]

سید امین الحقؒ اسلامی معاشی نظام کا مفہوم لکھتے ہیں:

> "اسلامی نظام اشتراکی اور سرمایہ دارانہ نظام کے درمیان ایک معتدل راہ ہے، اسلام شخصی اور انفرادی ملکیت کو ثابت اور جائز قرار دیتا ہے اور اس بنیاد پر اس میں شرعی احکام کو قائم کرتا ہے"[2]

پروفیسر عبدالحمید ڈار اور ان کے ساتھی اسلامی معاشی نظام کے بارے لکھتے ہیں:

> "اسلام کا معاشی نظام اس کے نظریہ حیات کا ایک جز ہے"[3]

قرآن مجید اور بنیادی معاشی اصطلاحات:

قرآن مجید اللہ رب العزت نے انسانوں کی راہنمائی اور ہدایت کے لیے نازل فرمایا ہے۔ جس میں عبادات کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی رہنمائی کے لیے دنیاوی معاملات کا بھی تذکرہ ہے۔ قرآن پاک نے دیگر علوم کی طرح معیشت کے احکام بھی

---

[1] القادری، طاہر، ڈاکٹر، اقتصادیات اسلام (تشکیل جدید)، منہاج القرآن پبلیکیشنز، لاہور، ط اول، 2007ء، ص 64

[2] محمد امین الحق، سید، اسلام کا معاشی نظام اور معاشی نظریات، شعبہ تعلیم و مطبوعات محکمہ اوقاف، لاہور، 1970ء، ص 20

[3] ڈار، عبدالحمید، پروفیسر، اسلامی معاشیات، ص 3

نازل فرمائے ہیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

'' نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا''[1]

ہم نے ان میں ان کی معیشت کو دنیا کی زندگی میں تقسیم کر دیا۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

''وَلَقَدْ مَكَّنَّاكُمْ فِي الْأَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ قَلِيلًا مَا تَشْكُرُونَ''[2]

اور ہم ہی نے زمین میں تمہارا ٹھکانہ بنایا اور اس میں تمہارے لیے سامان معیشت پیدا کئے۔ (مگر) تم کم ہی شکر کرتے ہو۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

''وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَى''[3]

اور جو میری نصیحت سے منہ پھیرے گا اس کی زندگی تنگ ہو جائے گی اور قیامت کو ہم اسے اندھا کر کے اٹھائیں گے۔

ان آیات مبارکہ سے یہ معلوم ہوا کہ لفظ ''معیشت'' قرآن پاک میں زندگی اور سامان زندگی کے لیے مستعمل ہے۔

اسلامی معاشی نظام کے ماخذ

ماخذ اول کلام اللہ:

تمام اسلامی تعلیمات کا سب سے پہلا مرجع وماخذ قرآن مجید ہے، اس میں تمام مسائل کے قواعد کلی موجود ہیں۔

قرآن پاک کے ماخذ ہونے کے دلائل درج ذیل ہیں:

دلیل نمبر 1۔ قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''ذَلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِلْمُتَّقِينَ''[4]

یہ کتاب (قرآن مجید) اس میں کچھ شک نہیں (کہ کلام خدا ہے۔ خدا سے) ڈرنے والوں کی رہنما ہے۔

اللہ رب العزت نے اس کتاب کو لاریب قرار دیا ہے۔ اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا کہ اس کے محافظ ہم خود ہی ہیں چنانچہ ارشاد فرمایا:

''إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ''[5]

---

[1] الزخرف:32
[2] الاعراف:10
[3] الطہٰ:124
[4] البقرۃ:2
[5] الحجر:9

بے شک ہم نے ہی یہ نصیحت نازل کی ہے اور بے شک ہم اس کی ضرور حفاظت کرنے والے ہیں۔

دلیل نمبر2۔ قرآن مجید ازل سے ابد تک تمام علوم کا مجموعہ ہے جیسا کہ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

''وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ''[1]

اور ہم نے تم پر (ایسی) کتاب نازل کی ہے کہ (اس میں) ہر چیز کا بیان (مفصل) ہے۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

''فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ''[2]

جن میں (مستحکم) آیتیں لکھی ہوئی ہیں۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

''مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ إِلَى رَبِّهِمْ يُحْشَرُونَ''[3]

ہم نے کتاب (یعنی لوح محفوظ) میں کسی چیز (کے لکھنے) میں کوتاہی نہیں کی پھر سب اپنے پروردگار کی طرف جمع کئے جائیں گے۔

امام ابن حزم کہتے ہیں کہ اس میں فقہ کے تمام ابواب موجود ہیں یعنی فقہ کا کوئی ایسا باب نہیں جس کی اصل اس میں موجود نہ ہو اور سنت نے اس کی وضاحت نہ کی ہو۔[4]

ماخذ دوم حدیث و سنت رسول اللہ ﷺ:

سنت اور حدیث رسول اللہ ﷺ تمام علومِ اسلامی کا دوسرا ماخذ ہے، قرآن پاک کی صحیح تفسیر سنت و حدیث ہی ہے۔ جیسے کہ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

''لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ''[5]

بلاشبہ یقیناً تمھارے لیے اللہ کے رسول میں ہمیشہ سے اچھا نمونہ ہے۔

ماخذ سوم اجماع امت:

اجماع کے ماخذ ہونے پر دلیل قرآن پاک کی آیت مبارکہ ہے۔ جس میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

'' وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ''[6]

اور اپنے کاموں میں ان سے مشورہ لیا کرو۔ اور جب (کسی کام کا) عزمِ مصمم کر لو تو خدا پر بھروسہ رکھو۔ بے شک خدا بھروسہ رکھنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

---

[1] النحل:89

[2] البینہ:3

[3] الانعام:38

[4] چیمہ، غلام رسول، اسلام معاشی نظام، علم و عرفان پبلیشرز، لاہور، 2007ء، ص93

[5] الاحزاب:21

[6] آل عمران:159

ماخذ چہارم قیاس:

قیاس کا مطلب ہے کہ ”ایک مسئلہ کا دوسرے مسئلہ کے ساتھ شرعی حکم میں جاناجب دونوں مسئلوں میں ایک ہی علت پائی جاتی ہو“[1]

”عن شريح :انه كتب إلى عمر يساله؟ فكتب إليه:“ ان اقض بما في كتاب الله، فإن لم يكن في كتاب الله, فبسنة رسول الله صلى الله عليه وسلم، فإن لم يكن في كتاب الله ولا في سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم , فاقض بما قضى به الصالحون، فإن لم يكن في كتاب الله ولا في سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم ولم يقض به الصالحون، فإن شئت فتقدم، وإن شئت فتاخر، ولا ارى التاخر إلا خيرا لك، والسلام عليكم“[2]

شریح سے روایت ہے کہ انہوں نے عمر رضی اللہ عنہ سے ایک مسئلہ پوچھنے کے لیے انہیں ایک خط لکھا تو انہوں نے لکھافیصلہ کرو اس کے مطابق جو کتاب اللہ (قرآن) میں ہے، اور اگر وہ کتاب اللہ (قرآن) میں نہ ہو تو سنت رسول (حدیث) کے مطابق، اور اگر وہ نہ کتاب اللہ (قرآن) میں ہو اور نہ سنت رسول (حدیث) میں تو اس کے مطابق فیصلہ کرو جو نیک لوگوں نے کیا تھا، اور اگر وہ نہ کتاب اللہ (قرآن) میں ہو اور نہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں اور نہ ہی نیک لوگوں کا کوئی فیصلہ ہو تو اگر تم چاہو تو آگے بڑھو (اور اپنی عقل سے کام لے کر فیصلہ کرو) اور اگر چاہو تو پیچھے رہو (فیصلہ نہ کرو) اور میں پیچھے رہنے ہی کو تمہارے حق میں بہتر سمجھتاہوں۔ والسلام علیکم۔

اسلامی معاشی نظام کی خصوصیات:

اسلام نے انسان کو ایک مکمل معاشی نظام سے نوازاہے۔ جس کے اصولوں اور قوانین پر عمل پیرا ہو کر ایک بہترین نظام مرتب کیاجاسکتاہے، اسلامی معاشی نظام جن خصوصیات کا حامل ہے ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔

1۔ شرعی حدود اور انفرادی ملکیت:

اسلام انسان کو انفرادی ملکیت کا حق دیتاہے، جس سے ہر فرد اپنی محنت سے کمائی ہوئی یا بغیر محنت سے کمائی چیز، وسائل پیدار اور اشیاءِ صرف کا بلا تفریق ملکیت کا حق رکھتاہے، لیکن باقی معاشرے کو نقصان سے بچانے کے لیے کچھ حد بندیاں قائم کر کے معاشرے کے امن وامان کو برقرار رکھتاہے۔

قرآن مجید کی بیسوں آیات انفرادی ملکیت پر دلالت کرتی ہیں۔ جیسا کہ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

---

[1] چیمہ، غلام رسول، اسلام معاشی نظام، ص95

[2] نسائی، السنن، كتاب آداب القضاة، بَابُ الْحُكْمِ بِاتِّفَاقِ أَهْلِ الْعِلْمِ، رقم الحدیث:5401

''وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ''[1]

اور اپنے مال آپس میں باطل طریقے سے مت کھاؤ۔

اس آیت مبارکہ میں لفظ ''اموالکم'' (تمہارے مال) فرد کی ملکیت پر دلالت کر رہا۔

2-محنت اور سرمائے میں توازن:

سرمایہ اور محنت پیدائشِ دولت کے عوامل ہیں اسلام نے ان دونوں کو برابر اہمیت دی ہے۔ تاکہ معاشرہ ان میں تفاوت کی وجہ سے سود جیسی خرابیوں کا شکار نہ ہو جائے کیونکہ ان میں عدم توازن معاشرے میں سودی نظام کے فروغ میں مددگار ثابت ہوگا۔ اسلام ایسے ذرائع سے حاصل ہونے والی دولت کو ناجائز اور حرام قرار دیتا ہے۔ جبکہ محنت کے احترام کے ساتھ ساتھ ایسے قوانین اور اصول وضع کر دیئے ہیں کہ جو خرید و فروخت اور لین دین میں اساسی حیثیت رکھتے ہیں۔ جن سے منحرف مستحقِ سزا ہوگا۔ قرآن مجید ارشاد باری تعالیٰ ہے:

'' أَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا''[2]

حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال کیا اور سود کو حرام کیا۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ''[3]

مومنو! ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ ہاں اگر آپس کی رضامندی سے تجارت کا لین دین ہو (اور اس سے مالی فائدہ حاصل ہو جائے تو وہ جائز ہے)۔

جدید نظامہائے معیشت میں سرمائے کو وہ اہمیت حاصل ہے جو کہ محنت اور مزدور کو نہیں ہے مزدور استحصال کا شکار ہو جاتا ہے اور اسے پورا معاوضہ نہیں ملتا جبکہ اسلام یہ درس دیتا ہے کہ جیسے سرمایہ اہمیت کا حامل ہے کم از کم ایسے ہی محنت کی بھی برابر حوصلہ افزائی ہونی چاہئے۔

3۔فاسد نظام معیشت کی روک تھام:

اسلام انسان کے تمام حقوق کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اور ان کے اجراء کے لیے احکام جاری کرتا ہے، چنانچہ اسلام نے انسان کو معاشی آزادی اور نجی ملکیت کا حق دے کر شرائط لگا دیں کہ کوئی ایسا غیر شرعی کام نہ کیا جائے جس سے معیشت میں فساد پیدا ہوا جائے۔ ایسے کاموں کے سدباب کے لیے قرآن پاک میں بہت سختی سے ممانعت وارد ہوئی ہے۔ مثلاً چوری کی مذمت پر اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

''وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا''[1]

---

[1] البقرہ:188

[2] البقرۃ:275

[3] النساء:29

اور جو چوری کرنے والا اور جو چوری کرنے والی ہے سو دونوں کے ہاتھ کاٹ دو۔

امانت میں خیانت کرنے والے کے لیے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''فَإِنْ أَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ أَمَانَتَهُ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ''[2]

اور اگر کوئی کسی کو امین سمجھے (یعنی رہن کے بغیر قرض دیدے) تو امانتدار کو چاہیئے کہ صاحب امانت کی امانت ادا کردے اور خدا سے جو اس کا پروردگار ہے ڈرے۔

ان کے علاوہ اور بھی بہت سے ایسے کام ہیں جو معیشت میں باعث فساد بنتے ہیں جیسے احتکار، اکتناز، چوری، سود، سٹہ، مسکرات کی صنعت و تجارت، رشوت، خیانت، ناپ تول میں کمی وغیرہ۔

4۔ معاشی درجات میں تفاوت:

اسلام معاشیات میں تمام افراد کو برابر کا حق دیتا ہے۔ لیکن معاشی درجات میں تفاوت ہے تمام افراد کا برابر ہونا ممکن ہی نہیں کیونکہ انسانوں میں صلاحیتوں کے اعتبار سے تفاوت پایا جاتا ہے۔ اور اسباب معیشت بھی تمام انسانوں کے لیے یکساں نہیں ہوسکتے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''إِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتَّى''[3]

بے شک تمھاری کوشش یقیناً مختلف ہے۔

معلوم ہوا کہ تمام افراد کی کوشش برابر نہیں ہوسکتی رزق میں فراخی اور تنگی کی ایک وجہ یہ بھی ہے، اسی طرح اللہ رب العزت نے اپنی حکمت کے تحت انسانوں کے رزق میں بھی فرق رکھا ہے۔ اس تفاوت کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ رزق کی فراوانی کی وجہ سے لوگ برائیوں میں پھنس جاتے ہیں اور رزق کی کمی برئیوں سے بچاؤ کا سبب بنتا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''وَلَوْ بَسَطَ اللَّهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهِ لَبَغَوْا فِي الْأَرْضِ وَلَكِنْ يُنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَا يَشَاءُ إِنَّهُ بِعِبَادِهِ خَبِيرٌ بَصِيرٌ''[4]

اور اگر خدا اپنے بندوں کے لئے رزق میں فراخی کر دیتا تو زمین میں فساد کرنے لگتے۔ لیکن وہ جو چیز چاہتا ہے اندازے کے ساتھ نازل کرتا ہے۔ بے شک وہ اپنے بندوں کو جانتا اور دیکھتا ہے۔

5۔ معاشی حق میں مساوات:

اسلامی معاشی نظام میں معاشی مساوات سے افرادِ معاشرہ کی معاشی سرگرمیوں، رہائش، کاروبار، مال و دولت، لباس، خوراک اور دیگر معاملات وغیرہ کا مساوی ہونا مراد نہیں ہے۔ مثلاً جتنا ایک فرد کے پاس مال و دولت ہے معاشرے کے ہر فرد کے پاس

---

[1] المائدہ:38
[2] البقرہ:283
[3] اللیل:4
[4] الشوریٰ:27

اتنا ہی ہو اس کا ہر گز یہ مطلب نہیں ہے کیونکہ معاشرے کے ہر فرد کی ذہنی استعداد اور کام کرنے کی مہارت ایک جیسی نہیں ہے اور ایسی مساوات کا حصول ایک غیر فطری اور نا قابل عمل امر ہے جو کہ اسلام کے بنیادی اصولوں کے بھی متصادم ہے۔ لہذا اس باب میں معاشی حق مساوات سے مراد قومی پیداواری وسائل اور ذرائع ہیں جن سے استفادے کا اسلام معاشرے کے ہر ہر فرد کو مساوی حق دیتا ہے۔ اگرچہ اس حق کے استعمال میں کوئی فرد اپنی صلاحیت اور محنت کی وجہ سے دوسرے سے آگے بڑھ جائے تو وہ اس کی صلاحیت اور محنت کا نتیجہ ہے۔

اسی لیے اللہ رب العزت نے اپنی مخلوق کو رزق پہنچانے کا خود ذمہ لیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

'' وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا''[1]

اور زمین میں کوئی چلنے والا (جاندار) نہیں مگر اس کا رزق اللہ ہی پر ہے۔

اس آیت مبارکہ کے تحت مفتی شفیع صاحب لکھتے ہیں:

"اس آیت میں انسان پر ایک عظیم احسان کیا گیا ہے اور وہ یہ کہ اس کے رزق کی کفالت اللہ رب العزت نے اپنے ذمے لے لی ہے، اور نہ صرف انسان کی بلکہ زمین پر چلنے والے ہر جاندار کی وہ جہاں کہیں رہتا ہے یا چلا جاتا ہے اس کی روزی اس کے پاس پہنچتی ہے"[2]

اللہ رب العزت نے تمام مخلوق کے رزق کا ذمہ لینے کے ساتھ ساتھ دولت کی گردش کا حکم دیا ہے، تاکہ معاشی مساوات بر قرار رہ سکے اور معاشرے کا ہر ہر فرد اس سے مستفید ہو سکے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''مَّآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِه مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتَامٰى وَالْمَسَاكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ o كَیْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ o وَمَآ اٰتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا o وَاتَّقُوا اللّٰهَ oاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَاب''[3]

جو مال اللہ نے اپنے رسول کو دیہات والوں سے مفت دلا یا سو وہ اللہ اور رسول اور قرابت والوں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے، تاکہ وہ تمہارے دولت مندوں میں نہ پھرتا رہے، اور جو کچھ تمہیں رسول دے اسے لے لو اور جس سے منع کرے اس سے باز رہو، اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔

دیگر غیر معروف اقتصادی افکار:

دنیا میں رائج ان تین نظاموں کے علاوہ بھی نظام آئے ہیں۔ لیکن ترقی نہ کرنے کی وجہ سے اتنے مشہور نہیں ہو سکے۔ ذیل میں ان کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

---

[1] الھود:6

[2] عثمانی، محمد شفیع، مفتی، معارف القرآن، ناشر ادارۃ المعارف، کراچی، 1996ء، ج4، ص580

[3] الحشر:7

1۔فاشزم:

فاشزم جس کو(فسطائیت) بھی کہاجاتا ہے،اس کا آغاز اٹلی میں اطالوی لیڈر" مسولینی "نے1921ء میں کیا۔جو کہ دنیا کے مختلف ممالک میں رائج ہوا جن میں جرمنی 1933ء تا1945ء، سپین 1936ء تا1975ء اور پرتگال میں 1939ء تا1974ء تک قائم رہا۔[1]

فاشزم معنی مفہوم:

فاشزم یافسطائیت (Facism) سیاسیات کی اصطلاح ہے۔کسی ملک، معاشرے یا قوم پر طاقت کے بل بوتے سے استبداد اورآمریت مسلط کرنا"فاشزم"کہلاتا ہے۔

دوسروں پر آمریت مسلط کرنے والی قوم یافرد کو فاشسٹ یافسطائی کہیں گے۔رومن لفظ"فاشزم"کوعظمت وجلالت کا نشان سمجھتے تھے، تاہم سیاسیات کے ذیل میں مشہور ڈکٹیٹر"مسولینی"نے اس اصطلاح کو سب سے پہلے رواج دیاعلمِ سیاسیات میں فاشزم سے مراد آمریت اور جبر واستبداد ہے۔[2]

حسیب عباسی فاشزم کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "ایک ایسانظامِ حکومت جس میں تمام اختیارات ایک الگ جگہ جمع ہوگئے ہوں، جہاں مخالفت اور نقطہ چینی کی کوئی گنجائش نہ ہو جو تمام قومی مثلاً صنعتی وتجارتی معاملات پر کنٹرول رکھتا ہو، جارحانہ قوم پرستی اور اشتراکیت کی دشمنی پر مشتمل ہو"[3]

معلوم ہوا کہ فاشزم ایک ایسا معاشی اور سیاسی نظام ہے جو امریت کے بل بوتے اقتدار میں آتا ہے اور تمام قومی ذرائع پر قبضہ کرتا ہے۔

2۔نازی ازم:

فاشزم کی دوسری شکل نازی ازم ہے،اس کا آغاز پہلی جنگ عظیم کے بعد جرمنی میں "ہٹلر "نے1933ء میں اپنی کتاب"میری جدوجہد"سے کیا۔

اصل میں ان دونوں نظاموں، روس اور اشتراکیت کی خانہ جنگی اور دوسری طرف سرمایہ دارنہ نظام کی بے قید معیشت کی وجہ سے دنیاجنگ وجدل کا میدان بن گئی، ہر ملک طبقاتی جنگ کے شعلوں میں جھلس کر رہ گیا، جن ممالک کا نظامِ زندگی اس آگ کی وجہ سے برقرار نہیں رہااور سوشلزم کی آگ سے بھی خطرہ لاحق ہوا تو ان میں سے وہ ممالک جہاں جمہوریت کمزور تھی وہاں نازی ازم اور فاشزم نے اپنی جگہ بنائی اور جن ممالک میں جمہوریت مضبوط تھی وہاں وہی پرانے سرمایہ دارانہ نظام کو قائم

---

[1] طارق عباس،فسطائیت ایک تعارف، :Archive، 12/05/2022 at 04:41pm
/https://iaeza.pk/taasrat/intro-to-fascism-tarique-abbas

[2] انور جمال، پروفیسر، ادبی اصطلاحات، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، ط چہارم، 2017ء، صفحہ نمبر 136

[3] عباسی، محمد حسیب، اسلام اور جدید افکار، ص158

رکھتے ہوئے بے قید معیشت میں کچھ اصلاحات کر دیں۔ تاکہ ان دونئی تحریکوں کے سائے سے بچا جاسکے۔

نازی ازم کا معنی مفہوم و تعریف:

حسیب عباسی نے نازی ازم کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

"نازی ازم وہ سیاسی تحریک تھی جو جرمنی میں دوسری جنگ عظیم سے پہلے معرض وجود میں آئی، اگر ہم نام کا تجزیہ کریں تو یہ دو حصوں میں ایک لفظ "نا" اور دوسری "زی" کا مجموعہ ہے جرمنی میں ایک سیاسی پارٹی نیشنل سوشلسٹ پارٹی بھی بنائی گئی تھی "نا" کا لفظ تو نیشنل سے لیا گیا ہے، جرمن زبان میں سوشلز کے لفظ کو "ازی" کہتے ہیں تو "زی" کا لفظ اس سے لیا گیا اور اس طرح لفظ Nazi معرض وجود میں آیا۔ یہ سیاسی تحریک آہستہ آہستہ کسی حد تک فوجی انداز اختیار کر گئی"[1]

گویا کہ نازی ازم بھی انہی نظریات پر قائم کی گئی جن پر فاشزم کا قیام ہوا، ان دونوں کے مقاصد ایک ہی تھے۔

فاشزم اور نازی ازم کی خصوصیات:

چونکہ یہ دونوں نظاموں کے مقاصد اور نظریات ایک ہی تھے تو اس لحاظ سے ان کی خوبیاں اور خامیاں بھی ایک ہی ہوں گی چنانچہ ان کے نفاذ سے جو خوبیاں سامنے آئی ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

1۔ نجی ملکیت:

یہ سوشلزم کی طرح نجی ملکیت اور ذاتی منافع کے محرک کا بالکل خاتمہ نہیں کرتے بلکہ ان کا کہنا ہے کہ یہ دونوں ملکی مفاد کے لیے بہتر ہیں البتہ انہیں کچھ شرائط کے ذریعے محدود کیا جاسکتا ہے، اجتماعی مفاد کو نقصان پہنچائے بنا افراد کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے نفع کے لیے جدوجہد کرے۔

2۔ سود کی مخالفت:

ان کے نظریات میں ایک اسلامی نظریہ سود کی ممانعت شامل تھا جیسا کہ اسلامی نظام معیشت میں سود حرام ہے ان کے نزدیک بھی سود کا خاتمہ ضروری تھا اگرچہ عملی طور پر یہ سود پر قابو نہ پاسکے۔

3۔ باہمی تفاوت:

ان کا نظریہ تھا کہ ایک ہی جگہ پر رہتے ہوئے ایک ہی معاشرے میں طبقاتی طور پر کوئی باہمی تفاوت کی فضاء نہیں ہونی چاہے جس سے ملک معاشرتی اور معاشی لحاظ سے کمزور ہو جاتا ہے، اور فسادات کا دروازہ کھل جاتا ہے، مالدار اور محنت کش طبقے کے درمیان خلل نامناسب ہے، اصل معاشرہ ہے کہ سب کو مل کر ضرورت کی اشیاء کو پیدا کرنا چاہیے اور ایک دوسرے کا تعاون

---

[1] عباسی، محمد حسیب، اسلام اور جدید افکار، ص159

کرناچاہیے تاکہ معاشرہ،ملک و قوم ترقی کر سکے۔[1]

فاشزم اور نازی ازم کے منفی پہلو:

خصوصیات کا جائزہ لینے کے بعد ان کے نفاذ سے جو منفی پہلو سامنے آئے ہیں درج ذیل ہیں۔

فاشزم اور نازی ازم نے نظام کا نعرہ تو دے دیا لیکن اپنے مقاصد کے حصول کے لیے ان کے پاس کوئی نظریہ نہیں تھا، انہوں نے نظام چلانے کے لیے مختلف حیلے بہانوں اور فلسفوں کا سہارا لیتے ہوئے ردوبدل سے کام لیا، جس کی وجہ سے ان کے درمیان بہت زیادہ مغالطوں اور خیال افرینیوں نے جنم لیا۔ جو ان کی پارٹی میں شامل نہیں ہوتا تھا اس کے لئے علی اعلان کہتے تھے جسے ڈاکٹر نعیم صدیقی نے یوں نقل کیا ہے:

> "فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں "اور یہ بھی کہتے کہ "جرمن ہے تو نازی پارٹی میں اور اگر اٹالین ہے تو فاشسٹ ہو جا"[2]

اسی طرح شخصی آزادی بس نام کی حد تک رہ گئی، جمہوریت کا نام نشان ختم ہو گیا انتخابات صرف تبصروں کے لیے رہ گئے، میڈیا، نشرواشاعت کے ادارے وغیرہ سب سرکاری تحویل میں آ گئے، تنقید کرنا جان پر کھیلنے کے مترادف ہو گیا۔

اختلاف رائے، بحث مباحثہ، مواخذہ واحتساب ان تمام چیزوں پر مکمل پابندی عائد کر دی گئی البتہ یوں کہا جائے تو بجا ہو گا کہ انسان کے دماغوں کی مانیٹرنگ بھی حکومت کے ہاتھ تھی۔

---

[1] صدیقی، محمد نعیم، ڈاکٹر، اسلام اور جدید معاشی تصورات، ص126

[2] ایضاً:127

فصل دوم

اسلامی اقتصادی افکار میں روحانی پہلو

روحانیت کا لغوی اصطلاحی مفہوم:

روحانیت کا لفظ "روح" سے نکلا ہے قرآن مجید میں لفظ "روح" کا استعمال دو معنوں میں ہوا ہے، ایک حضرت جبرائیل علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے جیسے ارشار باری تعالیٰ ہے:

" تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ كُلِّ أَمْرٍ "[1]

اس میں روح (الامین) اور فرشتے ہر کام کے (انتظام کے) لیے اپنے پروردگار کے حکم سے اترتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے قرآن پاک میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

"إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَى مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِنْهُ"[2]

نہیں ہے مسیح عیسیٰ ابن مریم مگر اللہ کا رسول اور اس کا کلمہ، جو اس نے مریم کی طرف بھیجا اور اس کی طرف سے ایک روح ہے۔

یہاں پر لفظ "روح" سے مراد پہلی آیت میں حضرت جبرائیل علیہ السلام اور دوسری آیت مبارکہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔

دوسرا لفظ "روح" کا استعمال پھونک، راحت، سکون کے معنی میں استعمال ہوا ہے جس سے لفظ "روحانیت" نکلا ہے۔ جیسے قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

" فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ "[3]

جب اس کو (صورت انسانیہ میں) درست کر لوں اور اس میں اپنی (بے بہا چیز یعنی) روح پھونک دوں تو اس کے آگے سجدے میں گر پڑنا۔

یہاں پر روح سے مراد وہ روح ہے جو اللہ رب العزت نے انسان میں اسے مٹی سے بنانے کے بعد پھونکی، جس سے انسان میں حیات پیدا ہوئی معلوم ہوا روح پھونکنے سے پہلے انسان بس ایک مٹی کا ڈھانچہ ہی تھا، فرشتوں کو حکم دیا کہ روح پھونکنے کے بعد سجدے میں گر پڑنا۔ انسان کو پیدا فرمانے کے لیے اللہ رب العزت نے جس طرح مادی وجود تخلیق کیا ہے اسی طرح اللہ رب العزت نے انسان کو زندہ رکھنے کے لیے اس کا ایک روح پھونک کر ایک باطنی وجود بھی تخلیق کیا ہے۔

فیروز اللغات کے مطابق روحانیت کا معنیٰ:

"روحی قوت یا خاصیت ہے "[4]

پروفیسر محمد عقیل روحانیت کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

[1] القدر:4

[2] النساء:171

[3] الحجر:29؛الصاد:72

[4] فیروزالدین، مولوی، فیروزاللغات اردو، ص726

"روحانیت سے مراد اپنی ظاہری اور باطنی اصل شخصیت کو جاننا، اپنے خالق کی معرفت حاصل کرنا اور اس علم کی بنیاد پر شخصیت کا تزکیہ کرنا ہے"[1]

واضح ہوا کہ روحانیت انسان کے اندرونی جذبات، احساسات کا نام ہے جس کے ذریعے انسان اپنے خالق کی معرفت حاصل کرتا ہے اور اس علم کی بنیاد پر اپنی ظاہری اور باطنی شخصیت کا تزکیہ کرتا ہے۔

روحانیت کا اسلامی تصور:

اسلام کے روحانی نظام کو سمجھنے کے لیے اس فرق کا سمجھنا ضروری ہے، جو اسلامی تصورِ روحانیت اور دوسرے مذاہب و فلاسفی تصورات کے درمیان پایا جاتا ہے۔ کیونکہ اس فرق کے نہ سمجھنے سے اکثر انسان خلط مبحث کا شکار ہو جاتا ہے، انسان جب بھی روحانیت کا مطالعہ کرتا ہے تو کچھ ایسے غیر روحانی تصورات انسان کے ذہن میں گردش کرنے لگ جاتے ہیں جو ظاہراً روحانی لگ رہے ہوتے ہیں۔ جس سے انسان کے لیے روحانی تصور کا تعین کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔

فلاسفہ اور دیگر مذاہب کا نقطہ نظر:

فلاسفہ اور دیگر مذاہب آج تک اس نظریہ کو ہی تھامے ہوئے ہیں کہ روح اور جسم ایک دوسرے کا متضاد ہیں، دونوں کا ایک ساتھ ترقی کرنا ممکن نہیں ہے، کیوں کہ ان دونوں کے تقاضے اور عالم جدا جدا ہیں، روح کے لئے جسم اور مادی دنیا کی حیثیت قید خانہ کی سی ہے، جو کہ دنیاوی زندگی کی لذات اور تعلقات کے زنجیروں کے ساتھ جکڑی ہوئی بے چین اس پرندے کی مانند ہے جو کسی پنجر میں بند ہو، دنیاوی معاملات نے اس روح کو اپنی لپیٹ میں اس طرح لے رکھا ہے کہ جس سے روح کی صلاحیتِ پرواز ختم ہو چکی ہے۔[2]

جس فکر کے نتیجے میں دنیا اور روح کے راستے جدا ہو گئے، دونوں کی منازل و مقاصد کا رخ تبدیل ہو گیا، جن افراد نے دنیاداری کو ترجیح دی انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ بس اب وہ روحانیت کے قریب بھی نہیں بھٹک سکتے جس سے ان کے دل و دماغ میں مادہ پرستی گھر کر گئی اور انہوں نے اپنی تہذیب و تمدن معیشت و معاشرت غرض کہ تمام اجتماعی معاملات سے روحانیت کی روشنی کو ختم کر دیا جس کے نتیجے میں معاشرے کو سخت مظالم کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کے برعکس وہ افراد جنہوں نے روحانیت کو ترجیح دی وہ اس میں اس حد تک آگے نکل گئے انہوں گھربار دنیاداری اور تمام تعلقات کو چھوڑ کر رہبانیت اختیار کر لی اور جنگلوں کا رخ کر لیا ان کے نزدیک روحانیت کی طرف کوئی ایسی راہ نہیں جاتی جو دنیا سے گزرتی ہو، چنانچہ انہوں نے روحانیت کو حاصل کرنے کے لیے طرح طرح کے طریقے اپنائے تاکہ اس میں ترقی کر سکیں، اپنے نفسوں اور اپنی جانوں کو مختلف قسم کی ریاضات کے حوالے کر دیا۔

---

[1] محمد عقیل، پروفیسر، روحانیت کا تعارف, 10/05/2022 at 01:38pm
https://aqilkhans.wordpress.com/2016/05/29/%d8%b1%d9%88%d8%ad%d8%a7%d9%86%db%8c%d8%aa-%da%a9%d8%a7-%d8%aa%d8%b9%d8%a7%d8%b1%d9%81/

[2] عبدالفتاح، عفیف، علامہ، اسلام میں روحانیت کا تصور (مترجم ڈاکٹر عبید اللہ فہد فلاحی)، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلیشرز، نئی دہلی، 2011ء، ص23

جیسا کہ بدھ مت اور عیسائیت کے بارے میں علامہ عفیف عبد الفتاح لکھتے ہیں:

"ہندوستان میں برہمنوں اور بدھ مت کے علمبرداروں نے یہ ہی راستہ اختیار کیا، چنانچہ ان میں سے بعض لوگ کھانا پینا اس حد تک کم کر دیتے ہیں کہ ہڈی کے ڈھانچوں کی طرح بے جان ولاغر و نحیف ہو جاتے ہیں، کچھ لوگ اس سے آگے بڑھ کر اپنے جسموں کو لوہے کی زنجیروں سے میں کس لیتے ہیں بلکہ ان میں سے ایسا گروہ بھی ہے جو میخوں کے تیز دندانوں پر بیٹھتا اور سوتا ہے تاکہ اسکی نوکیں اس کے بدن میں چبھیں اور تکلیف دیں۔ اور جب مسیحیت کی طرف نظر دوڑاتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ زہد و تقشف کا مذہب اور دینوی رشتوں سے جدائی اور محض روح کی تیاری و تربیت کا دھرم ہے"[1]

اسلام میں روح اور جسم کے درمیان اعتدال:

اس تصور کے بارے میں اسلام تمام مذاہب عالم اور فلاسفہ کے تصورات سے الگ تصور پیش کرتا ہے، جس سے اسلام باقی تمام مذاہب سے ممتاز ہو جاتا ہے اسلام جسم اور روح کے درمیان اعتدال کا راستہ اختیار کرتا ہے جو کہ انسان کو مادی منفعت اور اس کے حصول سے محروم نہیں کرتا بلکہ شرعی شرائط کے مطابق اعتدالی راہ دیکھاتا ہے جس میں روحانیت کے ساتھ ساتھ مادی منفعت کا حصول بعض اوقات تو ضروری قرار دیتا ہے لیکن اس منفعت کے حصول میں روحانیت کے پہلو کا انہدام پسند نہیں کرتا۔ قرآن مجید میں کئی آیات اس مفہوم کو واضح کرتی ہیں۔ جیسے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَأَحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ"[2]

اور جو (مال) تم کو خدا نے عطا فرمایا ہے اس سے آخرت کی بھلائی طلب کیجئے اور دنیا سے اپنا حصہ نہ بھلائیے اور جیسی خدا نے تم سے بھلائی کی ہے (ویسی) تم بھی (لوگوں سے) بھلائی کرو۔

اللہ رب العزت ایک اور مقام پر ارشاد فرماتے ہیں:

"يَا بَنِي آدَمَ خُذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ"[3]

اے نبی آدم! ہر نماز کے وقت اپنے تئیں مزّین کیا کرو اور کھاؤ اور پیؤ اور بے جانہ اڑاؤ کہ خدا بے جا اڑانے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اپنے سے دعا مانگنے کا ایسا سلیقہ سیکھایا ہے، کہ جس میں مادی دنیا اور روحانیت اکھٹی ہو جائے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

" فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ.وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ.أُولَئِكَ لَهُمْ نَصِيبٌ مِمَّا كَسَبُوا

---

[1] عبد الفتاح، عفیف، علامہ، اسلام میں روحانیت کا تصور (مترجم ڈاکٹر عبید اللہ فہد فلاحی)، ص24

[2] القصص:77

[3] الاعراف:31

وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ''[1]

پھر لوگوں میں سے کوئی تو وہ ہے جو کہتا ہے اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں دے دے اور آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں۔ اور ان میں سے کوئی وہ ہے جو کہتا ہے اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھلائی اور آخرت میں بھی بھلائی دے اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے اس میں سے ایک حصہ ہے جو انھوں نے کمایا اور اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔

ایک اور جگہ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

''يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ .وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي أَنْتُمْ بِهِ مُؤْمِنُونَ''[2]

مومنو! جو پاکیزہ چیزیں خدا نے تمہارے لیے حلال کی ہیں ان کو حرام نہ کرو اور حد سے نہ بڑھو کہ خدا حد سے بڑھنے والوں کو دوست نہیں رکھتا ۔ اور جو حلال طیّب روزی خدا نے تم کو دی ہے اسے کھاؤ اور خدا سے جس پر ایمان رکھتے ہو ڈرتے رہو۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ رب العزت نے اس بات کی طرف توجہ دلائی ہے کہ جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حلال کیا ہے ان کو اپنے لیے حرام کر لینا ظلم ہے۔جو کہ روحانیت اور مادیت کے درمیان توازن پیدا کرنے والی راہ اعتدال سے منحرف ہونا ہے۔

ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ رب العزت نے مادی جاہ جلال کے ساتھ روحانیت کے پہلو کو بھی اہمیت دی ہے، تاکہ انسان بے لگام ہو کر ظلم وزیادتی میں مشغول نہ ہو جائے، اسی طرح بیسوں آیات اس مضمون پر موجود ہیں جو روحانیت اور مادیت کے تعلقِ اعتدال کو بیان کرتی ہیں۔

چنانچہ جو تصور روحانیت، رہبانیت کی شکل میں دیگر مذاہب نے پیش کیا ہے ان کے رد میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

''وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللَّهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا'' [3]

اور لذات سے کنارہ کشی کی تو انہوں نے خود ایک نئی بات نکال لی ہم نے ان کو اس کا حکم نہیں دیا تھا مگر (انہوں نے اپنے خیال میں) خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے (آپ ہی ایسا کر لیا تھا) پھر جیسا اس کو نباہنا چاہیئے تھا نباہ بھی نہ سکے۔

روحانیت کے علاوہ مادیت میں اس طرح سے انہماک خدا تعالیٰ کے بنائے ہوئے فطری تقاضوں کے خلاف ہے، جس سے انسان چین کی زندگی بسر نہیں کر پاتا اگرچہ مال ودولت کے انبار ہی انسان کے پاس کیوں نہ ہوں،جو سکون اسلام کے اس اعتدالی راستے میں ہے وہ کہیں نہیں مل سکتا۔ جیسا کہ ''محمد فاروق خاں'' اپنی کتاب میں ''زوزف ڈڈکرچ'' کا قول نقل کرتے

---

[1] البقرہ:200 -202

[2] المائدہ:87-88

[3] الحدید:27

ہوئے لکھتے ہیں جو اس نے اپنے بارے میں لکھا:

"جب وہ مذہبی خیالات سے دست بردار ہوا تو اسے نہ صرف ذہنی کوفت اور روحانی کرب کا سامنا کرنا پڑا بلکہ اخلاقیات کے بارے میں تو اسے بالکل مایوس ہو جانا پڑا"[1]

مادہ پرست سائنس اور اسکی ایجادات و تحقیقات پر بہت ناز کرتے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں کہ ہم نے زندگی کے ایک بڑے راز پر گرفت پالی ہے، لیکن اس بات کا ادراک نہیں رکھتے کہ سائنس روحانیت کے علاوہ زندگی کو بامقصد اور باغایت بنانے سے قاصر ہے۔ اخلاقیات کی توقع اسی سے ہی کی جاسکتی ہے جس کی زندگی بامقصد اور باغایت ہو۔

اسلام میں معیشت کی اہمیت و کردار

اسلام سے پہلے دنیا میں بہت سارے طرزِ زندگی رائج تھے، جو بہت ساری خرابیوں کا شکار تھے، اللہ رب العزت نے اسلام کو بطور دین نازل فرمایا تا کہ سابقہ رائج تمام طُرُزِ زندگی پر یہ غالب آجائے۔ جیسا کہ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

''هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ ''[2]

وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا، تا کہ اسے تمام دینوں پر غالب کر دے۔

غلط فہمی کا ازالہ

اسلام کے اس نظام(system) کو چلانے اور مضبوط کرنے کے لیے جو کہ بطور دین نازل ہوا ایسے افراد کی ضرورت تھی جو مضبوط، متقی اور پرہیز گار ہوں۔ لہٰذا آپ ﷺ نے وہ نظام اور سسٹم بھی بیان کیا جو اللہ رب العزت نے نازل فرمایا اور اس نظام کے لیے مطلوب متقی، پرہیز گار، صلاحیت مند اور مضبوط افراد بھی تیار کئے جو اس سسٹم اور نظام کو چلا سکیں، چنانچہ اسلام کا بنیادی خاکہ(Basic Structure) یہ ہے کہ اسلام بطور دین نازل ہوا ہے اور اس کے لیے مصفیٰ قلوب، متقی، صلاحت مند اور مضبوط افراد کی بھی ضرورت ہے۔ اس لیے فرد کی اصلاح بھی کی جائے گی اور معاشرے میں حکم الٰہی کی تکمیل کے لیے جدوجہد بھی ہو گی۔ اسی لیے آپ ﷺ کی اگر محنت کو دیکھا جائے تو ابتدائی محنت تو تبلیغ پر کھڑی ہے اور انتہائی محنت اس تبلیغ کی تکمیل جو آپ ﷺ کے پورے غزاوت اور جنگی جدوجہد پر مشتمل ہے اس پر کھڑی ہے۔

عام طور ہم یہاں اس غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں کہ پہلے فرد کی اصلاح ہو گی جس سے معاشرہ خود بخود ٹھیک ہو جائے گا، ایسا بالکل نہیں ہے، دراصل فرد کی اصلاح ذریعہ ہے اس نظام اور اس سسٹم کی تکمیل کا اس لئے اس نظام کے تحت ضمناً فرد کی صلاح بھی کریں گے تا کہ اس سسٹم کی تکمیل ہو سکے۔

دوسرا پہلو اسکا یہ ہے کہ اسلام بطور سسٹم، بطور دین نازل ہوا جس کے لیے قوت کی ضرورت تھی وہ قوت چاہے معاشرتی ہو، اقتصادی ہو یا پھر سیاسی ہو بغیر قوت کے نظام نافذ نہیں ہو سکتا اسی لیے اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

---

[1] خاں، محمد فاروق، مادیت اور روحانیت، اسلامک پبلیکیشنز پرائیویٹ لمیٹڈ، لاہور، ط اول، 1988ء، ص12

[2] الصف:9

'' لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِينَ دَرَجَةً وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَى وَفَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ عَلَى الْقَاعِدِينَ أَجْرًا عَظِيمًا''[1]

جو مسلمان (گھروں میں) بیٹھ رہتے (اور لڑنے سے جی چراتے) ہیں اور کوئی عذر نہیں رکھتے وہ اور جو خدا کی راہ میں اپنے مال اور جان سے لڑتے ہیں وہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے خدا نے مال اور جان سے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر درجے میں فضیلت بخشی ہے اور (گو) نیک وعدہ سب سے ہے لیکن اجر عظیم کے لحاظ سے خدا نے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر کہیں فضیلت بخشی ہے۔

آپ ﷺ نے بھی ارشاد فرمایا:

'' المؤمن القوي،خير واحب إلى الله من المؤمن الضعيف''[2]

طاقتور مومن اللہ تعالیٰ کے نزدیک کمزور وناتواں مومن سے زیادہ بہتر اور پسندیدہ ہے۔

چونکہ اسلام بطور دین نازل ہوا ہے اس لیے میں اپنی معیشت کو مضبوط کروں گا کہ میرا دین مضبوط ہو اور اسی طرح باقی پہلوں سیاست اور معاشرت وغیرہ کو مضبوط کرنے کا ایک ہی مقصد ہو کہ اس سے میرا دین مضبوط ہو گا۔

لہٰذا اسلامی نظام نے جو معاشی پہلو دیا ہے وہ معیشت میں کمزور رہنے کے لیے نہیں دیا بلکہ اسلام ایسے اصول اور ضوابط انسان کو دیتا ہے جس سے انسان، معاشرہ اور ریاست معاشی اعتبار سے مضبوط ہوں گے۔

ہمارے اذہان آج جس غلط فہمی کا شکار ہیں وہ یہ ہے کہ اسلام تو حرام سے بھی منع کرتا ہے اور دھوکے سے بھی منع کرتا ہے لہٰذا اسلامی نظام پر تو چلا ہی نہیں جا سکتا، دراصل اگر دیکھا جائے تو یہ ساری باڑیں لگانے کا مقصد جس میں دھوکہ دہی فراڈ وغیرہ سے منع کیا گیا ہے وہ اس لیے ہے کہ اسلام ہمیں معاشی طور پر مضبوط دیکھنا چاہتا ہے، مثال کے طور زمین میں پانی چھوڑ دیا جائے اگر اس کی ارد گرد کوئی باڑ یا رکاوٹ نہیں لگائیں گے تو وہ پانی منزل مقصود تک نہیں پہنچ پائے گا ادھر اُدھر پھیل جائے گا اور اس کے ارد گرد باڑ لگا دی جائیں تو پانی اپنی سمت میں جائے گا اور اپنی منزل تک پہنچے گا، اسلام کا بھی یہ ہی مقصد ہے کہ اسلامی معاشی نظام کے ارد گرد حرام، حلال، جائز ناجائز کی باڑیں لگا دیں ہیں تاکہ ہماری معیشت مستحکم ہو اور ہمارا معاشی نظام مضبوط ہو۔

اسی لیے اللہ رب العزت نے زرق کی تلاش کو اپنا فضل قرار دے کر انسان کو بار بار حکم دیا ہے کہ نکلو اللہ کے فضل کو تلاش کرو۔ جیسے اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

'' فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ''[3]

---

[1] النساء:95

[2] ابن ماجہ، السنن، کتاب الزهد، بَابُ : التَّوَكُّلِ وَالْيَقِينِ، رقم الحدیث:4168

[3] الجمعۃ:10

پھر جب نماز ہو چکے تو اپنی اپنی راہ لو اور خدا کا فضل تلاش کرو اور خدا کو بہت بہت یاد کرتے رہو تا کہ نجات پاؤ۔

یہ بات یاد رہے کہ اسلام ہمیں معاشی لحاظ سے مضبوط تو دیکھنا چاہتا ہے، اس کے ساتھ جن آیات اوراحادیث میں مال کی مذمت آئی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''الْمَالُ وَالْبَنُونَ زِينَةُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا''[1]

مال اور بیٹے تو دنیا کی زندگی کی (رونق و) زینت ہیں۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

''وَاعْلَمُوا أَنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَأَنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ''[2]

اور جان رکھو کہ تمہارا مال اور اولاد بڑی آزمائش ہے اور یہ کہ خدا کے پاس (نیکیوں کا) بڑا ثواب ہے۔

ان کا مطلب یہ ہے کہ اسلام اس معیشت، سرمائے اور دولت کو کبھی بھی اس معاشرے کا مرکزی نقطہ نظر (central pointe) نہیں بننے دے گا، بلکہ وہ مرکزی نقطہ نظر اللہ تعالی کی ذات ہی ہو گی کیونکہ اسلامی معیشت کی بنیاد سرمایہ نہیں ہے۔ اسی لیے اللہ تعالی نے مندرجہ بالا آیت مبارکہ میں بھی فضل کے تلاش کرنے کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ خدا کو یاد کرتے رہو تا کہ نجات پاؤ معلوم ہوا کہ اسلامی معیشت کی بنیاد سرمایہ نہیں ہے۔

جبکہ جدید معاشی نظام کا مرکز و محور سرمایہ ہے اس کی تمام سرگرمیاں اور جدوجہد سرمایہ ہو گا اگر کوئی مزدور ہے تو وہ اس لیے مزدوری کر رہا ہے کہ سرمایہ حاصل کروں، کوئی تاجر ہے اس کی بھی غرض سرمائے کا ہی حصول ہو گا، کوئی استاد ہے اس کی غرض بھی سرمائے کا حصول ہو گا، کوئی تعلیم حاصل کر رہا ہے تو اس کی بھی یہ ہی غرض ہو گی کہ پڑھوں گا لکھوں گا بڑا ہو کر سرمایہ حاصل کروں گا الغرض کوئی جس کام میں بھی لگا ہے، اس کا بنیادی مقصد اور مرکزی نقطہ نظر (central pointe) ایک ہی ہو گا جو کہ سرمائے کا حصول ہے۔ یہ ہی فرق ہے اسلام اور جدید نظامہائے معاشیات میں روحانیت کا۔

تصور روحانیت اور اسلامی اقتصادی افکار:

اللہ رب العزت نے انسان کو اس کائنات میں اپنا خلیفہ بنا کر کچھ احکامات، ذمہ داریاں، اختیارت اور فرائض سونپ دیئے ہیں۔ خلیفہ ہونے کی حیثیت سے انسان اپنے پورے کارنامۂ زندگی کا اپنے مالک حقیقی کے سامنے جواب دہ ہے، انسان پر لازم ہے کہ جو اللہ رب العزت نے اختیارات، ذمہ داریاں یا فرائض دیئے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق استعمال میں لائے۔ اپنی تمام تر قابلیتوں اور صلاحیتوں کو اس کی رضا کے مطابق صرف کر دے، چاہے وہ انفرادی معاملات (عقائد، عبادات، رسومات) ہوں یا اجتماعی معاملات (معاشرت، معیشت، سیاست) الغرض تمام معاملات میں یہ بات شامل ہو کہ اس میں میرے اللہ کی رضا کیا ہے۔ انسان کی اسی کیفیت کا نام اسلام میں تصور روحانیت ہے۔

---

[1] الکہف:46

[2] الانفال:28

اسلام باقی تمام معاملات کی طرح انسانی زندگی کے شعبۂ اقتصادیات میں بھی روحانیت کا درس دیتا ہے۔ کہ انسان اپنے کاروبار، تجارت، ذرائع پیداوار، نفع کا حصول اور آمدنی کی تقسیم جیسے سارے معاملات میں اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے احکامات پر عمل پیرا ہوں۔ اسلام کے اقتصادی نظام کی عمارت جن روحانی قدروں پر کھڑی ہے ان کی تفصیلات درج ذیل ہیں۔

1۔ تقویٰ:

معیشت کے باب میں پہلی روحانی سیڑھی تقویٰ ہے، آج جدید ذہنوں میں عزت و شرافت کا معیار دولت اور زر کو گردانا جاتا ہے، جس کے پاس مال دولت وافر مقدار میں ہو وہ معاشرے میں عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ لیکن اسلامی روحانی نظام عزت کا معیار تقویٰ کو قرار دیتا ہے۔ اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

'' إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ''[1]

اور خدا کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے۔ بے شک خدا سب کچھ جاننے والا (اور) سب سے خبر دار ہے۔

معلوم ہوا کہ عزت و اکرام کا معیار مال دولت نہیں ہے بلکہ خدا کے نزدیک عزت کا معیار تقویٰ ہے۔

تقویٰ کا معنیٰ و مفہوم:

تقویٰ عربی زبان کا لفظ ہے جو کہ ''وقی'' سے مشتق ہے بچاؤ کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے۔

علامہ راغب اصفہانیؒ لکھتے ہیں:

''حفظ النفس عما یؤثم،وذالک بترک المحظور،ویتم ذالک بترک بعض المباحات''[2]

گناہ سے نفس کو بچائے رکھنا اور اس کے لئے ممنوعہ باتوں کو چھوڑا جاتا ہے اور اس کی تکمیل کی غرض سے کچھ جائز امور کو بھی ترک کیا جاتا ہے۔

امام نوویؒ لکھتے ہیں:

''امتثال امرہ ونهيہ،ومعناه:الوقاية من سخطہ وعذابہ سبحانہ وتعالیٰ''[3]

اللہ تعالیٰ کے اوامر اور نہی کی پابندی کرنا، اور تقویٰ کے معنیٰ یہ ہیں کہ انسان ایسے کاموں سے بچا رہے جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور عذاب کا سبب ہوں۔

علامہ جرجانیؒ لکھتے ہیں:

''الاحتراز بطاعۃاللہ تعالیٰ عن عقوبتہ،وھوصیانہ النفس عما تستحق بہ العقوبۃمن فعل اور ترک''[4]

اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور تابعداری کے ذریعے اپنے اپ کو ان کے عذاب سے بچانا اور اس مقصد کی

---

[1] الحجرات:13

[2] اصفہانی، راغب، علامہ، مفردات القرآن فی غریب القرآن، دالمعرفۃ، بیروت، س ن، ص530

[3] النووی، ابوزکریا، تحریر الفاظ التنبیہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، س ن، ص322

[4] الجرجانی، علی بن محمد، کتاب التعریفات، مکتبہ انتشارات ناصر خسرو طہران، ایران، س ن، ص29

خاطر اپنے نفس کو ایسے کام کرنے یا چھوڑنے سے بچائے رکھنا جن کے کرنے یا چھوڑنے سے انسان عذاب کا مستحق ٹھہرے۔

تقویٰ کے اس مفہوم سے واضح ہوتا ہے کہ تقویٰ نام ہے اپنے آپ کو باطنی اور ظاہری طور پر منکرات سے بچا کر اللہ پاک کی تابعداری اور اطاعت میں لگا دینا۔

تقویٰ رزق میں ترقی کا سبب:

تقویٰ انسان کے معاشی معاملات کو مستحکم کرکے رزق میں برکت پیدا کرتا ہے، اللہ رب العزت رزق کے ایسے دروازے انسان کے لیے کھول دیتا ہے کہ جہاں سے انسان کا وہم و گمان بھی نہیں ہوتا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

'' وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًاOوَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ''[1]

اور جو کوئی خدا سے ڈرے گا وہ اس کے لئے (رنج و محن سے) مخلصی (کی صورت) پیدا کرے گا اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں سے (وہم و) گمان بھی نہ ہو۔

"يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا" کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ قرطبیؒ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"ينجيه من كل كرب الدنيا والاخره"[2]

اللہ تعالیٰ اسے دنیا اور اخرت کے ہر غم سے نجات دیں گے۔

تفسیر ابن کثیر میں حضرت عطاءؒ کے حوالے ان آیات کی تفسیر کے تحت مصنفؒ لکھتے ہیں:

"جو شخص احکام الٰہی بجالائے اس کی حرام کردہ چیزوں سے پرہیز کرے اللہ تعالیٰ اس کے لیے مخلصی پیدا کرتا ہے اور ایسی جگہ سے اس طرح رزق پہنچاتا ہے کہ اس کے خواب وخیال میں بھی نہ ہو"[3]

ایک اور مقام پر اللہ رب العزت نے تقویٰ اختیار کرنے والوں کے ہر طرف سے برکات کے دروازے کھولنے کا وعدہ فرمایا ہے:

'' وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَى آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكَاتٍ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَلَكِنْ كَذَّبُوا فَأَخَذْنَاهُمْ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ''[4]

اور اگر بستیوں والے ایمان لے آتے اور بچ کر چلتے تو ہم ضرور ان پر آسمان اور زمین سے بہت سی برکتیں کھول دیتے اور لیکن انھوں نے جھٹلایا تو ہم نے انھیں اس کی وجہ سے پکڑ لیا جو وہ کمایا کرتے تھے۔

آپ ﷺ نے اپنی دعا میں اس طرح مانگا:

---

[1] الطلاق:2-3

[2] القرطبی، ابی عبد اللہ محمد بن احمد، الجامع لاحکام القرآن، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت لبنان، س ن، ج18، ص159

[3] عماد الدین، حافظ، تفسیر ابن کثیر، (مترجم مولانا محمد جونا گڑھی)، ناشر مکتبہ اسلامیہ، لاہور، س ن، ج5، ص355

[4] الاعراف:96

"الھم انی اسئلک الھدیٰ والتقی والعفاف والغنیٰ"[1]

اے میرے اللہ میں آپ سے ہدایت تقویٰ پاکیزگی اور غنا کا طلب گار ہوں۔

یہاں بھی آپ ﷺ نے دعا مانگتے ہوئے تقویٰ کے ساتھ غنا کو طلب کیا۔

2۔ توبہ استغفار:

اسلام نے اپنے معاشی نظام میں وہ اخلاقی و روحانی تصور دیا ہے، کہ جو دوسرے نظامہائے معیشت میں دور تک ان کا کوئی تصور نہیں ملتا، اسلام نے ایسے تصورات کی نشاندہی کی ہے کہ روحانیت سے عاری لوگ اسے سمجھنے سے بھی قاصر ہیں، جو لوگ اسلام کے اس روحانی تصور سے آشنا ہیں وہ بغیر تامل کے ان پر ایمان لاتے ہیں اور اس کی چاشنی سے مستفید ہوتے ہیں۔ ان میں سے توبہ استغفار ایک ایسا روحانی عمل ہے جس کے بارے قرآن مجید انسانوں کو یہ تصور دیتا ہے کہ توبہ استغفار کی کثرت معیشت میں خوشحالی اور ترقی کا ذریعہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

" فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًاOيُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا Oوَيُمْدِدْكُمْ بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَيَجْعَلْ لَكُمْ جَنَّاتٍ وَيَجْعَلْ لَكُمْ أَنْهَارًاO"[2]

اور کہا کہ اپنے پروردگار سے معافی مانگو کہ وہ بڑا معاف کرنے والا ہے ۔ وہ تم پر آسمان سے لگاتار مینہ برسائے گا۔ اور مال اور بیٹوں سے تمہاری مدد فرمائے گا اور تمہیں باغ عطا کرے گا اور ان میں تمہارے لئے نہریں بہادے گا۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ رب العزت نے توبہ استغفار کو رزق میں وسعت اور اضافے کا سبب ٹھہرایا ہے۔ بخت شد نے علامہ الوسیؒ کے حوالے سے لکھا کہ ربیع بن صبیحؒ نے فرمایا:

"ایک شخص نے حسن بصریؒ سے قحط سالی کی شکایت کی تو آپؒ نے فرمایا کہ استغفار کریں دوسرا شخص آیا اس نے فقر کی شکایت کی تو آپؒ نے اس کو بھی استغفار کی تلقین کی، تیسرے شخص نے نرینہ اولاد کے لیے دعا کی درخواست کی تو آپؒ نے استغفار کرنے کا فرمایا، چوتھے نے باغات خشک ہونے کی شکایت کی تو اس کے لیے بھی استغفار تجویز کی، حاضرین نے کہا کہ آپؒ نے سب کو استغفار کا کیوں کہا؟ آپؒ نے فرمایا کہ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ ان سب مسائل کا حل استغفار میں ہے"[3]

گویا توبہ استغفار گناہوں کی معافی کا سبب ہونے کے ساتھ یہ عمل اللہ رب العزت کو اتنا محبوب ہے کہ اپنے بندے کو صرف معاف ہی نہیں فرماتے بلکہ اس کے رزق، اولاد اور مال ومتاع میں بھی بھرپور اضافہ فرمادیتے ہیں۔

---

[1] الجزری، ابن الاثیر، امجد الدین بن محمد، جامع الاصول فی حدیث الرسول، مکتبۃ الحلوانی، ط اول، س ن، ص340

[2] النوح:10-11-12

[3] بخت شد، اسلامی نظام اقتصاد کی اخلاقیات (شش ماہی)، مجلہ علوم اسلامیہ و دینیہ، شعبہ علومِ اسلامیہ و دینیہ، جامعہ ہری پور، ج1، شمارہ1، جنوری، جون2016ء

3۔عدل:

عدل قرآنی اصطلاح ہے جیسے اللہ رب العزت کا ارشاد پاک ہے:

'' إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ ''[1]

خدا تم کو انصاف اور احسان کرنے کا حکم دیتا ہے۔

اللہ رب العزت کے اسماء الحسنیٰ میں بھی "عدل" آتا ہے جس کا معنی انصاف کرنے والا اور عدل کرنے والا ہے۔اس کے مقابلے میں ایک لفظ "ظلم" آتا ہے جس کا معنیٰ ابن منظور لکھتے ہیں:

"وضع الشی فی غیر موضعہ"[2]

کسی چیز کا اسکے غیر مقام میں رکھنا۔

اسی طرح کسی بھی چیز کو اس کے اصل مقام میں رکھنا عدل کہلائے گا۔اللہ تعالیٰ خود بھی عادل ہیں اور عدل کرنے والے کو پسند فرماتے ہیں۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

''إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ''[3]

بے شک اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

''اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ''[4]

عدل کرو، یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے جو تم کرتے ہو۔

جس طرح اللہ رب العزت خود عادل ہیں اسی طرح انسان کو بھی عدل کا ہی حکم دیا ہے،عدل کا دائرہ کار اتنا ہی وسیع ہے جتنا کہ حقوق کا دائرہ کار وسیع ہے،اسی طرح ظلم کا معنی بھی اتنا ہی وسیع ہے، انسان نے عدل وانصاف کے معنی کو محدود سمجھ لیا ہے کیونکہ ہمارے ذہنوں میں عدل کا معنی بس یہ ہے کہ کسی کے ساتھ زیادتی نہ کرنا حتیٰ کہ اس کے مضمون میں اتنی وسعت پائی جاتی ہے کہ ایمان میں بھی ظلم کو خلط ملط نہ کرنے کا حکم ہے۔جیسے اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

'' الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أُولَئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُمْ مُهْتَدُونَ''[5]

جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو (شرک کے) ظلم سے مخلوط نہیں کیا ان کے لئے امن (اور جمعیت خاطر) ہے اور وہی ہدایت پانے والے ہیں۔

---

[1] النحل:90

[2] ابن منظور،لسان العرب،دارالمعارف، قاہرہ،ص2756

[3] الحجرات:9

[4] المائدہ:8

[5] الانعام:82

اس سے آگے بڑھ کر عدل یہ بھی ہے کہ حق دار کو اس کا حق دیا جائے۔ اللہ رب العزت نے انسان اور اس کائنات کو عدل پر قائم کیا ہے اور یہ ہی عدل ہے جس کی بنیاد پر کائنات کا حسن قائم ہے۔

باقی معاملات کی طرح معاشیات کے باب میں بھی عدل کا حکم دیا گیا ہے، جو کہ اس نظام کی روح ہے، جسے معاشی عدل کا نام دیا گیا ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ معاشی تمام معاملات جیسا کہ پیدائشِ دولت، صرفِ دولت، تبادلہِ دولت اور تقسیمِ دولت ان کو چلانے میں عدل وانصاف کو بنیاد بنایا جائے، تاکہ اس تمام تر معاشی چکر کا توازن برقرار رہے اور معاشرے میں معیشت کو مضبوط بنیادوں پر کھڑا کیا جاسکے جس سے انسان اپنی عزت وعظمت کو برقرار رکھتے ہوئے ضروریات کے حصول کے لیے معاملات کر سکے۔

اسلام میں ایک مسلمان کے ایمان کے لئے معاشی بدحالی، غربت اور افلاس خطرہ ہیں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" کاد الفقر ان یکون کفرا وکاد الحسد ان یغلب القدر"[1]

قریب ہے کہ فقر (اللہ پر اعتراض کرنے کی وجہ سے) کفر بن جائے اور قریب ہے کہ حسد تقدیر پر غالب آجائے۔

رزق کی تلاش کو اسلام اللہ کا فضل قرار دیتا ہے اور انسانوں کو معاشی طور پر خوشحال رکھنے کے لیے اسلام ایک جامع اور عادلانہ معاشی نظام دیتا ہے۔ جس نے مادیت اور روحانیت کے درمیان ایسی ہم آہنگی پیدا کی ہے کہ باقی تمام نظامہائے معیشت ایسا بے مثال نظام پیش کرنے سے قاصر ہیں۔

چنانچہ عدل کا جو حسین امتزاج پیدائش دولت سے تقسیم دولت تک کے تمام مراحل میں اسلام پیش کرتا ہے اس میں وہ اپنی نذیر آپ ہے۔ مثلاً اسلام سرمایہ اور آجر کی تفریق کو تسلیم نہیں کرتا اور نفع ونقصان میں سرمایہ دار کو برابر کا شریک ٹھہراتا ہے، اور سرمایہ دار جزوی یا کلی طور پر آجر بھی ہوگا، اسی طرح تقسیم دولت میں بھی سرمایہ اور آجر میں اسلام کوئی تفریق نہیں کرتا دونوں حاصل ہونے والے نفع میں شریک ہوں گے۔[2]

4۔ احسان:

احسان کا مادہ "ح، س، ن" ہے جس کے معنٰی عمدہ اور خوبصورت کے ہیں۔

القاموس المحیط میں احسان کا معنی " والاحسان :ضد الاساءة،وھومحسن ومحسان والحسنہ ضد السیئۃ"[3]

اور لسان العرب میں احسان کا معنیورجل محسن "[4] سے کیا گیا ہے۔

آسیہ منظور طاہر القادری کے ملفوظات میں امام راغب اصفہانیؒ کے حوالے سے لکھتی ہیں:

---

[1] محمد بن عبد اللہ، المحدث، المشکوۃ المصابیح، کتاب الآداب، رقم الحدیث:5051

[2] عثمانی، محمد تقی، مفتی، اسلام اور جدید معیشت وتجارت، ص55

[3] الفیروزآبادی، محمد بن یعقوب، القاموس المحیط، دارالحدیث، قاہرہ، ط1429ھ، ص363

[4] ابن منظور، لسان العرب، ص878

"کہ اس سے مراد ایسا حسین ہونا ہے جو ہر لحاظ سے پسندیدہ اور عمدہ ہو اور اس کا عمدہ ہونا عقل کے پیمانے پر بھی پورا اترتا ہو قلبی رغبت اور چاہت کے اعتبار سے بھی دل کو بھلا لگتا ہو اور تیسرا یہ کہ حسی طور پر یعنی دیکھنے سننے اور پرکھنے کے اعتبار سے پرکشش ہو"[1]

گویا کہ "احسان" عمل کی اُس اعلیٰ ترین حالت کا نام ہے جس میں ناپسندیدگی اور کراہت کا تصور ہی نہ ہو اور ظاہر و باطن کا حسین مجموعہ ہو۔

جب لفظ "احسان" بولا جاتا ہے تو اس سے مراد دوسروں کے ساتھ نیکی اور بھلائی کرنا، کام کو اچھے طریقے سے انجام دینا، دوسروں کے ساتھ حُسن سلوک سے پیش آنا ہوتا ہے۔

قرآن مجید میں "احسان" کی بیسیوں مثالیں موجود ہیں جن میں انسان کو زندگی کے انفرادی و اجتماعی معاملات میں احسان کی ترغیب دی گئی ہے، جس کا نتیجہ احسان کرنے والے کو دلی مسرت اور راحت کے ذریعے ملتا ہے۔ قرآن پاک میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

" إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ"[2]

خدا تم کو انصاف اور احسان کرنے کا حکم دیتا ہے۔

ایک دوسری جگہ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

" قُلْ يَا عِبَادِ الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا رَبَّكُمْ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ"[3]

کہہ دے اے میرے بندو جو ایمان لائے ہو! اپنے رب سے ڈرو، ان لوگوں کے لیے جنھوں نے اس دنیا میں نیکی کی، بڑی بھلائی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

" لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَلَدَارُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِينَ"[4]

ان لوگوں کے لیے جنھوں نے بھلائی کی اس دنیا میں بڑی بھلائی ہے اور آخرت کا گھر تو کہیں بہتر ہے اور یقیناً وہ ڈرنے والوں کا اچھا گھر ہے۔

صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ ایک دفعہ امت کو تعلیم دینے کے واسطے جبرائیلؑ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

" ما الإحسان؟ قال: ان تعبد الله كانك تراه فإن لم تكن تراه فإنه يراك"[5]

---

[1] آسیہ منظور، احسان (ملفوظات طاہر القادری)، منہاج القرآن پرنٹرز، لاہور، ط اول، 2005ء، ص15
[2] النحل: 90
[3] الزمر: 10
[4] النحل: 30
[5] البخاری، الجامع الصحیح، كِتَاب الْإِيمَانِ، بَابُ سُؤَالِ جِبْرِيلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الإِيمَانِ وَالإِسْلاَمِ وَالإِحْسَانِ وَعِلْمِ السَّاعَةِ، رقم الحدیث: 5

پھر اس نے احسان کے متعلق پوچھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا احسان یہ کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو اگر یہ درجہ نہ حاصل ہو تو پھر یہ تو سمجھو کہ وہ تم کو دیکھ رہا ہے۔

اس لمبی حدیث پاک کے اتنے حصے میں جبرائیلؑ کے جواب میں آپ ﷺ نے احسان کا معنی بتایا ہے جس سے معلوم ہوا کہ احسان ان روحانی کیفیات کا نام ہے جو ایمان اور اسلام لانے کے بعد انسان محسوس کرتا ہے۔

معاشی زندگی میں احسان سے مراد یہ ہے کہ انسان عدل اور تقویٰ کی رعایت رکھتے ہوئے جو کچھ کمائے اس سے اپنی ذاتی ضروریات اور دلی تسکین کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ باقی لوگوں کو بھی اس میں شریک بنایا جائے تاکہ وہ بھی اپنی جملہ ضروریات کو پورا کر سکیں۔

احسان معاشی سرگرمیوں میں یہ تقاضا کرتا ہے کہ آجر مزدور کو اس کی اجرت سے بڑھ کر دے، دوسری طرف احسان مزدور سے بھی یہ تقاضا کرتا ہے کہ وہ اپنے کام میں مکمل دیانت داری کا ثبوت دے جس سے ایک آجر اور مزدور کے تعلقات اچھے ہوں گے، تمام معاشی کام اخلاص نیت کے ساتھ طے ہوتے جائیں گے جس سے پیداوار میں بھی اضافہ ہو گا۔

چنانچہ اللہ رب العزت نے اپنے جن بندوں میں کمانے کی صلاحیتیں رکھی ہیں ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے ساتھ ان کو بھی شریک بنالیں جو کمانے سے قاصر ہیں۔ اس لیے انسان کو جو بھی حاصل ہوتا ہے وہ اللہ رب العزت کی عطاء ہی ہے۔[1]

احسان واجبات کی ادائیگی کا نام نہیں ہے بلکہ احسان اس چیز کا نام ہے کہ فرائض کی ادائیگی کے بعد معاشرے میں ضرورت مند کی ضرورت کو پورا کیا جائے۔

5۔ معاونت یا باہمی امداد:

امداد عربی زبان کا لفظ ہے، جس کا معنیٰ سہارا، حمایت، اعانت وغیرہ کے ہیں اور باہمی امداد سے مراد ایک دوسرے کی مدد کرنا، جیسا کہ فرہنگ تلفظ میں اسکا معنی بیان کیا گیا ہے:

"امداد سے مراد ہاتھ بٹانا، اعانت کرنا، وظیفہ، عطیہ اور بخشش ہے اور امداد باہمی سے مراد مشترکہ مفاد کے لیے آپس کی تنظیم باہمی اشتراک سے سماجی یا معاشی فلاح کا کام سرانجام دینا"[2]

امداد کا عربی میں ترجمہ التعاون ہے ابن منظور اس کا معنی لکھتے ہیں:

"وتعاونواعلی واعتونوا ای اعان بعضہم بعضاً"[3]

یعنی تعاون کا مطلب افراد کا ایک دوسرے مدد کرنا ہے۔

معاشیات کے مضمون میں معاونت اور امداد کا مطلب یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے اپنی حکمت کاملہ کے ذریعے اس دنیا کے نظام کو تشکیل ہی اس طرح سے دیا ہے کہ ہر فرد دوسرے پر انحصار کرتا ہے اگر کوئی سرمایہ دار ہے تو اسے اپنے سرمائے

---

[1] جالبی، جمیل، ڈاکٹر، قومی اردو انگلش ڈکشنری، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، 1994ء، ص56

[2] حقی، شان الحق، فرہنگ تلفظ، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، 2008ء، ص83

[3] ابن منظور، لسان العرب، ص3179

کو کاروبار میں لگانے کے لیے آجر یا مزدور کی ضرورت ہے۔ اور اگر کوئی غیر سرمایہ دار ہے تو اسے اپنے زندگی کے نظام کو چلانے اور ضروریات کو پورا کرنے کے لیے سرمایہ دار کے لیے محنت کرنا پڑتی ہے تاکہ کچھ کما سکے۔ الغرض ہر ایک کو دوسرے کے تعاون کی ضرورت ہے۔ اگر اس نظام کو چلانے میں اللہ رب العزت کی یہ حکمت کارگر نہ ہوتی تو کوئی کسی کے لیے کام نہ کرتا۔ اس کے علاہ اسلام معاشرے کو پر امن بنانے کے لیے تعاون کا درس دیتا ہے، کیونکہ یہ ہی عمل معاشرے میں محبت، الفت اور احساس کا سبب بنتا ہے۔ جس سے معاشی بنیادیں تو مستحکم ہوتی ہی ہیں اس کے ساتھ ساتھ انسان روحانی ترقی بھی کرتا ہے۔ قرآن پاک اسی جذبے کو اس طرح بیان کرتا ہے:

''وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ أَنْ صَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَنْ تَعْتَدُوا وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَلَا تَعَاوَنُواعَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ''[1]

اور کسی قوم کی دشمنی اس لیے کہ انھوں نے تمھیں مسجد حرام سے روکا، تمھیں اس بات کا مجرم نہ بنا دے کہ حد سے بڑھ جاؤ، اور نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ بہت سخت سزا دینے والا ہے۔

دین اسلام نے انسان کو نیکی اور تقوی میں تعاون کی تلقین کی ہے، گناہ اور برائی میں تعاون سے منع فرمایا ہے۔ جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اسلام نے انسان کو تعاون کا ایک ایسا کلیہ اور قانون دیا ہے کہ جس میں انسان کی معاشرتی، اخلاقی اور مذہبی زندگی کی بقا تو ہے ہی اس کے ساتھ جب ایسی فضاء پیدا ہو جائے گی تو معاشرہ معاشی طور پر خود بخود مستحکم ہو جائے گا، کیونکہ جب معاشرے میں یہ خاصیت پیدا ہو جاتی ہے تو لوگوں کو مالی طور پر بھی ایک دوسرے کا تعاون کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

چنانچہ آپ ﷺ کی تعلیمات میں بھی جو دوسرے لوگوں کو نفع پہنچاتے ہیں ان کو سب سے بہترین ہونے کا خطاب دیا گیا ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"خیرالناس انفعهم للناس"[2]

بہترین انسان وہ ہے جو عام لوگوں کے لیے زیادہ نفع بخش ہو۔

اس حدیث مبارکہ میں منفعت کا لفظ عام ہے جو انسان کی زندگی کے ہر شعبہ کو گھیرے ہوئے ہے، اور انسان کا ہر شعبہ ہائے زندگی سے منسلک ہونا تقاضا بھی اسی ہی بات کا کرتا ہے کہ زندگی کے ہر شعبے میں ایک دوسرے کا تعاون کیا جائے، اس کے علاوہ معاشی زندگی میں جو لوگ درجات یا کسی خارجی امر کی وجہ سے پیچھے رہ جائیں اسلام ان کے ساتھ تعاون کا درس دیتا ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"من نفس عن مؤمن كربة من كرب الدنيانفس الله عنه كربة من كرب يوم القيامتومن سترمسلماًستره الله فى الدنياوالآخره الله فى عون العبدماكان العبدفى عون اخيه"[3]

---

[1] المائدہ:2

[2] ابولقاسم، سلیمان بن محمد احمد بن ایوب، المعجم الاوسط الطبرانی، مکتبہ المعارف الریاض، ط1988ء، رقم الحدیث:5787، ج6، ص58

[3] ایضاً: ج6، ص12

جو شخص دنیامیں کسی مؤمن کی تکلیف میں سے ایک تکلیف کو دور کرتا ہے، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی تکلیف کو دور کرے گا، جو شخص کسی مسلمان کی ستر پوشی کرے گا، اللہ دنیاوآخرت میں اس کی ستر پوشی کرے گا اس وقت تک اللہ رب العزت اپنی مخلوق کی مدد کرتا رہتا ہے جب تک وہ اپنے بھائی کی مدد کرتا رہتا ہے۔

اسلام میں معاونت کی صورتیں:

اسلام معاشرے میں ایک دوسرے سے تعاون کی مختلف صورتیں پیش کرتا ہے۔ جو کہ درج ذیل ہیں۔

1۔ صدقات واجبہ کے ذریعے تعاون، 2۔ صدقات نافلہ کے ذریعے تعاون۔

ان کی تفصیل سے پہلے صدقہ کا مفہوم جاننا ضروری ہے۔

صدقہ کا مفہوم:

صدقہ "صدق" سے ماخوذ ہے جس کے معنیٰ سچائی کے ہیں۔ مفردات میں ہے۔

"الصدق" متضاد ہے "الکذب" کا، جس کا مفہوم ہے دل وزبان کا ایک ہونا اور بات کا نفس واقعہ کے مطابق ہونا"[1]

انسان جب صدقِ دل اور اپنی خوشی سے اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو اس کا یہ عمل اتنا پسند ہے کہ اسے اپنے مخلص اور سچے بندوں میں شامل فرمالیتے ہیں۔ بندے کے اس عمل کا "صدقہ" کہلانے کی یہ ہی وجہ ہے۔ لسان القرآن میں اس کا مفہوم ان الفاظ میں ہے:

"صدقہ خیرات کرنے کو کہتے ہیں یعنی وہ مال جو رضائے الٰہی کی خاطر غریب لوگوں کو دیا جاتا ہے"[2]

گویا صدقہ مسلمان کے ہر اس عمل کو کہا جاتا ہے جو وہ ایمان کی حالت میں خدا اور رسول کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے کرے۔

1۔ صدقات واجبہ کے ذریعے تعاون:

صدقات واجبہ وہ صدقات ہیں جن کو شریعت اسلامیہ نے انسان پر فرض کیا ہو۔ جیسا کہ زکوٰۃ، عشر، صدقہ فطر، قربانی اور کفارات وغیرہ۔

معاونت بصورت زکوٰۃ:

اسلام کے بنیادی ارکان میں سے زکوٰۃ ایک اہم ترین رُکن ہے، جس کے معنی پاکیزگی کے ہیں، مصباح اللغات میں اس کا یہ ہی

---

[1] الاصفہانی، الراغب، علامہ، مفردات الفاظ القرآن، ص574

[2] ابن منظور، لسان العرب، ناشر داراحیا التراث العربی، بیروت، ط اولیٰ، 1416ھ، ج10، ص196

پاکیزگی والا معنیٰ کیا گیا ہے۔[1]

اصطلاح میں زکوٰۃ کا معنیٰ وہ مالی عبادت ہے جو ایک مسلمان صاحبِ نصاب پر اس کے مال میں شرعی مستحقین کے لیے مقررہ مقدار کے مطابق ادا کرنا واجب ہے۔

اسلام کا معاشی نظام زکوٰۃ کے علاوہ ادھورا ہے۔ اللہ رب العزت نے نماز کے ذکر کے ساتھ بار بار زکوٰۃ کی ادائیگی کا بھی حکم دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''وَجَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَإِقَامَ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءَ الزَّكَاةِ وَكَانُوا لَنَا عَابِدِينَ''[2]

اور ان کو پیشوا بنایا کہ ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے اور ان کو نیک کام کرنے اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کا حکم بھیجا۔ اور وہ ہماری عبادت کیا کرتے تھے۔

اسی طرح بیسیوں آیات ہیں جن میں زکوٰۃ کا حکم دیا گیا ہے نماز جیسی اہم عبادت کے بعد انسان کو معاشی تحفظ دینے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ''انفاق'' پر اس قدر زور دیا ہے کہ مختلف تدابیر کے ذریعے اس کے نفاذ کو یقینی بنایا گیا ہے۔ اور اسلامی ریاست پر یہ ذمہ داری عائد کر دی ہے کہ وہ اس مقدس کام پر عمل درآمد کروائے۔ قرآن پاک میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

''وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَعْلُومٌ ○لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ''[3]

اور وہ جن کے مالوں میں ایک مقرر حصہ ہے۔ سوال کرنے والے کے لیے اور (اس کے لیے) جسے نہیں دیا جاتا۔

معاونت بصورت عشر:

عشر عربی زبان کا لفظ ہے بمعنیٰ دسواں حصہ، مراد اس سے یہ ہے کہ زمین کی پیداوار میں سے شرعی اصولوں کے مطابق مستحقین کا حصہ نکالنا۔

قرآن پاک میں عشر کی فرضیت کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ''[4]

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! ان پاکیزہ چیزوں میں سے خرچ کرو جو تم نے کمائی ہیں اور ان میں سے بھی جو ہم نے تمھارے لیے زمین سے نکالی ہیں۔

حدیث مبارکہ میں آپ ﷺ نے عشر کی اہمیت اور فرضیت کے بارے میں یوں ارشاد فرمایا ہے:

---

[1] عبد الفضل، عبد الحفیظ، مصباح اللغات، قدیمی کتب خانہ، کراچی، ص342

[2] الانبیاء:73

[3] المعارج:23-24

[4] البقرۃ:267

"عن العلاء بن الحضرمي،قال:"بعثني رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى البحرين، اوإلى هجر، فكنت آتي الحائط يكون بين الإخوة يسلم احدهم، فآخذ من المسلم العشر، ومن المشرك الخراج"[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بحرین ہجر بھیجا، میں ایک باغ میں جاتا جو کئی بھائیوں میں مشترک ہوتا، اوران میں سے ایک مسلمان ہو چکا ہوتا، تو میں مسلمان سے عشر (دسواں) حصہ لیتا، (اور کافر سے خراج) محصول لیتا۔

معاونت بصورت صدقہ فطر:

صدقہ فطر کو اللہ رب العزت نے انسان پر ایک ایسی عبادت کے طور پر فرض کیا ہے کہ جس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ یہ عید الفطر کے موقع پر ہر مسلمان خواہ وہ مرد ہو یا عورت، چھوٹا ہو یا بڑا، غلام ہو یا آزاد جس کے پاس بھی عید کی صبح نصاب کے برابر مال ہے اس پر فرض ہے، جو اسے عید کی نماز سے پہلے پہلے ادا کرے گا۔ ہمارے عرف میں یہ فطرانہ یا فطرہ کے نام سے معروف ہے۔

آپ ﷺ نے صدقہ فطر کی فرضیت اور مقدار کے بارے میں ارشاد فرمایا:

"فرض رسول الله صلى الله عليه وسلم زكاة الفطر صاعا من تمر او صاعا من شعير على العبد , والحر، والذكر , والانثى , والصغير , والكبير من المسلمين، وامر بها ان تؤدى قبل خروج الناس إلى الصلاة"[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فطر کی زکوۃ (صدقہ فطر) ایک صاع کھجور یا ایک صاع جَو فرض قرار دی تھی۔ غلام، آزاد، مرد، عورت، چھوٹے اور بڑے تمام مسلمانوں پر۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم یہ تھا کہ نماز (عید) کے لیے جانے سے پہلے یہ صدقہ ادا کر دیا جائے۔

ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

"عن ابی سعيد الخذری رضی الله عنه يقول:كنا نخرج زكاة الفطرصاعامن طعام اوصاعامن شعيراوصاعامن تمراوصاعامن اقط اوصاعامن زبيب"[3]

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم صدقہ فطر کا ایک صاع کھانا نکالا کرتے یا ایک صاع جَو یا ایک صاع کھجوریں یا ایک صاع پنیر یا ایک صاع کشمش میں سے۔

معاونت بصورت قربانی:

مالی عبادات میں سے قربانی ایک عظیم عبادت ہے جس میں تعاونِ باہمی کا عنصر شامل حال ہے۔ قربانی 10 ذالحجہ کو حضرت ابراہیمؑ کی سنت ہے جسے اس اُمت میں باقی رکھا گیا ہے، صاحب استطاعت افراد پر یہ قربانی دینا لازم قرار دیا گیا ہے۔

---

[1] قزوینی، ابن ماجہ ابو عبد اللہ محمد بن یزید، السنن، كتاب الزكاة، بَابُ الْعُشْرِ وَالْخَرَاجِ، رقم الحدیث:1831، الرسالۃ العالمیۃ، بیروت، ط2009ء، ج3، ص42

[2] البخاری، الجامع الصحیح، أبواب صدقة الفطر، باب فرض صدقة الفطر، رقم الحدیث: 1503

[3] ایضاً: رقم الحدیث:1506

قرآن پاک میں اللہ رب العزت نے قربانی کرنے کا حکم دیا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

" فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ "[1]

پس تو اپنے رب کے لیے نماز پڑھ اور قربانی کر۔

آپ ﷺ نے قربانی نہ دینے والے کے لیے ارشاد فرمایا:

" من كان له سعة ولم يضح، فلا يقربن مصلانا "[2]

جس شخص کو (قربانی کی) وسعت ہو اور وہ قربانی نہ کرے، تو وہ ہماری عید گاہ کے قریب نہ پھٹکے۔

معاونت بصورت کفارات:

ان صدقات کے علاوہ اسلام نے انسان کے گناہوں کی تلافی کے لیے کفارات مقرر کئے ہیں۔ جس سے غربا اور فقراء معاشی طور مستفید ہوتے ہیں۔ کفارات کی مختلف اقسام ہیں جو کہ درج ذیل ہیں:

کفارہ یمین، کفارہ ظہار، کفارہ قتل، کفارہ صوم، حج و عمرہ میں محرمات انجام دینے کا کفارہ۔ ان تمام کفارات کو اسلام نے فرض قرار دیا ہے۔

2۔ صدقات نافلہ کے ذریعے تعاون:

صدقات نافلہ وہ صدقات ہیں جو کوئی بھی مسلمان واجبی صدقات کے علاہ اللہ رب العزت کی رضا کو حاصل کرنے کے لیے محتاجوں، مسکینوں، اور تمام ضرورت مندوں میں تقسیم کرتا ہے، معاشی توازن برقرار رکھنے کے لیے اسلام نے ایسے صدقات کی تلقین کی ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

" وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ "[3]

اور یہ بھی تم سے پوچھتے ہیں کہ (خدا کی راہ میں) کون سا مال خرچ کریں۔ کہہ دو کہ جو ضرورت سے زیادہ ہو۔

اس کی تفسیر آپ ﷺ کے اس فرمان مبارک سے ہوتی ہے"

" افضل الصدقة ما ترك غنى، واليد العليا خير من اليد السفلى، وابدا بمن تعول "[4]

سب سے بہترین صدقہ وہ ہے جسے دے کر دینے والا مالدار ہی رہے اور ہر حال میں اوپر کا ہاتھ (دینے والے کا) نیچے کے (لینے والے کے) ہاتھ سے بہتر ہے۔

اللہ رب العزت نے غیر واجبی صدقات کو اپنے لیے قرض حسنہ کی اصطلاح سے تعبیر فرمایا ہے۔

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

[1] الکوثر:2

[2] قزوینی، ابن ماجہ ابو عبداللہ محمد بن یزید، السنن، كِتَابُ الْأَضَاحِي، بَابُ : الأَضَاحِيُّ وَاجِبَةٌ هِيَ أَمْ لاَ ، رقم الحدیث:3123

[3] البقرہ:219

[4] البخاری، الجامع الصحیح، كِتَاب النَّفَقَاتِ، بَابُ وُجُوبِ النَّفَقَةِ عَلَى الأَهْلِ وَالْعِيَالِ، رقم الحدیث:5355

"مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضَاعِفَهُ لَهُ أَضْعَافًا كَثِيرَةً وَاللَّهُ يَقْبِضُ وَيَبْسُطُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ"[1]

کون ہے وہ جو اللہ کو قرض دے، اچھا قرض، پس وہ اسے اس کے لیے بہت زیادہ گنا بڑھادے اور اللہ بند کرتا اور کھولتا ہے اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

یہ سب کے سب صدقات چاہے واجبی ہوں یا کہ نفلی ہوں اللہ رب العزت کی رضا و خوشنودی اور رحمت کے حصول کے ساتھ ساتھ معاشرے کو معاشی طور پر بھی مستحکم کرتے ہیں، مال اللہ تعالی کی راہ میں لگانے سے انسان کو ظاہری طور پر تو یہ لگتا ہے کہ مال کم ہو رہا ہے لیکن اسلام کی روحانیت یہ بتاتی ہے کہ وہ مال کم نہیں بلکہ دوسروں کے لیے صرف کرنا مال میں اضافے کا سبب ہے۔ جیسا کہ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

"مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِائَةُ حَبَّةٍ وَاللَّهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ"[2]

جو لوگ اپنا مال خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان (کے مال) کی مثال اس دانے کی سی ہے جس سے سات بالیں اگیں اور ہر ایک بال میں سو سو دانے ہوں اور خدا جس (کے مال) کو چاہتا ہے زیادہ کرتا ہے۔ وہ بڑی کشائش والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔

اسلام کے اس روحانی نظام میں جہاں صدقات سے انفرادی فوائد حاصل ہوتے ہیں وہاں کئی اجتماعی معاشی معاشرتی فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں۔ مثلاً دولت ایک جگہ جمع ہو کر کنز کی صورت اختیار نہیں کرتی، اور اسلام بھی اسی بات کی ہی تعلم دیتا ہے کہ معاشرے میں جن افراد کے پاس دولت زیادہ جمع ہو گئی ہو تو وہ اس میں محروم المعیشت لوگوں کو بھی شامل کریں تا کہ دولت ایک جگہ جمع نہ ہو جائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

" كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ"[3]

تا کہ جو لوگ تم میں دولت مند ہیں ان ہی کے ہاتھوں میں نہ پھر تا رہے۔

دولت کی تقسیم کے معاملے میں جدید معاشی نظاموں میں امیر اپنی دولت کے بل بوتے امیر تر ہو تا جاتا ہے اور غریب، غریب سے غریب تر ہو تا جاتا ہے۔ جس سے معاشرہ معاشی بدحالی کا شکار ہو جاتا ہے۔ اسلام نے صدقات، زکوٰۃ کا ایسا احسن نظام دیا ہے جس سے دولت امراء کے ہاتھوں سے غرباء کی طرف بھی منتقل ہوتی ہے۔ جیسا کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"فاعلمهم ان الله افترض عليهم صدقة في اموالهم تؤخذ من اغنيائهم وترد على فقرائهم"[4]

اگر وہ لوگ یہ بات بھی مان لیں تو پھر انہیں بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے مال پر کچھ صدقہ فرض کیا ہے جو ان کے مالدار لوگوں سے لے کر انہیں کے محتاجوں میں لوٹا دیا جائے گا۔

---

[1] البقرۃ:245

[2] البقرہ:261

[3] الحشر:7

[4] البخاری، الجامع الصحیح، كِتَاب الزَّكَاة، بَابُ وُجُوبِ الزَّكَاةِ، رقم الحدیث:1395

6۔ صدق وامانت اسلامی اقتصادیات کا بنیادی عنصر:

اسلامی نظامِ اقتصاد کا بغور مطالعہ کرنے سے ایک اہم روحانی قدر جو کہ زندگی کے ہر شعبہ میں اہمیت کی حامل ہے وہ صدق وامانت داری کا اہتمام کرنا ہے، یہ دو چیزیں ایسی ہیں جو کوئی قوم یا معاشرہ اپنا لے تو وہ معاشی طور پر ترقی کی رہ پر گامزن ہو جاتا ہے، بالآخر کامیابی وکامرانی ان کا مقدر بن جاتی ہے اور دنیا میں وہ مثل آفتاب کے اُبھرتے ہیں کہ دنیا ان کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہو جاتی ہے، اور دنیا کو اپنی پیروی کرنے پر مجبور کر دیتے ہیں، اسی طرح ان کے متضاد دو چیزیں جو معاشی بنیادوں کو کھوکھلا کر کے رکھ دیتی ہیں وہ جھوٹ اور خیانت ہے، اسلام اپنے ماننے والوں کو صدق وامانت کی پر زور تاکید کرتا ہے۔ جیسا کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" التاجر صدوق الامین مع النبیین والصدیقین والشہداء"[1]

سچا امانت دار تاجر قیامت کے دن انبیاء کرام علیہم السلام، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہو گا۔

ایک دوسری حدیث پاک میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"ان التجار یحشرون یوم القامتہ فجاراًالامن اتقی وصدق وبر"[2]

تاجروں کا حشر قیامت والے دن فاجروں کے ساتھ کیا جائے گا مگر جس نے تقویٰ اختیار کیا اور سچ بولا اور نیکی کی۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"ثلاثة لا يكلمهم الله ولا ينظر إليهم يوم القيامة، ولا يزكيهم، ولهم عذاب اليم، قلت: من هم يا رسول الله قدخابوا وخسروا؟ فاعادها ثلاثا، قلت: من هم يا رسول الله خابوا وخسروا؟ فقال: المسبل، والمنان، والمنفق سلعته بالحلف الكاذب او الفاجر"[3]

تین شخص ایسے ہیں جن سے اللہ قیامت کے دن نہ بات کرے گا، نہ انہیں رحمت کی نظر سے دیکھے گا، اور نہ ان کو پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہو گا، میں نے پوچھا: وہ کون لوگ ہیں؟ اللہ کے رسول! جو نامراد ہوئے اور گھاٹے اور خسارے میں رہے، پھر آپ نے یہی بات تین بار دہرائی، میں نے عرض کیا: وہ کون لوگ ہیں؟ اللہ کے رسول! جو نامراد ہوئے اور گھاٹے اور خسارے میں رہے، آپ ﷺ نے فرمایاٹخنہ سے نیچے تہ بند لٹکانے والا، اور احسان جتانے والا، اور جھوٹی قسم کھا کر اپنا سامان بیچنے والا۔

ایک اور مقام پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"فإن صدقا وبينا، بورك لهما في بيعهما، وإن كتما وكذبا، محقت بركة بيعهما"[4]

پس اگر دونوں نے سچائی سے کام لیا اور ہر بات صاف صاف کھول دی تو ان کی خرید و فروخت میں

---

[1] الترمذی، محمد بن عیسیٰ، سنن الترمذی، دار احیاء التراث العربی، بیروت، س ن، ج3، ص515

[2] الطحاوی، ابو جعفر احمد بن محمد، شرح مشکل الآثار، ناشر، مؤسسۃ الرسالۃ، ط اولیٰ، 1415ھ، ج5، ص331

[3] السجستانی، ابو داود سلمان بن اشعث، سنن ابی داؤد، ناشر دار الکتاب العربی، بیروت، س ن، ج4، ص100

[4] البخاری، الجامع الصحیح، كِتَاب الْبُيُوعِ، بَابُ إِذَا بَيَّنَ الْبَيِّعَانِ وَلَمْ يَكْتُمَا وَنَصَحَا، رقم الحدیث: 2079

برکت ہوتی ہے لیکن اگر کوئی بات چھپا رکھی یا جھوٹ کہی تو ان کی برکت ختم کر دی جاتی ہے۔

ان نصوص سے یہ بات کھل کر سامنے آگئی کے دنیاو آخرت میں خوشحالی اور کامیابی کا راز معاملات میں صدق وامانت میں ہی ہے اس کے علاوہ جھوٹ اور دھوکہ فراڈ اخلاقیات پر اثر انداز ہونے ساتھ ساتھ معاشی اور معاشرتی تباہ کاریوں کا بھی سبب بنے ہیں۔ آج کل ہمارے ہاں یہ رواج چل چکاہے کہ جو تاجر زیادہ چرب لسان جھوٹا اور خیانت کرنے والا ہوگا اتنا ہی اسے ماہر سمجھا جائے گا۔ یہ صرف اسلامی نظام کی روحانیت کا ادراک نہ ہونے کا نتیجہ ہے۔

7۔ انسانی شخصیت میں نرمی

اسلام انسان کو نرمی کا درس دیتا ہے سخت لہجے سخت رویے سے انسان کو منع فرماتا ہے، اسلامی اقتصادی نظام کی روحانی قدر کے طور پر یہ پہلو بھی بہت ہی اہمیت کا حامل ہے کہ انسان لیں دین اور باقی معاملات میں نرم رویہ رکھے کیونکہ نرم رویہ حُسن اخلاق میں سے ہے، جس کا انسانی زندگی پر گہرا اثر مرتب ہوتا ہے، جو معاشرے سے لڑائی جھگڑوں اور اختلافات کو ختم کرتا ہے، معیشت میں اگر کسی سرمایہ دار آجر یا مزدور میں یہ وصف پایا جاتا ہے تو وہ دوسرے کی بانسبت زیادہ ترقی کرے گا جو اپنے لہجے میں سختی رکھتا ہے۔ آپ ﷺ نے امت کو نرمی کا درس دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"ان اللہ تبارک وتعالیٰ رفیق یحب الرفق ویرضی بہ ویعین علیہ مالایعین علی العنف"[1]

بے شک اللہ تعالیٰ نرمی کرنے والے ہیں اور نرمی کرنے والے کو پسند کرتے ہیں اور اس پر راضی ہوتے ہیں اور نرمی کی وجہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ مدد آتی ہے جو سختی کی وجہ سے نہیں آتی۔

حدیث پاک میں بھی آپ ﷺ نے نرمی کرنے والے کو اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ بندہ قرار دیا ہے، اور یہ وہ قدر ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت وبرکت کا سبب بنتی ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے معاملات میں نرمی کرنے والے کے لیے رحم کی بشارت دی ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"رحم اللہ رجلا سمحا اذاباع واذا اشتریٰ واذااقتضیٰ"[2]

اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرماتے ہیں جو بیچتے اور خریدتے وقت اور اپنا حق وصول کرتے وقت نرم ہو۔

مارکیٹ، بازاروں اور منڈیوں میں بھیڑ کی وجہ سے خریدنے والا اور بیچنے والا دونوں کا عالم یہ ہوتا ہے کہ اگر گاہک نے یا تاجر نے زرہ سی بھی خلاف طبیعت کوئی بات کہہ دی تو معاملہ اتنا بڑھ جاتا ہے کہ لوگ مرنے مارنے پر اتراتے ہیں جس سے معاشی طور پر بہت سارے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے اگر اسلام کے دئے ہوئے اس اصول کو اپنالیا جائے تو تمام فسادات سے بچا جاسکتا ہے۔

---

[1] مالک بن انس، مؤطامالک، ناشر مؤسسۃ زید بن سلطان آل نہیان، ط اولیٰ، 1425ھ، ج5، ص1426

[2] البخاری، الجامع الصحیح، كِتَاب الْبُيُوعِ، بَابُ السُّهُولَةِ وَالسَّمَاحَةِ فِي الشِّرَاءِ وَالْبَيْعِ، وَمَنْ طَلَبَ حَقًّا فَلْيَطْلُبْهُ فِي عَفَافٍ، رقم الحدیث:2076

8۔ اخوت

اخوت کا لفظ "اخ" سے ماخوذ ہے جس کی اصل "اخو" اس کے معنیٰ بھائی کے ہیں اور اخوت کا معنیٰ بھائی چارہ، برادرانہ مواخات ہے۔

قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ "[1]

مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

ڈاکٹر نعیم صدیقی اخوت کا اصلاحی مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اصطلاح میں اخوت سے مُراد اسلامی برادری ہے جو الفت اور محبت کے رشتوں میں بندھی ہوئی ہے، اس برادری میں شامل ہر فرد ایک دوسرے کو سگے بھائی سے بڑھ کر محبوب رکھتا ہے"[2]

اسلام ہی وہ دین ہے جس میں اخوت وبھائی چارے کا تصور موجود ہے۔ اسلام کی روحانیت سے پہلے انسانیت قبیلوں میں بٹی ہوئی تھی، بھائی چارے کا کوئی نام ونشان ہی نہیں تھا ایک دوسرے کی دشمنی جنگ وجدل ہر طرف چھائی ہوئی تھی، انسان ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے۔ اسلام نے آکر انسان کی راہنمائی کی ہے کہ تمہاری اصل یہ نہیں جس پر تم جی رہے تھے تمہاری اصل تو یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے تمہیں ایک جان پیدا فرمایا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

" يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ "[3]

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمھیں ایک جان سے پیدا کیا۔

محبت ومودت کا آفاقی اصول دیتے ہوئے اسلام نے انسان کا دھیان اس کی اصل کی طرف دلایا ہے کہ تم تو ایک ہی باپ کی اولاد ہو لہٰذا ایک دوسرے سے محبت الفت اور اخوت کے ساتھ زندگی بسر کرو۔

اللہ رب العزت نے مواخات کو اپنا انعام قرار دیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

" وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا "[4]

یاد کرو، جب تم دشمن تھے تو اس نے تمھارے دلوں کے درمیان الفت ڈال دی تو تم اس کی نعمت سے بھائی بھائی بن گئے۔

معاشیات میں اخوت سے مراد یہ ہے کہ اگر معاشرے میں یہ فضاء قائم ہو جاتی ہے تو خود بخود معاشرے میں ایک دوسرے کی فکر پیدا ہو گی کہ میں تو آج کھا کر سو رہا ہوں اور میرے ساتھ والے بھائی کے گھر کھانا نہیں ہے، اس کو کھانا کھلانا بھی میرا حق

---

[1] الحجرات:10

[2] صدیقی، محمد نعیم، ڈاکٹر، اسلام اور جدید معاشی تصورات، ص193

[3] النساء:1

[4] ال عمران:103

ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

'' المسلم اخو المسلم لا يظلمه ولا يسلمه، ومن كان في حاجة اخيه كان الله في حاجته، ومن فرج عن مسلم كربة فرج الله عنه كربة من كربات يوم القيامة، ومن ستر مسلما ستره الله يوم القيامة''[1]

ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، پس اس پر ظلم نہ کرے اور نہ ظلم ہونے دے۔ جو شخص اپنے بھائی کی ضرورت پوری کرے، اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت پوری کرے گا۔ جو شخص کسی مسلمان کی ایک مصیبت کو دور کرے، اللہ تعالیٰ اس کی قیامت کی مصیبتوں میں سے ایک بڑی مصیبت کو دور فرمائے گا، اور جو شخص کسی مسلمان کے عیب کو چھپائے اللہ تعالیٰ قیامت میں اس کے عیب چھپائے گا۔

گویا کہ اسلام نے آکر درس دیا کہ جو زندگی تم جی رہے ہو اس کے علاوہ بھی ایک محبت والفت بھری زندگی ہے۔ پھر دنیا نے دیکھا کہ وہ قبائل پر لڑنے والے اور سالہا سال سے دشمنیوں میں پلنے والے خود محبت کا درس دیتے نظر آتے ہیں۔ اخوت کا یہ مظہر ہجرت مدینہ کے وقت انصار نے اپنے مہاجر بھائیوں کو اپنی جائیداد میں اپنے مکانوں میں حتّٰی کہ جس کی دو بیویاں تھیں انہوں نے اپنی ایک بیوی کو طلاق دے کر دوسرے مہاجر بھائی کے نکاح میں دے دیا۔ یہ وہ جذبہِ اخوت تھا جس کی مثال اسلام کے علاوہ ساری دنیا دینے سے قاصر ہیں۔[2]

9۔ حلال وحرام کی تمیز

اسلام کا اقتصادی اور روحانی نظام حلال وحرام کی تمیز کے بغیر ادھورا ہے یہ اسی نظام کی خصوصیت ہے کہ اس میں حلال وحرام کی تمیز کو اہمیت حاصل ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

'' الحلال بين , والحرام بين ''[3]

حلال واضح ہے، اور حرام بھی۔

معلوم ہوا کہ اسلام نے حرام اور حلال کو مکمل اور واضح طور پر بیان کر دینے کے بعد حرام اور ناجائز طریقوں کا دروازہ بند کر دیا ہے، سود، چوری، جوا، سٹہ اور ان کے علاوہ مسائل جن کو اسلام نے حرام قرار دیا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

''يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ ''[4]

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے مال آپس میں باطل طریقے سے نہ کھاؤ، مگر یہ کہ تمھاری آپس کی رضامندی سے تجارت کی کوئی صورت ہو۔

---

[1] البخاری، الجامع الصحیح، كِتَاب الْمَظَالِمِ، بَابُ لاَ يَظْلِمُ الْمُسْلِمُ الْمُسْلِمَ وَلاَ يُسْلِمُهُ، رقم الحدیث:2442

[2] عباسی، محمد حسیب، اسلام اور جدید افکار، ص77

[3] قزوینی، ابن ماجہ ابوعبداللہ محمد بن یزید، السنن، کتاب الفتن، بَابُ : الْوُقُوفِ عِنْدَ الشُّبُهَاتِ، رقم الحدیث:3984

[4] النساء:29

یہ آیت مبارکہ اسلامی نظام معیشت میں مرکزی اصول کی حیثیت رکھتی ہے۔ جس میں اللہ رب العزت نے کمائی کے تمام حرام اور ناجائز طریقوں کی ممانعت فرمادی ہے، جس میں سود، جوا، چوری سٹہ وغیرہ سب شامل ہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''عن ابن مسعود،عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: '' لا تزول قدما ابن آدم يوم القيامة من عند ربه حتى يسال عن خمس: عن عمره فيم افناه، وعن شبابه فيم ابلاه، وماله من اين اكتسبه، وفيم انفقه، وماذا عمل فيما علم '' , قال ابو عيسى: هذا حديث غريب لا نعرفه من حديث ابن مسعود، عن النبي صلى الله عليه وسلم إلا من حديث الحسين بن قيس، وحسين بن قيس يضعف في الحديث من قبل حفظه، وفي الباب عن ابي برزة , وابي سعيد''[1]

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آدمی کا پاؤں قیامت کے دن اس کے رب کے پاس سے نہیں ہٹے گا یہاں تک کہ اس سے پانچ چیزوں کے بارے پوچھ لیاجائے: اس کی عمر کے بارے میں کہ اسے کہاں صرف کیا، اس کی جوانی کے بارے میں کہ اسے کہاں کھپایا، اس کے مال کے بارے میں کہ اسے کہاں سے کمایا اور کس چیز میں خرچ کیا اور اس کے علم کے سلسلے میں کہ اس پر کہاں تک عمل کیا۔

اسلام کے ایسے اٹل اور کلی اصول ایک مسلمان سامنے رکھ کر معیشت میں قدم رکھے گا تو ایسی کمائی سے خود ہی بچے گا جو حرام واسطے سے حاصل ہوتی ہو۔ یہ ہی اسلام کا ترہ امتیاز ہے کہ اس نے مادیت اور روحانیت کو اس طرح سے پرویا ہے کہ دیگر نظامہائے معیشت میں یہ مثال نہیں ملتی۔

[1] الترمذی، أبوعیسی محمد بن عیسی بن سورۃ، السنن، كتاب صفة القيامة والرقائق والورع عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، باب فِي الْقِيَامَةِ، رقم الحدیث:2416

فصل سوم

کیپٹلزم اقتصادی افکار میں روحانی پہلو

سرمایہ دارانہ افکار میں روحانیت کی حقیقت

سرمایہ دارنہ نظام کی بنیاد مغربی فلسفہ وفکر اور علوم پر رکھی گئی ہے۔ کیونکہ اس کی فکری اور نظریاتی بنیادیں یونانی فلاسفر کے پیدا کردہ نظریہ مادیت میں پیوست ہیں، یہ غیر الہامی بنیادوں پر پروان چڑھنے والا فلسفہ صرف اور صرف مادی نظریات کو تحفظ فراہم کرتا ہے جس میں روحانیت کا تصور جو اسلام پیش کرتا ہے مفقود تھا۔ موجودہ مادی نظام اسی نظریہ کی ایک کڑی ہے۔ جس کی تمام تر توجہات کا مرکز مادہ اور اسکی خواہشات ہیں۔ پروفیسر عبد الحمید ڈار لکھتے ہیں:

> "نظام سرمایہ داری مادی فلسفہ حیات سے ماخوذ ہے اس نظریہ کے مطابق حیات وکائنات کی اصل مادہ ہے، مادہ سے ماورا یہاں کچھ بھی نہیں ہے، اس لیے انسان کی جدوجہد کا مرکز ومحور مادی احتیاجات کی تسکین ہی ہونی چاہیے "[1]

مغربی فلسفہ نے اسلامی تصورِ روحانیت کو کچھ بھی اہمیت نہیں دی حالانکہ احتیاجاتِ انسانی مادی بھی ہیں اور روحانی بھی لیکن خواہشات جب حکمران بن جاتی ہیں تو یہ ایک شخصی چیز نہیں رہتی بلکہ وہ ایک عمومی قوت بن جاتی ہے، جو ہر چیز کو استعمال کرتی ہے جس سے انسان میں خود غرضی اور نفس پرستی پیدا ہوتی ہے۔ اور یہ ہی سرمایہ داری کی اصل روحانیت ہے۔

مادہ پرستی (Materialism):

فلسفہ کی اس شکل کا نام ہے جو ظاہری لذات اور خواہشات کی تکمیل کے لئے مادی اشیاء پر مکمل انحصار کرتا ہے۔

محمد فاروق خاں مادہ پرستی کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "مادیت سے مفہوم ایک طرح کا جبری اصول ہوتا ہے جس میں ساری کارفرمائی بے جان مادہ کی ہوتی ہے، جس میں قصد واختیار اور شعور کا کوئی دخل تسلیم نہیں کیا جاسکتا"[2]

گویا کہ مادیت پرستی انسان کو مادہ کا غلام بنا کر رکھ دیتی ہے، مادہ پرست انسان زندگی کا اصل مقصد مال وزر، اسبابِ معیشت اور مادی ترقی کو ہی سمجھتا ہے، جس کی راہ میں آنے والی ہر روحانی واخلاقی قدر اور رشتوں ناطوں کے تقدس کو کھو دیتا ہے۔ جس سے انسانی زندگی میں اعتدال، توازن اور ہم آہنگی کو برقرار رکھنے کے لیے مشکل ترین راہوں سے گزرنے کے مترادف ہوتا ہے۔ Wikipedia,of the free encyclopedia میں مادہ پرستی کا مفہوم اس طرح سے بیان کیا گیا ہے:

> "Materialism is a form of philosophical monism which holds matter to be the fundamental substance in nature , and all things,including mental states and consciousness, are results of material interactions"3

> مادیت پرستی فلسفیانہ عقائد کی ایک شکل ہے جو مادے کو فطرت میں بنیادی مقام دیتی ہے، اور تمام چیزیں، بشمول ذہنی حالتیں اور شعور، مادی تعامل کے نتائج ہیں۔

---

[1] ڈار، عبد الحمید، پروفیسر، (ودیگر مصنفین)، اسلامی معاشیات، ص98

[2] خاں، محمد فاروق، مادیت اور روحانیت، اسلامک پبلیکیشنز پرائیویٹ لمیٹڈ، لاہور، ط اول، 1988ء، ص4

[3] Julien Offray de La Mettrie,L'Homme Machine,printed in the USA,1912,P.163

محمد فاورق خاں مادہ پرست انسان کے بارے لکھتے ہیں:

"مادہ پرستوں کے نزدیک ہمارے افعال وخیالات کو ہمارے ذاتی ارادے سے کوئی تعلق نہیں "[1]

میکانی تصورِ حیات اسی کا نام ہے کہ انسانی زندگی محدود ہو کر صرف طبعی زندگی میں محصور ہو جاتی ہے۔ جسمانی ڈھانچے کے علاوہ انسان کی کوئی حیثیت نہیں رہ جاتی۔

خالد فاروق بسرا مادیت کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"فلسفہ مادیت سے مراد دو چیزیں ہیں، اول خاص مابعد الطبیعیاتی نظریہ جو عبارت ہے زندگی کے مکینکی تصور سے اور دوم مادیت کا اخلاقی نظریہ پہلے نظریے کے مطابق دنیا میں مادے کے سوا کوئی چیز حقیقی نہیں حتیٰ کہ انسان کا شعور وارادہ بھی برقیہ اور مالیہ ہی کی کرشمہ سازی ہے اور اس قانون کو سمجھنے کے لیے طبیعی قوانین کے علاوہ کسی چیز کی طرف رجوع کی ضرورت نہیں، مادیت کے اخلاقی نظریے کے مطابق، جو حقیقتاً مادیت کے مابعد الطبیعیات نظریے کا منطقی نتیجہ ہے، انسان کو اگر کسی چیز کی ضرورت ہے تو وہ صرف جسمانی احتیاجات کی تسکین ہے لہٰذا قابل غور شئے وہی ہے جو ان کی ضروریات ہے"[2]

مادہ پرستی سے محبت کا ہی نتیجہ ہے کہ مادی اشیاء انسان کے لیے اس قدر چمکدار اور مزین ہو جاتی ہیں کہ انسانی نفسیات اس کے تابع ہو جاتی ہیں۔ جسے انسان خود تابع نہیں کرتا بلکہ وہ ماحول اور معاشرہ جس میں انسان کی خواہشات پروان چڑھ رہی ہیں وہ انسان پر ایسے اثرات مرتب کرتا ہے۔

سرمایہ دارانہ ایتھکس (Ethics):

مغربی معاشروں کو دیکھ کر ہمارے ذہنوں اور معاشروں میں یہ سوال گردش کرتا ہے کہ اہل مغرب ہم سے زیادہ اعلیٰ اخلاقی اقدار کے حامل ہیں۔ کیونکہ ان کے معاملات میں دھوکہ دینا، جھوٹ بولنا، وعدہ خلافی کرنا اور ناپ تول میں خیانت کرنا وغیرہ نہیں دیکھا گیا۔ یہ سوال اس وجہ سے پیدا ہوا ہے کہ ہم نے اخلاقیات کی بحث میں Ethics اور Morality کا فرق نہیں جانا، ان کو اخلاقیات کی ایک ہی لڑی میں پرو دیا ہے۔ وگرنہ اہل مغرب کی اخلاقیات کا اندازہ تو اولڈ ہاؤس کے قیام سے ہی لگایا جا سکتا ہے جہاں وہ اپنے بوڑھے والدین کو چھوڑ دیتے ہیں۔ جبکہ کہ انسان کے اخلاق کے سب سے زیادہ حقدار انسان کے والدین ہوتے ہیں۔

Ethics اور Morality میں فرق:

Ethics کے ساتھ ملتا جلتا ایک لفظ Morality بھی ہے۔ عام طور پر جن کا ایک ہی مفہوم (اخلاقیات) سمجھا جاتا ہے۔ جس سے اخلاقیات کا مفہوم خلط ملط ہو جاتا ہے۔ جبکہ ان دونوں الفاظ کے مفہوم میں فرق ہے۔

---

[1] خاں، محمد فاروق، مادیت اور روحانیت، ص5

[2] بسرا، خالد فاروق، جدید تہذیب، ص66

جیسا کہ زاہد صدیق مغل لکھتے ہیں۔

"Ethics کا مطلب کسی بھی کام کو اس کے منطقی لوازمات و مضمرات کے ساتھ ہم آہنگی کے ساتھ سرانجام دیناہوتا ہے۔اس کے برعکس Morality کا مطلب یہ ہے کہ فرد خواہشات میں ترجیحات کا پیمانہ قائم کر سکے، یعنی یہ سوال اُٹھائے کہ قدر (اچھااور بُرا) کیا ہے؟"[1]

اسی طرح انسائکلوپیڈیا آف برطینکا میں ہے:

"Morality has a Christian connotation to many Westerners, since moral theology is prominent in the church. Similarly, ethics is the term used in conjunction with business, medicine, or law. In these cases, ethics serves as a personal code of conduct for people working in those fields,These connotations have helped guide the distinctions between morality and ethics" [2]

Morality کا بہت سے مغربی باشندوں کے لیے ایک مسیحی مفہوم ہے، کیونکہ اخلاقی الٰہیات کلیسیا میں نمایاں ہے۔ اسی طرح Ethics وہ اصطلاح ہے جو کاروبار، طب یا قانون کے ساتھ مل کر استعمال ہوتی ہے۔ ان معاملات میں، اخلاقیات ان شعبوں میں کام کرنے والے لوگوں کے لیے ایک ذاتی ضابطہ اخلاق کے طور پر کام کرتی ہے، ان مفہومات سے Morality اور Ethics کے درمیان فرق کرنے میں رہنمائی ملتی ہے۔

معلوم ہوا کہ Morality کا تعلق افعالِ انسانی کی ترجیحی قدر کے ساتھ ہے کہ "انسان کو کیا چاہنا چاہیے یا کیا نہیں چاہنا چاہیے" اور Ethics کا تعلق افعالِ انسانی کی ادائیگی کے ساتھ ہے جس میں اس کے منطقی لوازمات کا لحاظ رکھا گیا ہو۔لہذا مغربی فکر میں انسانی خواہشات ہی اخلاقیات کی اساس ہیں۔اسی لیے اخلاقی اقدار کا تعین یہاں ناپید ہوگا۔کیونکہ اخلاقی اقدار کو ماپنے کا آلہٰ وہ احکام الٰہی کا ترازو ہی ہے جو کہ مغربی فکر میں مفقود ہے۔

چنانچہ سرمایہ دارانہ ایتھکس (Ethics) سے مراد وہ سرمایہ دارانہ اخلاقیات ہوں گی جن کا تعلق انسانی افعال کی ادائیگی کے ساتھ ہے جو کہ احکام الٰہی پر مبنی اخلاقی اقدار سے خالی ہیں۔جن کو دوسرے لفظوں میں مارکیٹ ڈسپلنز بھی کہا جاتا ہے۔ قانون کی بالادستی جن کے وقوع پذیر ہونے کی وجہ بنتی ہے۔اور یہ ایتھکس (مارکیٹ ڈسپلنز) سرمایہ دارانہ نظام کے قیام و ارتقاءاور استحکام کے لیے ضروری لوازمات ہیں۔جن پر عمل پیرا ہونا ایک سرمایہ دارانہ فرد پر ضروری ہوتا ہے۔

اسی ڈسپلن اور قانونی بالادستی کا ہی یہ مظہر ہے کہ سرمایہ دارانہ معاشروں میں ایک حد تک یہ اخلاقی اقدار کی شکل یعنی دھوکہ نہ دینا، وعدہ پورا کرنا، سچ بولنا، ناپ تول میں کمی بیشی نہ کرنا، خیانت نہ کرنا اور اس جیسی بہت سی چیزیں دیکھنے کو ملتی ہیں۔

---

[1] مغل، زاہد صدیق، مغربی اجتماعیت: اعلیٰ اخلاق یا سرمایہ دارانہ ڈسپلن کا مظہر؟ (2)، مجلہ (ماہنامہ) الشریعہ، گوجرانوالہ، شمارہ 7، جولائی، 2013ء، ص 39

[2] Encyclopedia Britannica,William Benton Publishers,London,1943,Vol.6, P.467

جیسا کہ ڈاکٹر محمود احمد غازی لکھتے ہیں:

”مغربی سرمایہ داری میں اول تو اخلاقی اقدار سرے سے ہی غیر متعلق سمجھی جاتی ہیں۔ لیکن اگر کہیں اخلاقی اقدار اور اصولوں کا تذکرہ ملتا ہے تو صرف اس حد تک جس سے وہ نفع میں ممد و معاون اور مادیات کے حصول میں کارآمد معلوم ہوں۔ سچ بولنا اس لیے اچھا ہے کہ سچ بولنے سے خریدار کا اعتماد قائم ہو جاتا ہے اور دیانت داری بہترین پالیسی ہے۔ یعنی دیانت داری فی نفسہ بطور ایک اخلاقی قدر کے کوئی اچھی چیز نہیں ہے۔ اور نہ ہی دیانت داری فی نفسہ مطلوب ہے۔ بلکہ بطور پالیسی کے اختیار کی جائے تو بہت اچھی چیز ہے“[1]

معلوم ہوا کہ یہ تمام ایتھکس اور مارکیٹ ڈسپلنز جس کا مقصد صرف اور صرف ذاتی اغراض اور مقاصد ہیں تا کہ اس کی بنیاد پر سرمایہ دارنہ پیداوای عمل، تشکیل اور استحکام کو مضبوط کیا جاسکے۔

سرمایہ دارانہ نظام کی روحانی اقدار:

دور حاضر میں سرمایہ دارانہ نظام کی روحانی جڑیں مذہب کی بجائے سیکولر عقیدے سے نکلنے والے نظریات و افکار میں پیوست ہیں۔ جو ”جارج جیکب ہولی اوک“ نے کلیسائی مذہب کے نام پر ہونے والی درندگی اور معاشرتی برائیوں کو دیکھ کر مذہب سے بے رغبتی اور بیزاری کی طرف قدم رکھتے ہوئے 1841ء میں خدا کا انکار کرنے کے ساتھ عیسائی مذہب سے کھلے عام بغاوت کا اعلان کر دیا، جس کے نتیجے میں عیسائیت نے اسے سخت تنقید کا نشانہ بنایا اور مختلف قسم کی سزائیں بھی دیں، جارج نے عیسائیت اور ان کی دشمنی سے بچنے کے لیے 1951ء سکولرازم کی اصطلاح سے معانون ایک تصور اور ایک فکر کی بنیاد رکھی جس میں اس نے مذہب کو انسانی اجتماعی معاملات سے بے دخل کرنے کا نظریہ پیش کیا۔ مذہب کو صرف اور صرف انسان کی انفرادی زندگی کا حصہ قرار دیا تا کہ جب اجتماعی معاملات سے مذہب کو بے دخل کر دیا جائے گا تو آہستہ آہستہ انفرادی معاملات میں بھی اسکی کوئی رمک تک نہیں رہے گی۔[2]

Oxford dictionary کے مطابق سیکولرازم کا مفہوم جس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ ان کی فکر کا روحانیت کے ساتھ کتنا تعلق ہے:

"Not connected with spiritual or religious matters"[3]

جو روحانی اور مذہبی معاملات سے جڑا نہ ہو۔

گویا سرمایہ دارانہ نظام جن فکری بنیادوں پر قائم ہے ان میں مذہبی اقدار کی کوئی اہمیت نہیں ہے، یہ ہی وجہ ہے کہ خواہشات پرستی، مفادات اور مادہ کی تسکین اسی نظام کی روح ہیں۔

---

[1] غازی، محمود احمد، ڈاکٹر، محاضرات معیشت و تجارت، الفیصل ناشران کتب، لاہور، 2017ء، ص86

[2] غزنوی، عبد الرؤف، مفتی، اسلام اور سیکولرازم، ماہنامہ البینات، شمارہ رمضان و شوال، 1440ھ، ص25

[3] Oxford Dictionaries DefinitionEnglish secular,Archive: 10/04/2022 At 11:09pm https://www.lexico.com/definition/secular

چنانچہ سرمایہ دارانہ نظام کی روحانی اقدار درج ذیل ہیں:

1۔ نفسانی خواہشات کی پیروی:

نفس کے لغوی معنیٰ "روح" کے ہیں۔ جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"أَخْرِجُوا أَنْفُسَكُمُ الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ"[1]

نکالو اپنی جانیں۔ آج تم کو ذلت کے عذاب کی سزا دی جائے گی۔

یہاں پر "نفس" سے مراد روح ہے، اسی طرح۔ مفتی منیب الرحمان نے اپنے ایک اخبار کے کالم میں نفس کا معنیٰ "ذات یا شخص" بھی کیا ہے۔[2]

اصطلاح میں "نفس" انسان کو اعمال کرنے یعنی اچھے اور برے کاموں پر ابھارنے والی قوت کو کہا جاتا ہے۔

عبد الطیف خان "نفس" کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"منبع فساد اور موجب شر جو چیز ہے وہ نفس ہے"[3]

گویا کہ "نفس" انسان کے اندر اس قوت کا نام ہے جو انسان کو نیکی بدی اور خیر و شر کے کاموں کے لئے امادہ کرتی ہے۔ لہذا نفسانی خواہشات سے مراد نفس میں پیدا ہونے والی خواہشات یا دوسرے معنوں میں انسانی دل میں پیدا ہونے والی خواہشات ہیں۔ انسان ابتداء سے ہی لذت اور سکون حاصل کرنے کی جدوجہد میں سرگرداں رہ کر اپنی سوچ کو ایک ہی دائرے میں گھماتا رہا ہے، کہ اس کے دل کو سکون اگر مل سکتا ہے تو وہ بس خواہشات کی تکمیل سے ہی مل سکتا ہے۔ جس کے لیے اپنی ساری صلاحیتیں اور اپنی ساری محنتیں اسی کام پر لگا کر جب اپنی منزل مقصود تک پہنچ جاتا ہے اور اسکی خواہش پوری ہو جاتی ہے تو اس پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے اس بات پر مطمئن ہوتا ہے کہ اس نے سکون حاصل کر لیا ہے لیکن رفتہ رفتہ پھر وہ اپنی پرانی ہی حالت پر آجاتا ہے کیونکہ جن خواہشات کو وہ اپنی لذت اور اپنے سکون کا ذریعہ سمجھ رہا تھا وہ ایک عارضی حقیقت تھی، جس کے لیے اس نے اپنا آرام چھوڑا، رشتہ داریاں قربان کیں، والدین اور بہن بھائیوں کی محبت کو چھوڑا، اک دن ایک نئی خواہش کے پیدا ہو جانے سے اس کا وہ سکون جسے وہ ابدی سمجھ رہا تھا وہ ختم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح بار بار یہ سلسلہ ایسے ہی گردش کرتا رہے گا۔ اور انسان کی خواہشات میں دن بدن اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔ یہ خواہشات ختم ہوں گی نہ سرمایہ ان کی تکمیل کی کوشش سے پیچھے ہٹے گا۔

سرمایہ دارانہ نظام کا اہم ترین مقصد بھی انسانی خواہشات کی تکمیل ہے۔ ایک سرمایہ دار اپنی تمام تر معاشی سرگرمیاں انہی خواہشات کو پورا کرنے میں لگا دیتا ہے۔ اچھا مقام اور منصب حاصل کرنے کے لیے اپنی صحت کی فکر نہیں کرتا اور بڑھاپے

---

[1] الانعام:93

[2] ۔ منیب الرحمٰن، مفتی، (کالم) "زاویہ نظر (فریب نفس)" مشمولہ "روزنامہ دنیا پاکستان" لاہور، 20 مئی 2017ء
Archive/ 16/05/2021 At 04:41pm
https://dunya.com.pk/index.php/author/mufti-muneeb-ul-rehman/2017-05-20/19571/37646903

[3] خان، عبد الطیف، تہذیب نفس، نشان منزل پبلیکیشنز، لاہور، 2012ء، ص 106

میں اپنی صحت کو بحال کرنے کے لیے جمع پونجی صَرف کر دیتا ہے۔ اس جیسی سینکڑوں خواہشات ہیں جو انسان کا احاطہ کئے ہوئے ہیں۔ اسی طرح سرمایہ دارانہ عقلیت بھی یہ تقاضا کرتی ہے کہ انسان اپنی ساری صلاحیات اور کائنات کی تمام تر قوتوں کو بروئے کار لا کر انسانی خواہشات کو پورا کرے، اس عمل کے لیے انسان ہر جائز اور نائز طریقہ اختیار کر سکتا۔ جاوید اکبر انصاری لکھتے ہیں:

"ہر وہ شخص سرمایہ دار ہے جس کی زندگی کا مقصد کائنات پر اپنی خواہشات کو مسلط کرنا ہوتا ہے۔ اور ہر سرمایہ دار کی زندگی کا مقصد اپنی آزادی کو ترقی دینا ہوتا ہے تاکہ کائنات کی تمام قوتوں کو مسخر کر کے اس کی تمام خواہشاتِ نفسانی پوری کی جاسکیں"[1]

جدید معاشی نظام انسان کو خواہشات اور نفس کا بندہ بنانے میں آئے روز پالیسیاں بناتے ہیں جس کے لیے کمپنیوں، بینکوں اور تجارتی مراکز کی خدمات حاصل کی جاتی ہیں جو معاشرے کے افراد میں نئی نئی خواہشات کو فروغ دیتے ہیں۔ پھر ان خواہشات کی تکمیل کے لیے لائحہ عمل تیار کیا جاتا ہے، جس کی تکمیل کے لئے انسان اپنی ساری زندگی وقف کر دیتا ہے۔[2]

2۔ تفریحات (Entertainment):

تفریح "فرح" سے مشتق ہے جس کے لغوی معنیٰ خوشی، خرمی، شادمانی اور دل کو فرحت بخشنے کے ہیں۔[3]

قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

" قُلْ بِفَضْلِ اللَّهِ وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذَٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوا "[4]

کہہ دو کہ (یہ کتاب) خدا کے فضل اور اس کی مہربانی سے (نازل ہوئی ہے) تو چاہیئے کہ لوگ اس سے خوش ہوں۔

ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

" فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ "[5]

جو کچھ خدا نے ان کو اپنے فضل سے بخش رکھا ہے اس میں خوش ہیں۔

ابن منظور تفریح کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"والتفریح:مثل الافراح،وتقول لک عندی فرحۃ"6

اور تفریح: شادی کی مثل ہے اور وہ آپ سے کہتی ہے کہ مجھے خوشی ہے۔

ہر دور میں ہر قوم اپنی اپنی تہذیب کو سامنے رکھتے ہوئے ذہنی سکون حاصل کرنے کے لیے کچھ تفریحات متعین کئے ہوئے

---

[1] انصاری، جاوید اکبر، ڈاکٹر، سرمایہ داری کے نقیب، ص24

[2] غازی، محمود احمد، ڈاکٹر، محاضرات تجارت و معیشت، الفیصل ناشران کتب، لاہور، ط2017ء، ص85

[3] فیروزالدین، مولوی، فیروزاللغات، ص927

[4] یونس:58

[5] آل عمران:170

[6] ابن منظور، لسان العرب، ص3372

تھے مثلاً کھیل کود، رقص، ڈرامے، موسیقی اور گانا بجانا وغیرہ، اور کچھ اقوام ایسی تھیں جو مذہب کے ساتھ وابستہ تھیں وہ اپنی تفریحات کو اپنے مذہبی اور تہذیبی نقطہ نظر سے بجالاتے تھے۔

لیکن موجودہ ترقی یافتہ اور جدید زمانے میں صنعتی اور مادہ کی ترقی کی وجہ سے تفریحات کے اس تصور میں تبدیلی آگئی۔ قدیم تفریحات کا تصور ذہنی سکون کے ساتھ ساتھ بدنی نشوونما اور تربیت کا پہلو اپنے اندر سموئے ہوئے تھا برخلاف آج کے دور کے، جس میں اس تصور کی ہیت ہی بدل گئی جو کھیلیں میدان کے ساتھ تعلق رکھتی تھیں وہ آج موبائل اور انٹرنیٹ، موسیقی، ڈش، مزاحیہ ڈرامے، آن لائن گیمنگ، فلمیں، بچوں کو شروع سے کارٹونز جن میں ذہن سازی کا عنصر نمائیاں ہوتا ہے کا حصہ بن گئیں، یہ سب جدید دور کے تفریح کے آلات ہیں۔ یہ ہی تفریحی آلات سرمایہ دارانہ نظام میں تشہیرات وغیرہ کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ جیسے سعدیہ گلزار لکھتی ہیں:

> "اشتہار بازی میں بے حیائی، رقص، موسیقی، اخلاق سے گری فلموں مخزب اخلاق مطبوعات اور مہنگی تصاویر کو ذریعہ بنایا جاتا ہے۔ مضر صحت اشیاء کی تشہیر کی جاتی ہے مثلاً سگرٹ وغیرہ۔ نت نئے فیشنوں کے اشتہار دے کر فیشن پرستی کو رواج دیا جارہا ہے، اخلاق سے گرے اشتہارات نشر کئے جاتے ہیں"[1]

اس نظام میں تفریحات کا سبب یہ بھی ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام میں آزادی عقیدے کی حیثیت رکھتی ہے، جو ہر طرح کے تعلقات کو زیادہ سے زیادہ سرمائے کے حصول کے لیے پس پشت ڈال دیتا ہے۔ جس سے ایک تنہائی کا احساس انسان میں پیدا ہو جاتا ہے، چنانچہ آزادی انسان میں تنہائی کی زیادتی کا سبب ہے۔ جاوید اکبر انصاری لکھتے ہیں:

> "آزادی کا مطلب ہی تعلقات کی نفی کرنا ہے معلوم ہوا کہ آزادی احساس تنہائی کا دوسرا نام ہے انسان جتنا تنہا ہوا گا اس کی آزادی اتنی ہی بڑھے گی"[2]

لہٰذا سرمایہ دارانہ نظام میں رہتے ہوئے اس کیفیت کو وہ کبھی دور نہیں کر سکتا، اس اضطرار کی حالت میں انسان سکون اور ذہنی ریفرشمنٹ کے لیے کچھ ایسے کام اپنے لیے متعین کرتا ہے جس سے وہ ذہنی سکون حاصل کر سکے، جو بغیر کسی قید اور حدود کے سرانجام دیتا ہے۔ جیسے: شراب نوشی، کلب خانے، فحش گانے، ڈرامے فلمیں وغیرہ۔ پھر ظاہر ہے ان سب کے لیے اسے سرمائے کی ضرورت ہوگی جتنا سرمایہ اس کے پاس زیادہ ہوگا وہ اپنے ذہنی سکون کے لیے اتنا ہی زیادہ سامان کر سکے گا۔ الغرض سرمایہ دار اپنی ساری زندگی خواہشات کی تکمیل اور سکون کے حصول میں ہی لگا دیتا ہے۔

3۔ سرمایہ کی بڑھوتری

"سرمایہ" جس کا معنی و مفہوم باب نمبر ایک فصل نمبر دو کے تحت گزر چکا ہے۔

عصر حاضر میں سرمایہ ایک ایسا معبود ہے جس کی نچلے پیمانے سے لے کر عالمی سطح تک پرستش جاری ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام

---

[1] سعدیہ گلزار، ڈاکٹر، پاکستانی معیشت اور اخلاق، الفیصل ناشران کتب، لاہور، 2017ء، ص70

[2] انصاری، جاوید اکبر، ڈاکٹر، ودیگر مصنفین، سرمایہ دارانہ انفرادیت کا حال اور مقام، ماہنامہ، الشریعہ، گوجرانوالہ، شمارہ8، ج23، اگست 2012ء، ص22

جیسا کہ نام سے ہی اندازہ ہو رہا ہے کہ سرمایہ اس نظام میں کس قدر اہمیت کا حامل ہے، اس نظام کے وسائل پیداوار میں سرمائے کو بنیادی قدر کا مقام حاصل ہے۔[1]

ڈاکٹر جاوید اکبر انصاری لکھتے ہیں:

"سرمایہ داری اور جمہوریت عصر حاضر کے دو ایسے معبود ہیں جن کی پرستش عالمگیر پیمانے پر کی جارہی ہے"[2]

سرمائے کی وسائلِ پیداوار میں بنیادی قدر کے بارے میں Arthur O'Sullivan لکھتے ہیں:

"In economics, factor payments are the income people receive for Supplying the factors of production: land, labor, capital or entrepreneurship"[3]

معاشیات میں عاملین کی ادائیگیوں سے مراد زمین محنت سرمایہ اور تنظیم کا معاوضہ ہے۔

معلوم ہوا کہ سرمایہ عاملینِ پیدائش میں سے بھی ایک ہے، سرمایہ دارانہ نظام میں جس پر معاوضہ لیا جائے گا۔

سرمائے کی بڑھوتری کے لحاظ سے سرمایہ داری کے پہلو:

اس لحاظ سے سرمایہ داری کے تین پہلو ہیں:

1۔ خاص قسم کی انفرادیت:

جس میں انفرادی سطح پر ہر ہر فرد کا ایک ہی مقصد ہوتا ہے کہ بس اپنی ذات کے لیے سرمایہ میں اضافہ ہو، فرد اپنی لامحدود خواہشات کو پورا کرنے کے لیے ہر وہ حربہ آزمائے گا۔

2۔ خاص قسم کی معاشرت:

سرمایہ دارنہ نظام سرمائے میں بڑھوتری کے اردگرد ایسا معاشرہ قائم کرے گا جس کا مقصد سرمائے کی بڑھوتری معاشرے کے لیے ہو، جس سے مسابقت کی فضاء قائم ہوگی، جس کے لیے انسان معاشرتی طور پر وسائل کو بروائے کار لائے گا اور خود بخود سرمائے میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔

3۔ خاص قسم کی ریاست:

سرمایہ دارانہ ریاست تب ایک قوم پرست ریاست کہلائے گی جب قومی سطح پر سرمائے کی بڑھوتری چاہے گی، جس کے لیے ریاست عملی اقدامات اور احکامات جاری کرے گی اور وہ اقدامات جو معاشرتی طور پر سرمائے کی بڑھوتری کا سبب بن رہے ہیں ان کی حفاظت کرے گی۔ اور اگر ریاست مذہبی ضمیمہ بن گئی ہو تو وہ اس سطح پر سرمایہ میں بڑھوتری کا جواز تلاش کرے گی اس کے لیے ایسے افراد تیار کرے گی جو اس کا جواز مذہبی انداز میں پیش کریں گے۔[1]

---

[1] مبارک علی، تعارف زروبنکاری، رہبر پبلیکیشنز، کراچی، 1991ء، ص69

[2] انصاری، جاوید اکبر، ڈاکٹر، سرمایہ دارانہ نظام ایک تعارف، ص6

[3] Arthur O'Sullivan & Steven M. Sheffrin, Economics Principles in Action ,New Jersey Pearson Prentice Hall, 2003, P.24

سرمایہ دارنہ نظام سرمائے کی بڑھوتری کے لیے جو صورتیں پیش کرتا ہے وہ درج ذیل ہیں۔[1]

سود(Interest):

عربی میں سود کو "ربا" کہاجاتاہے جس کا معنی نمو، اضافہ کے ہیں۔ علامہ اصفہانیؒ سود کا مفہوم لکھتے ہیں:

"الربازیادۃ علی راس المال لکن خص فی الشرع بالزیادۃ علی وجہ دون وجہ،باعتبار زیادۃ"[2]

ربالغت میں راس المال پر اضافے کانام ہے اور شریعت میں ایک مخصوص اضافے کو ربا کہاجاتاہے۔

عاملین پیداوار کی تعداد سرمایہ دارانہ نظام میں چار ہے (زمین، محنت، سرمایہ اور تنظیم) زمین سے کرایہ، محنت کی اجرت، سرمائے سے سود، اور تنظیم سے منافع حاصل کیا جاتاہے، ان میں سے سرمائے کا معاوضہ سود کہلاتاہے جو کہ سرمایہ دارانہ نظام میں سرمائے کی بڑھوتری کا سبب بنتاہے۔ انسائیکلوپیڈیا آف امریکینا میں سود کا مفہوم ہے:

"Interest, a charge of money."[3]

سود سرمائے پر لیئے گئے معاوضے کانام ہے۔

سرمایہ دارانہ نظام میں سود مرکزی حیثیت رکھتاہے، موجودہ بینکاری، انشورنس کمپنیاں اور بیمہ کمپنیاں ساری کی ساری اسی نظام کی مرہون منت ہیں۔ علامہ مودودیؒ لکھتے ہیں:

"قدیم جاہلیت عرب کے بعد یہ فخر صرف جدید جاہلیت غرب کے بورژوا مفکرین کو حاصل ہوا ہے کہ انہوں اسے کاروبار کی ایک ہی معقول صورت اور پورے نظام مالیات کی ایک ہی صحیح بنیاد بنا کر رکھ دیاہے"[4]

سرمایہ دارانہ نظام کی بنیاد ہی اسی سود اور سودی کاروبار پر رکھی گئی ہے تاکہ بنامحنت کے بھاری مقدار میں سرمائے میں اضافہ ہو سکے، جو کہ سرمایہ دارانہ نظام میں مقصود ہے۔

قمار(Gambling):

قمار عرف عام میں جسے "جوا" کہاجاتاہے، جس کا مطلب ہے کہ دواؤ یا چانس کے ذریعے کسی دوسرے کے مال کو حاصل کرنا جس میں ہر دو جانب سے سرمایہ اس لیے لگایا جاتاہے کہ وہ مزید سرمائے کو کھینچ لائے جس میں ایک کا سرمایہ ضائع اور دوسرے کے سرمائے میں اضافہ ہو جاتاہے۔

مفتی تقی عثمانی قمار کا مفہوم لکھتے ہیں:

---

[1] محمد احمد، حافظ، سرمایہ دارانہ نظام ایک تنقیدی جائزہ، (مضمون معاشیات اور سرمایہ داری از سید محمد یونس قادری)، ص30؛ انصاری، جاوید اکبر ،ڈاکٹر، و دیگر مصنفین، دروس سرمایہ داری ایک تعارف، ص16

[2] اصفہانی، راغب، علامہ، مفرادات القرآن فی غریب القرآن، دالمعرفۃ، بیروت، س ن، ص591

[3] The Encyclopedia of Americana ,published by Danbury Grolier Inc, 1998,Vol.15,P.250

[4] مودودی، ابو الاعلیٰ، اسلام اور جدید معاشی نظریات، ص37

"اس سے مراد دو یا دو سے زائد افراد آپس میں اس طرح کا کوئی معاملہ کریں جس کے نتیجے میں ہر فریق کسی غیر یقینی واقعے کی بنا پر اپنا مال اس طرح داؤ پر لگائے کہ وہ یا تو بلا معاوضہ دوسرے فریق کے پاس چلا جائے یا دوسرے فریق کا مال پہلے فریق کے پاس بلا معاوضہ آجائے یہ قمار ہے"[1]

مفتی شفیع عثمانی قمار کا مفہوم لکھتے ہیں:

"کسی معاملے میں نفع و نقصان کو کسی غیر معین، غیر معلوم چیز پر معلق رکھنا اصلاح شرع میں قمار اور میسر کہلاتا ہے"[2]

قمار کی دو صورتیں ہیں ایک صورت تو یہ ہے کہ پیش آمدہ واقعات میں سے کسی غیر یقینی واقعے کے ہونے یا نہ ہونے پر شرط لگانا جیسا کہ کھیل کے میدان میں دو ٹیموں کے جیتنے یا ہارنے پر شرط مقرر کر دینا کہ اگر ان میں سے فلاں ٹیم جیت گئی تو میں 50روپے دوں گا۔

قمار کی دوسری صورت یہ ہے کہ سرمایہ پہلے ہی دے دیا جائے کہ اگر فلاں ٹیم جیت جاتی ہے تو یہ سارا سرمایہ تمہارا اس میں ہارنے کی صورت میں تو اپنے سرمائے کے ساتھ دوسرے کے سرمائے کو بھی بلا معاوضہ کھینچ لائے گا اور اگر وہ ٹیم ہار جاتی ہے تو دیا ہوا سرمایہ بھی ضائع جائے گا، لاٹری اس کی آسان مثال ہے کہ ٹکٹ لینے سے پہلے ہی سرمایہ دے دیا جاتا ہے کچھ نکل آئے تو دیئے ہوئے سرمائے میں اضافہ ہو جائے گا وگرنہ دیا ہوا سرمایہ بھی ضائع ہو گا۔[3]

دور حاضر میں قماری کی صورتیں

دور حاضر میں قمار کی درج ذیل دو صورتیں ہیں۔

1۔بنکوں میں مروجہ پرائز بانڈز، 2۔لاٹری

1۔بنکوں میں مروجہ پرائز بانڈز

جدید دور کے بنکوں میں حکومت کی طرف سے دیئے گئے پرائز بانڈز ہوتے ہیں جن کی نگرانی سٹیٹ بنک کر رہا ہوتا ہے جو کہ بنکوں کی وساطت سے عوام میں تقسیم کئے جاتے ہیں اور مقررہ وقت پر ان کی قرعہ اندازی ہوتی ہے جس جس کا نمبر قرعہ اندازی میں آ گیا اسے بھاری سرمائے سے نوازا جاتا ہے۔

2۔لاٹری

جدید دور میں قمار کی ایک مروجہ شکل "لاٹری" کی ہے کہ بعض کمپنیاں اپنی ایڈروٹائزمنٹ کے لئے اسکیم دیتی ہیں جس میں چند لوگ مل کر سرمایہ جمع کرواتے ہیں اور ٹکٹیں تقسیم کر دی جاتی ہیں، ساری ٹکٹوں میں سے ایک اُٹھالی جاتی ہے جس کا نام آ

---

[1] عثمانی، محمد تقی، مفتی، عدالتی فیصلے، ادارہ اسلامیات، لاہور، 2000ء، ج2، ص243

[2] عثمانی، محمد شفیع، مفتی، بیمہ زندگی، دارالاشاعت، کراچی، 1971ء، ص19

[3] صمدانی، اعجاز احمد، ڈاکٹر، اسلامی بنکوں میں رائج اجارہ، ادارہ اسلامیات، لاہور، س ن، ص34

جائے توسب کا جمع کرایا گیا سرمایہ اسی کا ہو جاتا ہے۔[1]

گویا کہ سرمایہ دارانہ نظام میں سرمائے کی بڑھوتری کے لئے آزادی اس بات کی بھی اجازت دیتی ہے کہ سرمائے کو بڑھانے کے لیے اگر قمار کی صورت بھی اختیار کی جائے تو درست ہے کیونکہ اس سے بھی سرمائے میں بڑھوتری والا مقصد پورا ہو رہا ہے۔

ارتکازِ دولت

ارتکازِ دولت کا مطلب یہ ہے کہ معاشی نظام کو اس طرح سے ترتیب دینا کہ سرمایہ ایک ہی جگہ جمع ہو تا جائے، سرمایہ دارانہ نظام میں بلا معاوضہ اگر سرمایہ خرچ کیا جائے تو اس سے سرمایہ کم ہو جاتا ہے۔اور دولت کو ایک جگہ جمع کر کے سود پر دینے سے سرمائے میں اضافہ ہو تا ہے۔اس نظام میں اگر کوئی سرمایہ نیک کاموں میں لگا بھی دیا جائے تو وہ مقصود کے اعتبار سے شہرت، نمائش، اور ٹیکسز وغیرہ بچانے کی خاطر ہو تا ہے۔[2]

تہذیب و تمدن کے ساتھ ارتکازِ دولت کی یہ فکر ہر دور میں رہی ہے۔جیسا کہ قرآن پاک نے قارون کا ذکر کیا ہے کہ اُس نے اس قدر دولت جمع کی کہ اس کے خزانوں کی چابیاں اتنا وزن رکھتی تھیں کہ جنہیں اٹھانے کے لیے مخصوص ملازم رکھے ہوئے تھے۔[3]

علامہ شمس الحق افغانیؒ لکھتے ہیں:

> ”سرمایہ دارانہ نظام دولت کے خون کو جذب کرنے میں ایک طاقت ور جونک کی طرح ہے کہ جہاں اس کا اثر پہنچا وہاں سے اس نے دولت کا خون چوس لیا“[4]

الغرض ارتکاز دولت سے سرمایہ ایک جگہ جمع ہو تا جاتا ہے اور جس سے امیر اور غریب کے درمیان بہت زیادہ فرق پڑتا ہے۔

4۔ مفاد پرستی:

انسان کی فطرت میں اللہ رب العزت نے محبت رکھی ہے وہ محبت کسی چیز سے بھی ہو سکتی ہے۔محبت دوسروں کی خواہشات کو اپنانے کا دعویٰ کرتی جو کہ ایک ایسے پیمانے کی محتاج ہے جس سے ان خواہشات کا انداہ لگایا جاسکے، سرمایہ دارانہ نظام کے پاس کوئی ایسا قانون، تصور اور پیمانہ نہیں ہے جس سے خواہشات کا اندازہ لگایا جاسکے یا پرکھا جاسکے چنانچہ سرمایہ دارانہ نظام ساتھ والے کو اپنی آزادی میں مخل ہونے کے ڈر سے برداشت نہیں کرتا، اسی لیے وہ تعلقات کو معاہدات کا نام دیتا ہے۔

سرمایہ دارانہ نظام میں تمام رشتے، اور تعلقات صرف اور صرف افراد کی حیثیت رکھتے ہیں۔وہ چاہے والدین ہوں، اولاد ہو یا کوئی اور رشتہ جن کو وہ اپنے ذاتی مفاد کے تصور کے ساتھ جوڑتا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر فرد کا اس کے ساتھ تعلق کسی نا کسی مفاد کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔دوسرے کے ساتھ تعلق غرض پوری ہونے تک محدود ہو تا ہے۔منڈیوں میں تجارتی

---

[1] عصمت اللہ، ڈاکٹر، زر کا تحقیقی مطالعہ شرعی نقطہ نظر سے، ادارہ المعارف، کراچی، ط2009ء، ص407

[2] عباسی، محمد حسیب، اسلام اور جدید افکار، ص115

[3] ڈار، عبدالحمید، پروفیسر، (دیگر مصنفین)، اسلامی معاشیات، ص97

[4] افغانی، شمس الحق، علامہ، سرمایہ دارانہ اور اشتراکی نظام کا اسلامی معاشی نظام سے موازنہ، ص27

تعلقات ہوں یا تجارتی تنظیموں کے ساتھ تعلق ہو، سکول میں اساتذہ سے کوئی تعلق ہو یا اساتذہ کا شاگرد کے ساتھ تعلق ہو وغیرہ یہ سب کے سب ذاتی اغراض کے ساتھ بندھے ہوئے ہیں ان میں محبت اور صلہ رحمی کا کوئی عنصر موجود نہیں ہے، یہ ہی مفاد پرستی رفتہ رفتہ قوت اور غلبہ حاصل کر جاتی ہے جو کہ سرمایہ دارانہ نظام کی روحانی قدر ہے۔[1]

معاشی اور سیاسی مفکرین نے مفاد پرستی کی بنیاد میں دو نظریات پیش کئے ہیں۔

1۔انفرادیت پسندی کا نظریہ

2۔اجتماعیت پسندی کا نظریہ

1۔انفرادیت پسندی کا نظریہ:

یہ ایک ایسا فلسفہ ہے جس میں انسان اپنے تمام تر تعلقات اور مفادات کو اپنی ذات کے ساتھ جوڑ لیتا ہے ہر چیز پر اپنے آپ کو ترجیح دیتا ہے، یہ ان احساسات کا نام ہے کہ جن میں معاشرے کا ہر فرد اپنے آپ کو اپنے سے وابستہ تمام تعلقات سے الگ تھلگ کر کے اپنے ہی ذاتی مفاد کے لیے ایک دائرے میں محصور کر لیتا ہے۔[2]

سرمایہ دارانہ نظام نے اس فلسفہ کو اہمیت کی نگاہ سے اپنے نظام میں جگہ دی ہے، جس میں انسان ہر چیز سے ماراء ہو کر صرف اور صرف اپنے مفاد کی خاطر اپنی سرگرمیوں کو ترتیب دے گا۔

2۔اجتماعیت پسندی:

اس فلسفہ اور نظریہ کے مطابق انسان کو اجتماعی طور پر سوچنے کے لیے مجبور محض کر دیا جاتا ہے۔فلسفہ انفرادیت میں انسان صرف اپنی ہی ذات کے مفاد کے لیے اپنی ساری جدوجہد کرتا ہے، جبکہ اِس میں انسان کی ساری کوششیں اجتماعی مفاد کے لیے ہوں گی۔اصل یہ نظریہ اشتراکیت کو قوت فراہم کرتا ہے جس میں ریاستی سطح پر معاشرے کے ہر ہر فرد کے مفاد کے مطابق پالیسی بنائی جاتی ہے۔[3]

سرمایہ دارانہ نظام کا اصول "ذاتی منافع کا محرک" ہے۔ جس میں فرد کو منافع کمانے میں آزاد چھوڑ دیا گیا ہے کہ جتنا مرضی منافع کمانا چاہے کما سکتا ہے، ذاتی نفع کا لالچ انسان کو مفاد پرست بنا دیتا ہے، حتی کہ وہ اگر کسی سے تعلق رکھ رہا ہے تو اس میں بھی اپنے ذاتی مفاد کو مد نظر رکھے گا۔ جس سے ایک مفاد پرست معاشرہ تشکیل پاتا ہے۔[4]

---

[1] افغانی، شمس الحق، علامہ، سرمایہ دارانہ اور اشتراکی نظام کا اسلامی معاشی نظام سے موازنہ، ص23؛انصاری، جاوید اکبر، ڈاکٹر (و دیگر مصنفین)، سرمایہ دارانہ انفرادیت کا حال اور مقام، ماہنامہ الشریعہ، گوجرانوالہ، شمارہ8، ج23، اگست 2012ء، ص20

[2] سحر، مس نسیم، ڈاکٹر، ریاست کے اداراتی مقاصد کے تناظر میں نظریہ انفرادیت اور اجتماعیت پسندی، ششماہی مجلہ الایضاح، شیخ زاید مرکز اسلامی، پشاور، جون 2016ء، ص103

[3] ایضاً، ص103

[4] مودودی، ابو الاعلیٰ، اسلام اور جدید معاشی نظریات، ص22

مفتی تقی عثمانی نے خواہشات کی تسکین، معاشرے میں اخلاقی بگاڑ کا فروغ، فحاشی اور عریانی کا سبب بھی اسی ذاتی منافع کے محرک کی آزادی کو ٹھہرایا ہے چنانچہ لکھتے ہیں:

"زیادہ منافع کمانے کا محرک اکثر لوگوں کے سفلی جذبات کو اپیل کرکے ان کی غلط خواہشات کی تسکین کا سامان فراہم کرتا ہے جس سے معاشرے میں اخلاقی بگاڑ پھیلتا ہے چنانچہ مغربی ممالک میں فحاشی اور عریانی کا ایک اہم سبب یہ بھی ہے"[1]

گویا کہ سرمایہ دارانہ نظام انسان کے سفلی جذبات پر کنٹرول کرکے اپنے بنائے گئے اصولوں کے تحت کام لیتا ہے۔ جس سے انسان میں حلال وحرام اور اجتماعی فلاح وبہبود کی تمیز ختم ہوجاتی ہے۔ اور معاشرہ مفاد پرستی اور خودغرضی کا گہوارہ بن کر رہ جاتا ہے۔

5۔ مسابقت، حرص وحسد اور لالچ:

سرمایہ دارانہ نظام میں مسابقت بہت لازمی جز ہے اور انسانی فطرت بھی ہے کہ وہ دوسرے سے آگے نکلنے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے، اور یہ صرف معاشیات میں ہی مقابلہ نہیں بلکہ زندگی کے ہر ہر شعبہ میں مقابلہ انسانی فطرت ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام سرمائے میں بڑھوتری کے لیے معاشرے میں مقابلے کو فروغ دیتا ہے۔ جتنا مقابلہ زیادہ ہوگا تو لوگ وسائل پیداوار کا بہتر استعمال کرکے اتنا ہی زیادہ نفع کمانے کی کوشش کریں گے۔ پروفیسر نعیم صدیقی لکھتے ہیں:

"مقابلے میں پیداواری ذرائع کا بہتر استعمال ڈھونڈا جاتا ہے"[2]

مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں:

"مقابلے میں آکر کسر وانکسار سے خود ہی قیمتوں کا ایک مناسب معیار قائم ہوجاتا ہے"[3]

حسد کا شمار اخلاقیات کے دائرے میں دیکھا جائے تو ایک بدترین خصلت ہے، جو انسانی زندگی کو مفلوج اور بدمزہ بنا دیتی ہے، حسد کرنے والا ہر وقت دل کے مرض میں مبتلا رہتا ہے اور اندر ہی اندر کڑھتا رہتا ہے، وہ مال جو اللہ پاک کی طرف سے اسے عطاء کیا گیا اس پر اکتفا کرنے کی بجائے دوسرے کے مال کا متلاشی ہوتا ہے، یہ دور حاضر میں ایک پوری ترتیب اور اہتمام کے ساتھ معاشرے کی بنیاد بن چکا ہے، ہر فرد دوسرے سے حسد کے مرض میں برابر کا حصہ دار ہے، اگر غریب ہے تو وہ امیر سے حسد کرے گا، تنگ دست ہے تو مالدار سے حسد کرے گا، کم علم والا ہے تو وہ زیادہ علم والے سے حسد کرے گا، قوم کے کمزور طبقے معاشی طور پر مستحکم طبقوں پر حسد کریں گے الغرض سارے کا سارا معاشرہ اس طوفان کی نظر ہوچکا ہے۔ جدید دور میں معاشیات کے شعبہ میں بھی سرمایہ دارانہ نظام اپنے معاشرے کا نام سول سوسائٹی رکھ کر اس میں حرص اور حسد کو اس کے قیام کی بنیاد قرار دیتا ہے اس میں بسنے والا ہر فرد حرص وحسد کا غلام ہوتا ہے چھوٹا تاجر بڑے تاجر سے حسد کرے گا،

---

[1] عثمانی، محمد تقی، مفتی، اسلام اور جدید معیشت وتجارت، ص40

[2] صدیقی، محمد نعیم، ڈاکٹر، اسلام اور جدید معاشی تصورات، ص88

[3] مودودی، ابوالاعلیٰ، اسلام اور جدید معاشی نظریات، ص23

چھوٹا مزدور کم کمانے والا بڑے مزدور زیادہ کمانے والے پر حسد کریں گے۔[1]

اسی طرح فرد میں روحانیت کی دلچسپی کمزور ہونے کی وجہ سے اس کی طبیعت لالچ کی اماجگاہ بن جاتی ہے، سرمائے کی شہوت میں اس کا طبیعی مادی رجحان اور اس کی توجہات مرکوز ہو جاتی ہیں۔ سرمائے کی شہوت میں اضافہ ہی انسان میں جنسی خواہشات بڑھائے گا اور اس کو اس بات پر ابھارے گا کہ وہ زیادہ سے زیادہ سرمایہ کمائے جو کہ سرمایہ داری میں مقصود ہے۔

[1] انصاری، جاوید اکبر، ڈاکٹر، سرمایہ داری کے نقیب، ص24

باب سوم

اقتصادیات میں روحانی پہلو کو نظر انداز کرنے کے اثرات

فصل اول

اقتصادیات میں روحانی پہلو کو نظر انداز کرنے سے لیبر طبقہ پر اثرات کا جائزہ

لیبر (Labour) معنی و مفہوم:

لیبر کام کرنے والے افراد کو کہا جاتا ہے جو اپنی محنت کسی معاوضے کے عوض پیش کرتے ہیں وہ محنت بدنی بھی ہو سکتی ہے اور ذہنی بھی۔ قاموس الجدید میں لیبر کا معنیٰ ہے:

"طبقة العمال،العمال المستخدمون فی مؤسسة"[1]

کام کرنے والوں کا طبقہ، کسی ادارے کے کام کرنے والے ملازم۔

فیروزاللغات میں لیبر کا معنیٰ:

"محنت، مشقت، اور لیبر پارٹی: مزدوروں کی جماعت انگلستان کی ایک سیاسی پارٹی ہے جو مزدورں کی نمائندگی کی دعویدار ہے"[2]

قرآن پاک میں یہ لفظ ان معنوں میں استعمال ہوا ہے:

" وَ الْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا "[3]

اور ان پر مقرر عاملوں کے لیے۔

سرمایہ دارانہ نظام اور لیبر / مزدور کی اہمیت و ضرورت:

مزدور یا لیبر کو معاشرے کی معاشی ترقی میں کلیدی اور ریڑ کی ہڈی کی حیثیت حاصل ہے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ جدید نظامہائے معیشت میں لیبر (محنت) کو عاملین پیدائش میں شامل کیا گیا ہے۔ مفتی تقی عثمانی لکھتے ہیں:

"سرمایہ دارانہ نظام میں عاملین پیدائش میں سے محنت سے مراد وہ انسانی عمل ہے جس کے ذریعے کوئی نئی پیداوار وجود میں آتی ہے"[4]

گویا کہ لیبر (محنت) کو سرمایہ دارانہ نظام نے عاملین پیدائش کے طور پر قبول کیا ہے۔ اور اس کا معاوضہ اجرت قرار دے کر مزدور (محنت) کو اس قدر آزادی دی ہے کہ وہ جتنی محنت کر کے کما سکتا ہے کمائے، اور دوسرے سرمایہ داروں کی طرح سرمایہ اکھٹا کر کے ایک اجیر سے آجر بن سکنے کا فلسفہ دیا ہے، پھر وہ مزدور ساری زندگی اسی کوشش میں گزار دیتا ہے۔ مزدور کی یہ ہی خواہشات سرمایہ دار کے سرمائے میں بڑھوتری کا سبب بنتی ہے۔ جبکہ مزدور انہی سرمایہ داروں کے رحم و کرم پر اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے محنت کرتا رہتا ہے۔

اشتراکیت اور لیبر / مزدور کی اہمیت:

سرمایہ دارنہ نظام کی طرح اشتراکیت میں بھی لیبر (محنت) عاملین پیدائش میں شامل ہے۔ البتہ اشتراکیت نے سرمایہ دارانہ

---

[1] قاسمی وحید الزمان، قاموس الجدید اردو، ادارہ اسلامیات پبلیشرز، لاہور، ط اول، 1990ء، ص908

[2] فیروزالدین، مولوی، فیروزاللغات اردو، ص1174

[3] التوبہ:60

[4] عثمانی، محمد تقی، مفتی، اسلام اور جدید معیشت و تجارت، ص53

نظام کی بے قید معیشت اور لا محدود آزادیوں سے جو مزدور طبقے کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا اس سے نمٹنے کے لیے یہ نظریہ پیش کیا کہ مزدور اور سرمایہ دار کے فرق کو ہی ختم کر دیا جائے، تمام وسائل پیدائش پر ریاست کا قبضہ ہو اور ریاست کا ہر باشندہ ریاست میں اجتماعی مفاد کے لیے کام کرے جس میں تمام افراد برابر کے شریک ہوں گے اور ان کو ریاست کی طرف سے مناسب معاوضہ دیا جائے گا۔ جس سے مزدور کی عزت اور اکرام بڑھ گیا اور اسے کام مہیا کرنے کی ذمہ داری ریاست نے اُٹھالی۔ خان بہادر کارل مارکس کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''سرمایہ داروں نے جو ظلم برپا کر رکھا ہے اس کا واحد علاج یہ ہے کہ دنیا سے جماعتی تفریق کو مٹا دیا جائے عمرانی زندگی کے مصائب والام صرف جماعتی امتیازات کی بنا پر ہیں اور اس کا ازالہ مزدوروں کی جماعت کا بر سر اقتدار آکر عالمگیر یکسانیت و مساوات پیدا کر دینا ہے''[1]

خواجہ عبد الوحید لکھتے ہیں:

> ''اجتماعی پیداوار کے ذرائع اور پیدائش دولت کے آلات کو افراد کے قبضے سے نکال کر حکومت کے قبضے میں لے آنا چاہیے تا کہ ان آلات و وسائل پر کسی خاص گروہ یا طبقہ کا قبضہ نہ رہنے پائے بلکہ جملہ افراد ان سے یکساں اور مساوی طور پر فائدہ اٹھا سکیں''[2]

بالفاظ دیگر اشتراکیت ایک ایسا اقتصادی نظام تھا کہ جو مزدور کے حقوق کا نعرہ لے کر قائم کیا گیا۔ اشتراکیت نے معاشرے میں مزدور کی اہمیت کا لیبل لگا کر اس کی تمام ضروریات، بھوک ، افلاس اور گھر کو چلانے کے لیے سامان مہیا کرنے کا وعدہ دیا ہے، جو کہ مزدور کو سرمایہ کاروں کے شکنجوں سے نکال کر ان کی غلامی سے آزادی کا سنہرا خواب دیکھاتی ہے۔

اسلام اور لیبر / مزدور کی اہمیت:

جدید معاشی نظاموں کے برعکس اسلام نے اجر اور اجیر کے درمیان تعلق کی بنیاد آخرت کے تصور کے ساتھ قائم کی ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

> ''إخوانكم خولكم جعلهم الله تحت ايديكم، فمن كان اخوه تحت يده فليطعمه مما ياكل وليلبسه مما يلبس، ولا تكلفوهم ما يغلبهم، فإن كلفتموهم فاعينوهم''[3]
>
> (یاد رکھو) ماتحت لوگ تمہارے بھائی ہیں۔ اللہ نے (اپنی کسی مصلحت کی بنا پر) انہیں تمہارے قبضے میں دے رکھا ہے تو جس کے ماتحت اس کا کوئی بھائی ہو تو اس کو بھی وہی کھلائے جو آپ کھاتا ہے اور وہی کپڑا اسے پہنائے جو آپ پہنتا ہے اور ان کو اتنے کام کی تکلیف نہ دو کہ ان کے لیے مشکل ہو جائے اور اگر کوئی سخت کام ڈالو تو تم خود بھی ان کی مدد کرو۔

یہ ہے اسلام کی روحانیت کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ بھی تمہارے ہی بھائی ہیں ان کے ساتھ وہی سلوک کیا جائے

---

[1] خان بہادر، و محمد یوسف، حاجی، اشتراکیت اور اسلام، ہمدرد برقی پریس، دہلی، س ن، ص 17

[2] عبد الوحید، خواجہ، اشتراکیت اور اسلام، اقبال اکیڈمی، لاہور، ص 8

[3] بخاری، الجامع الصحیح، كِتَاب الْإِيمَانِ، بَابُ وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَافَسَمَّاهُمُ الْمُؤْمِنِينَ، رقم الحدیث: 31

اوراگر ان پر کوئی کام بھاری گزرے تو ان کی مدد کر دیا کرو یہ شفقت اور رحم کا درس صرف اسلام میں نظر آتا ہے۔

اسلامی تعلیمات کی روشنی میں مزدور سے کام لینا:

اسلام مزدور سے کام لینے میں آجر کو یہ تعلیم دیتا ہے کہ مزدور کی استطاعت کے مطابق اس سے کام لیا جائے اس پر اتنا بوجھ نہ ڈال دو کہ جسے پورا کرنے میں اسے مشکل کا سامنا کرنا پڑے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" ولا تکلفوهم ما يغلبهم، فإن کلفتموهم فاعينوهم"[1]

اور ان کو اتنے کام کی تکلیف نہ دو کہ ان کے لیے مشکل ہو جائے اور اگر کوئی سخت کام ڈالو تو تم خود بھی ان کی مدد کرو۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

" إخوانكم جعلهم الله تحت ايديكم , فاطعموهم مما تاكلون , والبسوهم مما تلبسون , ولا تكلفوهم ما يغلبهم , فإن كلفتموهم فاعينوهم"[2]

(حقیقت میں لونڈی اور غلام) تمہارے بھائی ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے ماتحت کیا ہے، اس لیے جو تم کھاتے ہو وہ انہیں بھی کھلاؤ، اور جو تم پہنتے ہو وہ انہیں بھی پہناؤ، اور انہیں ایسے کام کی تکلیف نہ دو جو ان کی قوت و طاقت سے باہر ہو، اور اگر کبھی ایسا کام ان پر ڈالو تو تم بھی اس میں شریک رہ کر ان کی مدد کرو۔

مزدورں کے ساتھ حسن سلوک:

شریعت اسلامیہ نے مزدور کے ساتھ حسن سلوک اور اچھے اخلاق سے پیش آنے کو بڑی اہمیت دی ہے کیوں کہ اسی کی وجہ سے ہی معاشرے کی معاشی بنیادیں قائم ہیں حدیث پاک میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

" قال: فخدمته في السفر والحضر، ما قال لي لشيء صنعته لم صنعت هذا هكذا، ولا لشيء لم اصنعه لم، لم تصنع هذا هكذا"[3]

انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سفر اور حضر میں خدمت کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے کبھی کسی کام کے بارے میں جسے میں نے کر دیا ہو یہ نہیں فرمایا کہ یہ کام تم نے اس طرح کیوں کیا اسی طرح کسی ایسے کام کے متعلق جسے میں نہ کر سکا ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ تونے یہ کام اس طرح کیوں نہیں کیا۔

---

[1] بخاری، الجامع الصحیح، كِتَاب الْإِيمَانِ، بَابُ وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا فَسَمَّاهُمُ الْمُؤْمِنِينَ، رقم الحدیث: 31

[2] ابن ماجہ، السنن، کتاب الأدب، بَابُ: الإِحْسَانِ إِلَى الْمَمَالِيكِ، رقم الحدیث: 3690

[3] بخاری، الجامع الصحیح، كِتَاب الْوَصَايَا، بَابُ اسْتِخْدَامِ الْيَتِيمِ فِي السَّفَرِ وَالْحَضَرِ إِذَا كَانَ صَلاَحًا لَهُ، وَنَظَرِ الأُمِّ وَزَوْجِهَا لِلْيَتِيمِ، رقم الحدیث: 2768

حضرت انس رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے خدمت گزرار تھے فرماتے ہیں کہ مجھے سارے خدمت کے دور میں آپ ﷺ نے کبھی اف تک نہیں کہا جبکہ وہ بچے تھے کام میں کوتاہی ہو ہی جاتی ہے، لیکن آپ ﷺ نے خود عمل کر کے امت کو مزدور کے ساتھ حسن سلوک اور شفقت کا درس دیا۔

مزدور کی حوصلہ افزائی کرنا:

اسلام آجر کو یہ بھی سبق دیتا ہے کہ مزدور کو اس کی مزدوری کے علاوہ بھی کچھ دے دیا جائے تاکہ اس کی حوصلہ افزائی ہو سکے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

'' قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:'' إذا جاء خادم احدكم بطعامه , فليقعده معه، وليناوله منه، فإنه هو الذي ولي حره ودخانه''[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : جب تم میں سے کسی کا غلام کھانا لے کر آئے تو اسے چاہیئے کہ وہ غلام کو اپنے ساتھ بٹھائے، یا یہ کہ اس میں سے اسے بھی دے، اس لیے کہ وہی تو ہے جس نے اس کی گرمی اور اس کے دھوئیں کی تکلیف اٹھائی ہے۔

جدید نظامہائے اقتصادیات اور لیبر طبقہ:

عالمی سطح پر محنت کش اور مزدور طبقہ دنیا میں ملکی، سیاسی، معاشی اور معاشرتی سطح پر استحکام، خوشحالی اور تعمیر و ترقی کی منازل میں ہونے والی تبدیلیوں میں وہ سب سے بڑی مضبوط ترین قوت ہے جو ان کے بغیر ناممکن ہے، یہ انہی مزدور اور محنت کشوں کی انتھک محنتوں اور جدوجہد کا نتیجہ ہے کہ دنیا آج ترقی اور خوشحالی کی راہ پر گامزن ہے۔

جبکہ آج دنیا کے جدید نظامہائے معاشیات اور استحصالی قوانین نے محنت کشوں اور مزدورں کو اپنے ظلم و ستم، معاشی و سماجی ناانصافیوں کا نشانہ بنا کر طرح طرح کے مسائل میں محصور کر دیا ہے، جس سے آج کا محنت کش اور مزدور دربدر روندہ ہوا ٹھوکریں کھانے پر مجبور ہو چکا ہے۔ ان نظامہائے معاشیات نے حالات اس طرف دھکیل دیئے ہیں کہ اگر مزدور اپنے حق کی آواز اٹھاتا ہے تو عالمی طاقتیں ان پر اپنے مختلف ذرائع سے دباؤ ڈالنے کی کوشش کرتی ہیں۔ حالانکہ تاریخ میں جب بھی مزدور طبقہ منظم طور پر اٹھا ہے تو اس کے سامنے دنیا کی کوئی طاقت بھی پاؤں نہیں جما سکی۔[2]

جیسا کہ اشتراکیت نے مزدور کو سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف اکسایا اور بالآخر وہ تحریک ایک نظام کی شکل اختیار کر گئی، اگرچہ بعد میں اسے ناکامیوں کا سامنا کرنا پڑا۔

خواجہ عبدالوحید لکھتے ہیں کہ:

"1874ء میں کارل مارکس کی راہنمائی میں مزدوروں کی پہلی بین الاقوامی مجلس کے ماتحت یورپ کے

---

[1] ابن ماجہ، السنن،كتاب الاطعمة، بَابُ: اذااتى احدكم خادمه بطعامه فليناوله منه، رقم الحدیث: 3291

[2] قمبرانی، علی محمد، ڈاکٹر؛ بلوچ، منظور، "سرمایہ دارانہ نظام میں مزدور کا استحصال جاری ہے" مشمولہ "روزنامہ آزادی کوئٹہ"، کوئٹہ 1 مئی 2020
Archive :10/05/2022 at 05:37pm/
https://dailyazadiquetta.com/2020/05/01/bnp-168/

مختلف ممالک میں اشتراکی تحریک کی تنظیم کا کام شروع کیا گیا"[1]

آج کے اس عالمگیریت Globalization کے دور میں تمام دنیا اس کی زد میں آچکی ہے۔ کوئی طبقہ اس کے پر فریب اثرات سے نہیں بچ سکا۔ انفرادی معاملات (عقائد، عبادات اور رسومات) میں تو مسلم، ہندو اور مغربی معاشرے میں فرق نظر آتا ہے، جبکہ اجتماعی معاملات میں سب ایک ہی چھت تلے کھڑے نظر آتے ہیں وہ اجتماعی معاملات، معاشرتی و معاشی ہوں یا کہ سیاسی ہوں سب میں ایک ہی مرکز کے سامنے جھکے ہوئے ہیں، تمام نظریات و افکار اور نظام چاہے اس کا تعلق دنیا کے کسی طبقے سے بھی ہو ایک علاقائی نظام کی حیثیت اختیار کر کے سب نے اپنے سیاسی نظام کو ڈیموکریسی، معاشرتی اعتبار سے مغربی کلچر اور معاشی نظام کو سرمایہ دارانہ نظام کے تابع کر دیا ہے۔[2]

سرمایہ دارانہ نظام کے لیبر / مزدور پر اثرات:

ساری دنیا کے اجتماعی معاملات کو ایک پلیٹ فارم پر یکجا کر کے ان سب کو گلوبل نظام کے تابع کرنے کا اعزاز سرمایہ دارانہ نظام کو حاصل ہے۔ جس کا اثر جہاں دنیا کے مالدار طبقے اور سرمایہ دار کو پہنچا ہے مزدور بھی اس سے ایسے ہی متاثر ہوا ہے چنانچہ سرمایہ دارانہ نظام کی وجہ سے جو مزدور طبقے پر اثرات مرتب ہوئے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

1۔ مزدور استحصال کا شکار اور ان کے اموال پر ناحق قبضہ:

سرمایہ دارانہ نظام میں پیداوار کا اصل مقصد انسانی ضروریات کی تکمیل نہیں ہے بلکہ زیادتیِ منافع کا حصول ہے، سرمایہ دار کی نظر میں اسی اصول کے تحت زیادہ سے زیادہ منافع حاصل کرنے کے لیے اس مزدور کی کوئی وقعت نہیں ہوتی جو اس کے سرمائے میں اضافے کا سبب بنتا ہے۔ سرمایہ دار اس محنت کش طبقے کا استحصال کر کے اس کی محنت کے مطابق اجرت نہ دے کر اس کے مال پر ناحق قبضہ جماتا ہے۔ اور وہ ہی مزدور کی محنت سے حاصل کیا گیا مال سرمایہ داروں کی تجوریوں میں منتقل ہوتا رہتا ہے۔

مزدور طبقہ پیداواری عمل کے دوران کی گئی محنت سرمایہ داروں کی مکاریوں اور ہوشیاریوں سے کم لینے پر راضی ہو جاتا ہے اور سرمایہ دار اس استحصال کو فطری بنا کر پیش کرتا ہے۔ اسی طرح ایک دن میں مزدور طبقہ اپنی طے شدہ اجرت کے عوض محنت کرنے کے بعد سرمایہ دار کے لیے طے شدہ وقت سے زیادہ وقت لگاتا ہے جو سرمایہ دار کے منافع کے لیے ضروری ہوتا ہے، اس منافع کی ہوس میں وہ سرمایہ دار مزدور سے اسی طے کردہ مزدوری میں اضافی وقت چاہتا ہے، اضافی وقت نہ دینے کی صورت میں اگلے دن کام نہ ملنے کے ڈر سے مزدور استحصال کا شکار ہو جاتا ہے اور سرمایہ دار اس کے اضافی وقت کی اجرت پر ناحق قابض ہو جاتا ہے۔

جبکہ ہمارا معاشرہ عمومی طور پر اس غلط فہمی کا شکار ہے کہ ناحق مال صرف چوری، ڈاکہ یا رشوت وغیرہ کو کہا جاتا ہے، جبکہ اس

---

[1] عبد الوحید، خواجہ، اشتراکیت اور اسلام، ص18

[2] محمد زبیر، حافظ، ندیم غفور، چوہدری، عالمی سرمایہ دارانہ نظام اور مقامی نظام (حالات وواقعات)، ماہنامہ الشریعۃ، گوجرانوالہ، شمارہ1، ج26، جنوری2015ء، ص20

کے علاوہ بھی بہت سارے معاملات ایسے ہیں جو ناحق مال کے دائرے میں آتے ہیں۔ لیکن سرمایہ داری کا غلبہ ہونے کی وجہ سے حق اور ناحق کا فرق ہمارے ذہنوں سے مفقود ہو چکا ہے۔ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

'' وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ''[1]

اور ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ اور نہ اس کو (رشوۃً) حاکموں کے پاس پہنچاؤ تاکہ لوگوں کے مال کا کچھ حصہ ناجائز طور پر کھا جاؤ اور (اسے) تم جانتے بھی ہو۔

اللہ رب العزت نے یہاں دو باتیں بیان فرمائی ہیں کہ ایک تو مال ناحق نہ کھاؤ اور دوسرا اسے حاصل کرنے کے لیے اعلیٰ حکام کے دروازے پر نہ جاؤ کیونکہ ان کے پاس جانے سے بھی یہ حرام مال جو ناجائز طریقے سے حاصل کر رہے ہو یہ حلال نہیں ہو جانا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''ان رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال:'' إنكم تختصمون إلي ولعل بعضكم الحن بحجته من بعض،فمن قضيت له بحق اخيه شيئا بقوله فإنما اقطع له قطعة من النار، فلا ياخذها''[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم لوگ میرے یہاں اپنے مقدمات لاتے ہو اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک تم میں دوسرے سے دلیل بیان کرنے میں بڑھ کر ہوتا ہے (قوت بیانیہ بڑھ کر رکھتا ہے) پھر میں اس کو اگر اس کے بھائی کا حق (غلطی سے) دلا دوں، تو وہ حلال (نہ سمجھے) اس کو نہ لے، میں اس کو دوزخ کا ایک ٹکڑا دلا رہا ہوں۔

ان نصوص میں کوئی چوری یا رشوت کی قید نہیں لگائی بلکہ یہ عام ہے ناحق مال کھانے کی کوئی بھی صورت ہو سکتی ہے، جیسا کہ آج فیکٹریوں اور کارخانوں کے علاوہ عام معاشرے میں بھی مزدور کے ساتھ مزدوری طے کرتے وقت زیادہ دینے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، کوشش یہ ہی کی جاتی ہے کہ جتنا کم سے کم ہو سکے مزدوری طے کی جائے۔ مزدور اپنی بے بسی کے باعث کم سے کم اجرت پر راضی ہو جاتا ہے، کیونکہ اسے اس بات کا بھی علم ہے کہ اگر یہ مزدوری وہ نہیں کرے گا تو دوسری جگہ بھی تو اسے انہی جیسے حالات کا سامنا کرنا پڑے گا، جس پر سرمایہ دار یہ کہتے ہیں کہ مزدور خود اتنی اجرت پر راضی ہے۔ محمد عبد اللہ شاہ ولی اللہؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

" بلاشبہ مفلس اپنے افلاس کی وجہ سے خود پر ایسی ذمہ داریاں عائد کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے جن کا پورا کرنا اس کی قدرت سے باہر ہوتا ہے۔ اس کی وہ رضامندی نہیں ہوتی اس قسم کے تمام معاملات رضامندی کے معاملات نہیں کہے جاسکتے اور نہ ان کو پاک ذرائع آمدنی کہا جاسکتا ہے"[1]

---

[1] البقرۃ:188

[2] بخاری، الجامع الصحیح، كِتَاب الشَّهَادَاتِ، بَابُ مَنْ أَقَامَ الْبَيِّنَةَ بَعْدَ الْيَمِينِ، رقم الحدیث: 2680

آجر اور اجیر کے درمیان وہ معاہدے جس میں مفلس مجبوراً کم اجرت پر رضامندی کا اظہار کردے وہ اجیر (مزدور) کی رضامندی شمار نہیں کی جائے گی۔ اسلام بھی مجبور اجیر کی اس رضامندی کو مزدور کی رضا کے طور پر تسلیم نہیں کرتا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

'' عن النبي صلى الله عليه وسلم، قال:قال الله تعالى:'' ثلاثة انا خصمهم يوم القيامة: رجل اعطى بي ثم غدر، ورجل باع حرا فاكل ثمنه، ورجل استاجر اجيرا فاستوفى منه ولم يعطه اجره''[2]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ تین قسم کے لوگ ایسے ہیں کہ جن کا قیامت میں میں خود مدعی بنوں گا۔ ایک تو وہ شخص جس نے میرے نام پہ عہد کیا، اور پھر وعدہ خلافی کی۔ دوسرا وہ جس نے کسی آزاد آدمی کو بیچ کر اس کی قیمت کھائی اور تیسرا وہ شخص جس نے کسی کو مزدور بنایا، پھر کام تو اس سے پورا لیا، لیکن اس کی مزدوری نہ دی۔

اسلام اجر اور اجیر کے درمیان باضابطہ طور پر معاہدہ بندی کی تعلیم دیتا ہے جس میں اخوت، بھائی چارہ اور الفت کا پہلو دونوں میں عدل اور نیکی کا جذبہ پیدا کرتا ہے جس سے ایک نیک اور صالح معاشرہ تشکیل پائے گا۔

مزدور کا حق خدمت ادا کرنے میں کاہلی:

آج مزدور کو مزدوری طے کرتے وقت تو کم اجرت پر راضی کیا ہی جاتا ہے، لیکن اس کے حق خدمت کی ادائیگی میں بھی سستی اور کاہلی سے کام لیا جاتا ہے ،جب ایک مزدور سارا دن کام کرتا ہے اور سرمایہ دار کام کی تکمیل پر حیل وحجت سے کام لیتا ہے۔ اسلام اسے حیلے بہانے سے اجر کو منع کرتا ہے اور وقت پر حق الخدمت دینے کا پابند کرتا ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

'' قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:'' اعطوا الاجير اجره قبل ان يجف عرقه''[3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :"مزدور کو اس کا پسینہ سوکھنے سے پہلے اس کی مزدوری دے دو۔

اسلام نے مزدور کو اسکا پسینہ خشک ہونے سے پہلے اس کی مزدوری ادا کرنے کا حکم دیا ہے جس سے معاشرے میں امن اور سلامتی کی فضاء قائم ہو گی۔

---

[1] محمد عبداللہ، شاہ ولی اللہ کے معاشی نظریات کا تحقیقی مطالعہ، ڈاکٹر حسام الدین منصوری، مقالہ برائے پی ایچ ڈی، کلیہ معارف اسلامیہ، جامعہ کراچی 2005ء، ص383

[2] بخاری، الجامع الصحیح، كِتَاب الْإِجَارَةِ، بَابُ إِثْمِ مَنْ مَنَعَ أَجْرَ الأَجِيرِ، رقم الحدیث: 2270

[3] ابن ماجہ، السنن، کتاب الرهون، بَابُ : أَجْرِ الأُجَرَاءِ، رقم الحدیث:2443

2۔ غربت، افلاس اور فاقہ کشی:

سرمایہ دارانہ نظام کے تحت آج کا مزدور مشقت، بھوک، افلاس، فاقہ کشی اور گھریلو مسائل کا گھوارہ بن چکا ہے۔ اجرتوں کی کمی کے باعث ان کا گھریلو نظامِ زندگی بھی مفلوج ہو چکا ہے، علاج معالجہ، تعلیمی سہولیات کے فقدان نے مزدور کو نفسیاتی الجھنوں میں دھکیل دیا ہے۔ سرمایہ دار کے تلخ رویوں اور مہنگائی کے سیلاب نے اس کا جینا محال کر دیا ہے، صنعتکاروں نے اپنے زیادہ سے زیادہ منافع کے لیے لیبر طبقہ کا استحصال کر کے ان کو فاقہ کشی پر مجبور کر رکھا ہے۔

دنیا ظاہری ترقی سے لذت حاصل کر رہی ہے لیکن اس حسین اور پر فریب جال میں غریب ظلم کی چکی میں پستا چلا جا رہا ہے اور امیر اپنے سرمائے کو اپنے ہی بازوؤں میں دبوچ کر امیر تر ہوتا جا رہا ہے۔

جدید نظامِ معیشت "سرمایہ دارانہ نظام" نے سرمائے کے حصول کی دوڑ میں فرد کو آزاد قرار دے کر جتنا مرضی چاہے سرمایہ اکٹھا کر سکنے کی کشمکش میں الجھا دیا ہے، اور اس سرمائے کو اپنی مرضی کے مطابق استعمال کرنے کی آزادی دی ہے۔ چاہے تو وہ اس سرمائے کو اپنے کسی کام میں لگائے یا اسے کام یا کاروبار میں لگائے بنا ہی اپنے پاس اکٹھا کرتا جائے اس پر سرمایہ دار کو مکمل ملکیت حاصل ہے۔ پروفیسر غلام رسول لکھتے ہیں:

> "سرمایہ داری نظام میں ہر شخص اپنی املاک کو اپنی مرضی کے مطابق استعمال کرتا ہے۔ وہ کسی دوسرے فرد کی اطاعت کا محتاج نہیں ہوتا"[1]

جس سے سرمایہ چند افراد کی ملکیت میں گھومتا رہتا ہے اور معاشرے میں مزدور طبقہ جن کا سارا دارومدار ان سرمایہ دارانہ افراد کے رحم و کرم پر ہے، وہ افلاس، غربت اور فاقہ کشی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہو جاتے ہیں، اور جو سرمایہ دار سے کچھ محنت اور اجرت ملتی ہے اس سے اس کا گھر چلانا اور اپنی دو وقت کی روٹی کا انتظام کرنا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔

یہ سارا دن کارخانوں اور سرمایہ داروں کے ماتحت کام کرتے رہتے ہیں جن کی محنت کی بدولت سرمایہ دار امیر سے امیر تر ہوتے جاتے ہیں جن کے مال میں اس مزدور کا اس کی اجرت کے علاوہ کوئی حق نہیں تو معاشرے میں چوری، قتل وغارت اور ڈاکہ زنی جیسے فتنے سر اٹھانے لگتے ہیں جو معاشی اور معاشرتی خرابیوں کا سبب بنتے ہیں۔

اسلام نے انہی برائیوں کا سدباب کرنے کے لیے ارتکازِ دولت سے منع فرما کر غریب کو اس کا حق صدقات کی صورت میں، زکوۃ کی صورت میں، یا باہمی امداد کی صورت میں ادا کر کے دولت کی گردش کا حکم دیا ہے اور مزدور کو اس کا حق ادا کرنے کی تلقین کی ہے۔ تاکہ مزدور غربت، افلاس اور فاقہ کشی سے محفوظ رہ سکے۔ بہت ساری آیات اور احادیث مبارکہ اس پر دال ہیں جیسے کہ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

> " وَيْلٌ لِكُلِّ هُمَزَةٍ لُمَزَةٍ ٥الَّذِي جَمَعَ مَالًا وَعَدَّدَهُ ٥يَحْسَبُ أَنَّ مَالَهُ أَخْلَدَهُ ٥كَلَّا لَيُنْبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ٥ "[2]

---

[1] چیمہ، غلام رسول، پروفیسر، اسلام کا معاشی نظام، ص70

[2] الھمزۃ:1-4

ہلاکت ہے ہر بہت طعنہ دینے والے، بہت عیب لگانے والے کے لیے۔ وہ جس نے مال جمع کیا اور اسے گن گن کر رکھا۔ وہ گمان کرتا ہے کہ اس کا مال اسے ہمیشہ زندہ رکھے گا۔ ہر گز نہیں، یقیناوہ ضرور حُطمہ میں پھینکا جائے گا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

'' وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ''[1]

اور جو لوگ سونا اور چاندی خزانہ بنا کر رکھتے ہیں اور اسے اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے، تو انھیں دردناک عذاب کی خوش خبری دے دے۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

'' ذكر أصناف المال حتّى رأينا أنّه لا حق لأحد منّا في الفضل''[2]

آپ ﷺ مال کی مختلف اصناف کا ذکر فرماتے رہے حتیٰ کہ ہم نے یہ گمان کر لیا کہ ہم میں سے کسی کو اپنے فاضل مال پر کسی قسم کا کوئی حق حاصل نہیں۔

قرآن مجید اور احادیث مبارکہ سے یہ ہی وضاحت ملتی ہے کہ بنیادی حقِ معاش میں تمام افراد برابر ہیں، کسی بھی سرمایہ دار کا مال مزدور کے استحصال اور غربت میں اضافے کے لیے نہیں بلکہ اللہ رب العزت نے اسے بطور امانت کے مال و دولت عطاء کی ہے، جس میں ہر صاحبِ حق کا حق شامل ہے۔

3۔ بے روزگاری کا شکار:

عالمی سطح پر مزدور تنگی، بے روزگاری اور کئی ایسے مسائل کا شکار ہے جن کو جدید معاشی نظام (سرمایہ دارانہ نظام) نے معاشرے میں رائج کر دیا ہے۔ معاشی بحران اور کساد بازاری کو اس کا بنیادی سبب ٹھہرایا جاتا ہے۔ جس سے معاشرے میں بے روزگاری اور غربت پیدا ہوتی ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام کے زیادہ سے زیادہ نفع کمانے کے تصور نے سرمایہ دار میں لالچ اور زیادہ کی تمنا کو اس طرح پیوست کیا ہے کہ اجر اور اجیر کے درمیان تعلق صرف مفاد کی حد تک رہ گیا ہے۔ چنانچہ اگر سرمایہ دار اپنے نفع کے لیے پیداوار میں بے جا اضافہ کر دیں اور دوسری جانب سے طلب میں اس کی رسد کے مطابق کوئی خاطر خواہ اضافہ نہیں ہوتا، جس کے نتیجے میں پیدائش کے عمل کو روکنا پڑتا ہے اور مزدور بے روزگار ہو جاتے ہیں۔

سرمایہ دارانہ نظام میں ایک سرمایہ دار کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ کام مشین کی مدد سے لیا جائے تاکہ پیداوار زیادہ ہو اور زیادہ سے زیادہ نفع کمایا جاسکے اور مزدور کی نسبت مشین پر سرمایہ بھی کم خرچ ہو گا اور مزدور کے مقابلے میں مشین کے لوازمات بھی کم ہوں گے، جیسا کہ: خوشی، غمی، دکھ، سکھ اور دیگر معاشرتی مسائل مشین کو درپیش نہیں ہوں گے، جن کی وجہ سے کام میں اتار چڑھاؤ پیدا ہوتا ہے ان سارے مسائل کو سامنے رکھتے ہوئے ایک سرمایہ دار مزدور کی بجائے مشین کو ترجیح

---

[1] التوبۃ:34

[2] محمد بن عبد اللہ، مشکوۃ المصابیح، کتاب البیوع، قدیمی کتب خانہ، کراچی، 1980ء، ص237

دیتاہے۔جو کہ بے روز گاری کا سب سے بڑا سبب ہے۔ Louise O.Kelso and Martimer j.Adler لکھتے ہیں:

"With the invention and importance of power driven machine, labour began to lose its place as the chief form of productive property. As the efficiency of the machines increased, the burden of production gradually shifted from ment to machines"[1]

بجلی سے چلنے والی مشینوں کی ایجاد اور اہمیت نے مزدور کی اس حیثیت کو کم کر دیا جو پیداوار کے مراحل میں تھی، مشینوں کی کارگردگی بڑھنے کے ساتھ ساتھ پیداوار کا سارادارومدار مزدور کی بجائے مشین پر ہو گیا۔

مشین کی صنعت میں جہاں بہت سارے فوائد بھی ہیں مثلاً وقت کی بچت سرمائے کی بچت اور آسانی وغیرہ اس کے ساتھ مزدور کے لیے نقصان دہ بات یہ ہے کہ وہ ہنر مند ہونے اور سرمایہ نہ ہونے کی وجہ سے بے روزگار ہے۔ جبکہ سرمایہ دار تب بھی مالدار تھا جب مشین نہیں تھی اور سرمایہ دار اب بھی مالدار ہے جب مشین آگئی ہے، مسائل صرف مزدور کے لیے ہیں جس کے پاس دو وقت کے کھانے کے لیے کوئی ذریعہ معاش نہیں ہے۔Fred Goldstein مشین کا مزدور کے لیے بے روزگاری کا سبب بنے کے بارے میں لکھتے ہیں:

"In today's high tech capitalist society, the skill that young people were trained are increasingly being put into machine, and software to replace their labor"[2]

آج کے جدید ٹیکنالوجی کے سرمایہ دار معاشرے میں نوجوانوں کا ہنر مشین کی طرف منتقل ہو رہا ہے جس کی نوجوان کو تربیت حاصل تھی۔

گویا ہنر کی جگہ جدید ٹیکنالوجی نے لے لی ہے جیسے: خطاطی کا پیشہ تھا جس کی جگہ آج کمپوٹر اور پرنٹر آگئے اور ان کی اہمیت ختم ہو گئی۔ آج کا مزدور طبقہ روزگار نہ ملنے کی وجہ سے ذہنی پریشانیوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ یہ مزدور طبقہ جرائم پیشہ طبقے سے منسلک ہو جاتا ہے یا پھر بے روزگاری اور غربت سے تنگ آکر خودکشی جیسی حرام موت کو منہ لگالیتا ہے۔ جیسا کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''كاد الفقر ان يكون كفرا وكاد الحسد ان يغلب القدر''[3]

قریب ہے کہ فقر (اللہ پر اعتراض کرنے کی وجہ سے) کفر بن جائے اور قریب ہے کہ حسد تقدیر پر غالب آجائے۔

بے روزگاری فقر کا سبب بننے کے ساتھ ساتھ معاشرے کے امن سکون کو برباد کر کے رکھ دیتی ہے، حتیٰ کہ انسان مایوس ہو کر زبان سے وہ الفاظ بھی بول دیتا ہے جو انسان کو کفر تک پہنچا دیتے ہیں۔

---

[1] Louise O.Kelso and Martimer j.Adler,The Capitaist Mainfesto,Published by Random House, New York, 1958, P.103

[2] Fred Goldstein ,Capitalism at a dead end ,Published by Federal University of Espirito sentro Brazil, 2011, P.15

[3] محمد بن عبد اللہ، مشکوۃ المصابیح، كتاب الآداب، رقم الحدیث:5051

اسلام حاکم وقت کو اس کی رعایا کے جان، مال، عزت آبرو اور معاشی و معاشرتی تمام معاملات کی ذمہ داری سونپتا ہے جیسا کہ:
حضرت زید بن اسلم سے روایت ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا واقعہ نقل کرتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ بچوں کے رونے کی آوازیں سن کر غریب عورت کے گھر بیت المال سے ایک بوری میں آٹا، کھجوریں، چربی، کپڑے اور کچھ درہم لئے اور خود اپنے کندھے پر اٹھا کر عورت کے گھر چھوڑنے تشریف لے گئے اور ان کے چولہے میں آگ جلا کر ان کو کھانا کھلایا۔[1]
یہ اسلامی نظام کی روحانیت ہے کہ وقت کا حاکم جب اسے کسی بھوکے کا پتہ چلتا ہے تو وہ کس قدر بے چین ہو جاتا ہے۔

4۔ مزدور معاشرے میں حقارت کا شکار:

جدید ترقی یافتہ معاشرے کا عالم یہ ہے کہ وہ مزدور جو ریاستی معاشی اور معاشرتی اقدار کا ضامن تھا اس کو حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ ہر معاملے میں مزدور کا بنیادی کردار ہے اس کے باوجو ان کی تمام محنتیں راکھ ہو جاتی ہیں کبھی تو عالیشان عمارتوں کی بنیادوں میں اور کبھی سرمایہ دار کے کاروباور کو عروج بخشنے میں، جن کی بدولت سرمایہ دار کی عزت وو قار کی بقاہے۔ یہ ہی اپنے خون پسینے میں لت پت معاشرے کا حقیر طبقہ شمار کئے جاتے ہیں، ان کے ساتھ رہنا اور کھانا پینا سرمایہ دار اپنے لیے عیب تصور کرتا ہے، اس بے سہارہ طبقے کے ساتھ خوش دلی سے پیش انا اور ان کی ضروریات کو پورا کرنا وقار کے خلاف اور فضولیات میں حصہ لینے کے مترادف سمجھا جاتا ہے، ان کے دکھ درد کو سمجھنا اور ان کے ساتھ تعلقات قائم کرنا عزت اور شہرت کے خلاف سمجھا جاتا ہے۔
اس نظریے اور فکر نے انسانی بنیادوں کو کھوکھلا کر دیا ہے جس نے انسانیت کے دل سے احترامِ انسانیت کو ختم کر کے ایک ایسے پیمانے کے حوالے کر دیا ہے جس میں ہمدردی نام کا تصور تک موجود نہیں ہے جس میں مزدور کے خون سے اپنی ترقی کے دیئے جلانا آسان ہو گیا ہے۔ مجبور کی آہ وبکا اور سسکیوں کی طرف دھیان کو غیر ضروری قرار دیا گیا ہے۔ سرمایہ داروں اوراجارہ داروں نے مزدور کی روزی روٹی کا خدائی دعوٰی کرنا شروع کر دیا ہے جبکہ مزدور کو رزق دینے کا ذمہ تو اللہ رب العزت نے لیا تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَاللَّهُ خَيْرُ الرَّازِقِينَ"[2]

اور اللہ سب رزق دینے والوں سے بہتر ہے۔

اللہ رب العزت کا رزق کا وعدہ کرنے کے باوجود مزدور کو سرمایہ داروں سے حقارت امیز جملے اور گالیاں سننے کو ملتی ہیں جن سے پہلو تہی پر مزدوری سے ہٹا دینے کی دھمکیاں سہنی پڑتی ہیں۔
جبکہ اسلام نے مزدور کو وہ مقام اور اہمیت دی ہے کہ جس میں مزدور معاشرے کا باوقار اور عزت مند انسان شمار ہوتا ہے جس کی پورے معاشرے کو ضرورت ہوتی ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے مزدور کی اہمیت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

---

[1] الجزری، عزالدین بن الاثیر، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابۃ، مکتبہ دارالفکر، بیروت، س ن، ج3، ص662
[2] الجمعہ:11

" ما بعث الله نبيا إلا رعى الغنم، فقال اصحابه: وانت؟ فقال: نعم، كنت ارعاها على قراريط لاهل مكة"[1]

اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسا نبی نہیں بھیجا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضوان اللہ علیہم نے پوچھا کیا آپ نے بھی بکریاں چرائی ہیں؟ فرمایا کہ ہاں! کبھی میں بھی مکہ والوں کی بکریاں چند قیراط کی تنخواہ پر چرایا کرتا تھا۔

دوسری جگہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" لان یاخذ احدکم حبله فیاتي بحزمة الحطب علی ظهره فیبیعها فیکف الله بها وجهه، خیر له من ان یسال الناس اعطوه او منعوه"[2]

تم میں سے کوئی بھی اگر (ضرورت مند ہو تو) اپنی رسی لے کر آئے اور لکڑیوں کا گٹھا باندھ کر اپنی پیٹھ پر رکھ کر لائے۔ اور اسے بیچے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ اس کی عزت کو محفوظ رکھ لے تو یہ اس سے اچھا ہے کہ وہ لوگوں سے سوال کرتا پھرے اسے وہ دیں یا نہ دیں۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

" ما اکل احد طعاما قط، خیرا من ان یاکل من عمل یده، وإن نبي الله داود علیه السلام، کان یاکل من عمل یده"[3]

کسی انسان نے اس شخص سے بہتر روزی نہیں کھائی، جو خود اپنے ہاتھوں سے کما کر کھاتا ہے اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام بھی اپنے ہاتھ سے کام کر کے روزی کھایا کرتے تھے۔

ان تمام فرامین سے واضح ہوتا ہے کہ مزدو ایک قابل رشک انسان اور عزت و احترام کا مالک ہے کیونکہ محنت اور مزدوری انبیاء کا شیوہ ہے۔

معلوم ہوا کہ جس نے مزدور کو حقارت کی نظر سے دیکھا وہ شریعت اور اسلام کی نظر میں خود حقیر ہے۔ محنت کے ذریعے ایک مزدور اپنے اپ کو تنگی اور لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے روک لیتا ہے۔ لہٰذا انسان اپنی محنت کو رزق کا ذریعہ قرار نہ دے، بلکہ یہ اعتقاد رکھے کہ مجھے محنت کا حکم ہے اور رزق تو خدا ہی دیتا ہے۔

اشتراکیت کے لیبر / مزدور پر اثرات:

اشتراکیت سرمایہ دارانہ نظام کے مقابلے میں وجود میں آنے والا ایسا نظام ہے جس میں نجی ملکیت کا تصور سرے سے ہی نہیں ہے۔ تمام پیداوار کے ذرائع ریاست کے قبضہ میں ہوتے ہیں۔ جیسے سید باقر الصدر لکھتے ہیں:

"انفرادی ملکیت کے بارے میں اشتراکیت کا خیال ہے کہ معاشرے میں اس کا نام بھی نہ لیا جائے گا

---

[1] بخاری، الجامع الصحیح، کِتَاب الْإِجَارَةِ، بَابُ رَعْيِ الْغَنَمِ عَلَى قَرَارِيطَ، رقم الحدیث: 2262

[2] ایضاً، کِتَاب الزَّكَاة، بَابُ الِاسْتِعْفَافِ عَنِ الْمَسْأَلَةِ، رقم الحدیث: 1471

[3] ایضاً، کِتَاب الْبُيُوعِ، بَابُ كَسْبِ الرَّجُلِ وَعَمَلِهِ بِيَدِهِ، رقم الحدیث: 2072

اور تمام املاک خواہ وہ سرمایہ دارانہ ہوں یا شخصی ہوں سب کو عوام کی ملکیت قرار دیا جائے گا اور پھر ایک معین ضابطے کے تحت تقسیم کیا جائے گا"[1]

اس اصول کا معاشرے پر یہ اثر ہوا کہ انسان دو وقت کے کھانے کے بدلے اپنے آپ کو ریاست کے حوالے کر دیتا ہے جس سے ریاست اپنا من چاہا کام لے کر من چاہا معاوضہ دے دیتی ہے۔ اور خود سرمائے پر قابض رہتی ہے۔ جس کو مزدور کے مفاد کی کوئی فکر نہیں ہے بس اپنے بنائے گئے نظریات اور تصورات کا تحفظ چاہتی ہے۔ اس سب کے باوجود انہوں نے تمام قسم کے مظالم و بربریت کا ذمہ دار اسلام کو ٹھہریا ہے۔ جیسا کہ خان بہادر لکھتے ہیں:

"اشتراکیت ایک خالصتاً اقتصادی اور سیاسی تحریک ہے جسے مذہب سے کوئی سروکار نہیں ہونا چاہیے، کیونکہ ان کے نزدیک دنیامیں غریب انسانوں پر جس قدر ظلم واستبداد کی قیامتیں ٹوٹ رہی ہیں سب مذہب کے وجود سے ہیں"[2]

اشتراکیت نے تمام تر فسادات کو مذہب کے ذمے لگا دیا ہے کہ جس قدر مظالم کا بازار گرم ہوا ہے سارے کا سارا مذہب ہی کو قصوروار ٹھہرا کر اپنے ظالمانہ اور جابرانہ رویے کو چھپانے کی کوشش کی ہے۔

جبکہ اسلام نے تو انسان کا ہمدرد اور ایسا عادلانہ نظام پیش کیا ہے جس میں صرف مزدور کے نہیں بلکہ تمام حق داروں کے حقوق ان کو باہم ملتے ہیں، اسلام اشتراکیت کی طرح نہ تو مکمل طور پر اجتماعی ملکیت اور نہ ہی سرمایہ دارنہ نظام کی طرح مکمل انفرادی ملکیت کا قائل ہے بلکہ اسلام ان کے درمیان ایک معتدل راہ دیتا ہے جس میں ملکیت کاملہ تو رب العزت کی قرار دیتا ہے اور انسان کو بطور نیابت ملکیت حاصل ہے۔ جس کو احکم الحاکمین کے حکم کے مطابق عمل میں لایا جاتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مزدور کو اس کی مزدوری کا مکمل حق ملنے کے بعد بھی اگر وہ ضرورت مند ہے تو اس کے تعاون کا اسلام حکم دیتا ہے۔ جس سے مزدور اپنی روز مرہ ضروریات کو بآسانی انجام دے سکتا ہے۔ اور معاشرہ بہت سی معاشی اور سماجی خرابیوں سے محفوظ رہتا ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

'' وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ''[3]

اور ان کے مالوں میں سوال کرنے والے اور محروم کے لیے ایک حصہ تھا۔

آیت مبارکہ میں دو باتیں واضح ہوتی ہیں ایک تو "اموالہم" سے معلوم ہوا کہ اللہ رب العزت نے انسان کو ملکیت دی ہے اور دوسری بات کہ انسان کی اس ملکیت میں دوسرے بھی حق دار شامل ہیں۔

---

[1] باقر الصدر، سید، اسلامی اقتصادیات اور جدید اقتصادی مکاتب، (مترجم سید ذیشان حیدر)، ناشر سازمان تبلیغات اسلامی، روابط بین الملل، 1406ھ، ص302

[2] خان بہادر، و محمد یوسف، حاجی، اشتراکیت اور اسلام، ص18

[3] الزاریات:19

فصل دوم

اقتصادیات میں روحانی پہلو کو نظر انداز کرنے سے عام تعلقات پر اثرات کا جائزہ

معاشرہ کا معنی و مفہوم:

"معاشرہ" عربی زبان کا لفظ اور باب مفاعلہ کا مصدر ہے، باب مفاعلہ کا خاصہ یہ ہے کہ اس میں فرقین کا باہم ایک فعل میں شریک ہونا پایا جاتا ہے۔ تو اس لحاظ سے "معاشرہ" کا معنی ہوا "کسی جماعت کا باہمی میل جول"۔ ابن منظور معاشرہ کے معنی لکھتے ہیں:

"العشرة (شهباء:المخالطة)يقال (عاشره،معاشرةً،وتعاشروا،واعتشرو،(تخالطو)"[1]

العشرۃ کا معنی جماعت ہے جس سے مراد باہم میل جول ہے، کہا جاتا ہے کہ (عاشرۃ معاشرۃ کے ساتھ باہم میل جول رکھتا ہے، وہ باہم مل جل کر رہے، وہ گھل مل گئے، (انہوں نے آپس میں میل جول رکھا)۔

علامہ محمد قرطبی معاشرہ کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وہی الجماعة التی ترجع الی عقدواحدکعقد العشرة فمازادو منه العاشرة وهی الاجتماع علی الشیء"[2]

عشیرۃ کے معنی جماعت ہیں اور اسی سے لفظ معاشرہ ہے جس کے معنی کسی چیز پر جمع ہونے کے ہیں۔

المصطفوی لکھتے ہیں جس سے عشرۃ اور معاشرہ کا باہمی تعلق واضح ہو جاتا ہے:

"فان العشرة يصدق فيه مصاحبة الاعدادالتسعةواختلاطهاوامتزاجها،فان فيه جاع الاعدادشمولاًاو علی البدل"[3]

بے شک عشرہ صادق آتا ہے نو اعداد کے اکھٹے ہونے، باہمی میل جول اور ہر ایک کی حیثیت پر کیونکہ اس میں اعداد کا اجتماع شامل ہونے کے اعتبار سے یا بدل ہونے کے اعتبار سے ہے۔

انگلش میں معاشرہ کو سوسائٹی (society) کہا جاتا ہے۔

"An organized group of persons associated together for religious,ben-e volent,cultural, scientific,political, patriotic, or other purposes"[4]

لوگوں کا ایک منظم گروپ جو مذہبی، سماجی، ثقافتی، سائنسی، سیاسی، حب الوطنی، یا دیگر مقاصد کے لیے اکٹھا وابستہ ہو۔

معلوم ہوا کہ معاشرہ ایک ایسی جماعت یا ایک ایسے منظم گروپ کو کہا جاتا ہے جو کسی مقصد کے تحت اکھٹے ہوں، اور آپس میں باہمی تعلقات پر ان کی بنیاد استوار ہو۔

---

[1] ابن منظور، لسان العرب، ص2953

[2] القرطبی، انصاری، محمد بن احمد، الجامع لاحکام القرآن، ناشر مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ، س ن، ج8، ص87

[3] المصطفوی، علامہ، التحقیق فی کلمات القرآن الکریم، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 2009ء، ج8، ص166

[4] Keith Tester,Civil society,Routledge taytor & Francis Group,London and New York,1992,P.459

اسلامی معاشرہ:

اسلامی معاشرہ سے مراد ایسا معاشرہ ہوتا ہے، جہاں رہنے والے تمام افراد کے انفرادی اور اجتماعی نظام زندگی میں اسلامی عقائد، نظریات، رسومات، عبادات، معاملات، روایات اور تہذیب و تمدن کو ملحوظ خاطر رکھا گیا ہو۔ جہاں تمام شعبہ ہائے زندگی میں اسلامی اقدار کو استحکام حاصل ہو، آپ ﷺ نے اسلامی معاشرے کی عکاسی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"المومن للمومن كالبنيان يشدبعضه بعضاً"[1]

ایک مومن دوسرے مومن کے لیے اس طرح ہے جیسے عمارت کہ اس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو تھامے رہتا ہے (گرنے نہیں دیتا)۔

اسلامی معاشرے کی تشکیل:

بنیادی طور پر اسلامی معاشرہ اسلامی تعلیمات کے عین مطابق اور قرآنی اصول و ضوابط پر مبنی معاشرہ ہوتا ہے۔ جو اصول وضوابط اللہ رب العزت نے انسان کی رشد و ہدایت کے لیے اپنے آخری پیغمبر محمد مصطفیٰ ﷺ پر نازل فرمائے جن میں قیامت تک آنے والی نسل انسانی کے لئے راہنما اصول ہیں، بنیادی طور پر ایک اسلامی معاشرے کی تشکیل کے لیے درج ذیل رحمانی اصول کارفرما ہوتے ہیں:

1۔ عقائد:

اسلامی معاشرے کی تشکیل کے لئے اس معاشرے کے باسی لوگوں کے عقائد یکساں اسلامی تعلیمات کے مطابق ہوں، عقائد سے مراد ایمانیات ہیں جو کہ ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ ان پر ایمان لائے، جیسے اللہ تعالیٰ، فرشتے، رسول، اس کی کتابیں، یوم آخرت، اور اچھی بری تقدیر ایک مستحکم اور مضبوط معاشرے لیے لئے ان پر ایمان لانا ضروری ہے۔ حدیث جبرائیل علیہ السلام میں آپ ﷺ نے جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"الإيمان ان تؤمن بالله وملائكته وبلقائه ورسله وتؤمن بالبعث"[2]

ایمان یہ ہے کہ تم اللہ پاک کے وجود اور اس کی وحدانیت پر ایمان لاؤ اور اس کے فرشتوں کے وجود پر اور اس (اللہ) کی ملاقات کے برحق ہونے پر اور اس کے رسولوں کے برحق ہونے پر اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے پر ایمان لاؤ۔

2۔ ایثار بھائی چارہ:

اسلامی معاشرے کی تشکیل کے لیے دوسری بنیادی قدر آپس میں بھائی چارہ، محبت اور الفت ہے اللہ رب العزت نے قرآن

---

[1] بخاری، الجامع الصحیح، كِتَاب الْأَدَبِ، بَابُ تَعَاوُنِ الْمُؤْمِنِينَ بَعْضِهِمْ بَعْضًا، رقم الحدیث: 6026

[2] ایضاً: كِتَاب الْإِيمَانِ، بَابُ سُؤَالِ جِبْرِيلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الإِيمَانِ وَالإِسْلاَمِ وَالإِحْسَانِ وَعِلْمِ السَّاعَةِ، رقم الحدیث: 50

مجید میں ارشاد فرمایا:

'' إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ ''[1]

مومن تو آپس میں بھائی ہیں۔

باہمی محبت والفت اور ایک دوسرے کے ساتھ جذبۂ ایثاراسلامی معاشرے کی وہ بنیادیں ہیں جس پر معاشرے کے تمام افراد آپس میں تعلقات استوار کرتے ہیں۔

3۔امر بالمعروف ونہی عن المنکر:

امر بالمعروف ونہی عن المنکر اسلامی معاشرے کی وہ کلیدی بنیاد ہے جس سے ایک اسلامی معاشرے کے لیے باشریعت زندگی گزارنا آسان ہو جاتا ہے، معاشرے کے لیے ضرررساں اور فسادات کے عوامل ختم ہو کر پاکیزہ، صالح اور باشریعت عوامل پیدا ہوتے ہیں۔ جس سے معاشرے میں اٹھنے والی ہر برائی کی روک تھام کی جاسکتی ہے۔ اللہ رب العزت نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا:

'' وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ''[2]

اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہیئے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے اور اچھے کام کرنے کا حکم دے اور برے کاموں سے منع کرے یہی لوگ ہیں جو نجات پانے والے ہیں۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

''اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِوَ لِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ''[3]

یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو ملک میں دسترس دیں تو نماز پڑھیں اور زکوٰۃ ادا کریں اور نیک کام کرنے کا حکم دیں اور برے کاموں سے منع کریں اور سب کاموں کا انجام خدا ہی کے اختیار میں ہے۔

اگر معاشرے میں اچھائی کا حکم اور برائی سے منع نہ کیا جائے تو معاشرہ سارے کا سارا برائیوں کی زد میں آجائے گا، تمام افراد برائی کے مضر اثرات سے متاثر ہوں گے۔ اگر برائی کو شروع میں ہی روک دیا جائے تو تمام معاشرہ ان اثرات سے محفوظ رہ جاتا ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''من رای منكرا فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلبه، وذلك اضعف الإيمان''[4]

---

[1] الحجرات:10

[2] آل عمران:104

[3] الحج:41

[4] نسائی، ابی عبد الرحمان احمد بن شعیب، سنن النسائی، كتاب الإيمان وشرائعه، بَابُ : تَفَاضُلِ أَهْلِ الإِيمَانِ، رقم الحدیث:5011

تم میں سے کوئی جب بری بات دیکھے تو چاہیئے کہ اسے اپنے ہاتھ کے ذریعہ دور کر دے، اگر اس کی طاقت نہ ہو تو اپنی زبان سے اور اگر اس کی طاقت نہ ہو تو اپنے دل کے ذریعہ اس کو دور کر دے، یہ ایمان کا سب سے کمتر درجہ ہے۔

4۔ اسلامی تعزیرات وحدود:

اسلامی ریاست میں منہیات کی روک تھام کے لیے جرائم پر دنیاوی سزائیں ہیں جو شریعت اسلامیہ میں تعزیرات اور حدودات کے نام سے مقرر کی گئی ہیں۔ معاشرے میں رہتے ہوئے انسان بہت سارے جرائم کا مرتکب ہو جاتا ہے کیونکہ انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے اس کا میلان زیادتی اور شر کی طرف ہو تا رہتا ہے، تو معاشرے کی اصلاح کے لیے اور ان جرائم کے خاتمے کے لیے حدود اور تعزیرات بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔ قرآن پاک میں مختلف سزاؤں کا ذکر ہے جیسے کہ:

چوری کی سزا:

'' وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا''[1]

اور جو چوری کرنے والا اور جو چوری کرنے والی ہے سو دونوں کے ہاتھ کاٹ دو۔

غیر شادی شدہ زانی کی سزا:

''الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ''[2]

جو زنا کرنے والی عورت ہے اور جو زنا کرنے والا مرد ہے، سو دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو ۔

قتل کی سزا:

''يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى ''[3]

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم پر مقتولوں میں بدلہ لینا لکھ دیا گیا ہے۔

اسلام ہی ایسا منظم اور مکمل نظام حیات ہے جس میں انسان کی ہدایت کے لیے مکمل سامان کیا گیا ہے، کسی معاشرے میں امن اور سکون تب ہی پیدا ہو سکتا ہے جب اسلامی نظام کو نافذ کیا جائے۔

سرمایہ دارانہ معاشرہ:

سرمایہ دارانہ معاشرہ جسے ''سول سوسائٹی'' کہا جاتا ہے۔ جو ایسے سماجی گروہ، جماعتیں اور تنظیموں کا نام ہے جو رضاکارانہ طور پر معاشرے میں باہمی میل جول یا عمل کے اشتراک سے وجود میں آتے ہیں۔ جس میں آپس کے سارے تعلقات معاہدے اور مفاد کی بنا پر قائم کئے جاتے ہیں اور معاشی نظام کے اعتبار سے سرمایہ دارنہ نظام پر عمل کیا جاتا ہے۔[1]

---

[1] المائدہ:38

[2] النور:2

[3] البقرہ:179

خالد فاروق بسرا سول سوسائٹی کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں:

"افراد کی اغراض پر مبنی تعلقات سے ابھرنے والی معاشرتی صف بندی کو سول سوسائٹی کہا جاتا ہے"[2]

سول سوسائٹی ایک مارکیٹ سوسائٹی ہوتی ہے جس میں محبت، صلہ رحمی، ہمدردی کا تصور تک نہیں ہوتا اس میں تمام مذہبی معاشرے کا متضاد ہوتا ہے، یہ ایک غیر مذہبی اور غیر سماجی معاشرہ ہوتا ہے جس کی بنیاد ایمان کے برعکس نفاق پر ہوتی ہے۔ جس میں تنظیمیں اور جماعتیں ایک دوسرے کا ساتھ صرف باہمی مفادات اور معاہدات کی بنا پر دیتی ہیں۔

سول سوسائٹی کی ابتداء:

اس کی ابتداء اٹلی سے ہوئی، جب عیسائیت کا غلبہ یورپ پر تھا، جاگیردارنہ نظام کے خاتمے پر سرمایہ دارانہ نظام کو عروج ملا جس سے مذہبی تہذیب و تمدن کمزور پڑنے لگا اور سول سوسائٹی کی بنیادیں مضبوط ہونے لگیں، عیسائیت نے اس معاشرے کو روکنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہی، رفتہ رفتہ اس کا اثر پورے یورپ میں چھا گیا اور سارے یورپ کو اس نے اپنی لپیٹ میں لے لیا، اب ہمارے معاشروں نے بھی بہت تیزی کے ساتھ ان کا روپ دھارنا شروع کر دیا ہے، سول سوسائٹی کا فروغ سرمایہ دارانہ انفرادیت کے فروغ کا حصہ ہے۔ جس سے معاشرتی روحانیت ختم ہو کر حرص، حسد، شہوت اور خود غرضی جیسی صفات غالب آتی ہیں۔[3]

سول سوسائٹی کے قیام کا مقصد:

انسان جب کسی بھی معاشرے کے ساتھ منسلک ہوتا ہے تو کئی طرح کی رکاوٹیں اور پابندیاں اس کی خواہشات کی تکمیل میں حائل ہوتی ہیں، اگر معاشرہ مذہبی ہو تو مذہب کے ہم آہنگ پابندیاں عائد کی جاتیں ہیں، اور اگر معاشرہ روایتی ہو تو رسومات اور تہذیب و تمدن کا لحاظ رکھتے ہوئے پابندیاں عائد کی جاتی ہیں مثلاً ہندو معاشرے میں خاوند کے فوت ہو جانے کے بعد عورت دوسری شادی نہیں کر سکتی، اسی طرح کسی معاشرے میں والدین کی نافرمانی معیوب سمجھی جاتی ہے تو کسی میں عورت مرد کا اختلاط معیوب سمجھا جاتا ہے الغرض ہر معاشرے میں اپنی اپنی روایات رسومات ہوتیں ہیں ان میں سے کسی کے خلاف معاشرہ برداشت نہیں کرتا جس سے فرد کی آزادی مجروح ہوتی ہے۔

انسان کی اسی آزادی کے تحفظ کے لیے اور مذہبی و روایتی پابندیوں سے انسان کو آزاد کرانے کے لیے سول سوسائٹی کا قیام عمل میں لایا جاتا ہے، تاکہ انسانی آزادی میں حائل پابندیوں اور رکاوٹوں کو ختم کر کے ایک ایسے معاشرے کو وجود بخشا جائے جس میں انسان جو چاہے کر سکے اور اس کے اس عمل سے معاشرے کی سالمیت پر کوئی اثر نہ پڑے۔[4]

---

[1] ہاشم، ذیشان، "سول سوسائٹی سے کیا مراد ہے؟" مشمولہ، "ہم سب"، 11 اپریل 2017 Archive: 2022/05/01 at 06:38pm
https://www.humsub.com.pk/59448/zeeshan-hashim-115/

[2] بسرا، خالد فاروق، جدید تہذیب، ص3

[3] انصاری، جاوید اکبر، ڈاکٹر، دروس سرمایہ داری ایک تعارف، ص219

[4] محمد احمد، مفتی، تعارف تہذیب مغرب اور فلسفہ جدید، ص313

سرمایہ دارانہ نظام اور تعلقات عامہ:

انسان کی معاشی، معاشرتی، سماجی اور سیاسی ضروریات کا تعلق اس معاشرے اور سوسائٹی کے ساتھ ہے جس میں وہ رہ رہا ہے۔ اس معاشرے میں رائج نظام خواہ وہ معاشی، معاشرتی یا سیاسی ہو معاشرے کے رہنے والے باسیوں پر اپنے اثرات ضرور مرتب کرتا ہے۔ تمام تعلقات و حالات اسی نظام کے تابع ہوتے ہیں جس کی بنیاد پر وہ معاشرہ پروان چڑھتا ہے۔

ان میں سے ایک معاشی نظام بھی ہے جس کی بنیاد پر معاشرہ اپنے تمام اقتصادی معاملات تشکیل دیتا ہے۔ لہٰذا جدید اقتصادی نظام (سرمایہ دارانہ نظام) کے عام تعلقات اور معاشرے پر کیا کیا اثرات مرتب ہوئے ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

1۔ انسانی فکر پر اثرات:

جدید معاشی نظام (سرمایہ دارانہ نظام) کا بنیادی فکری نقطہ نظر مادیت ہے جس کی بنیاد پر ایک استحصالی، خودغرض اور خود پرست معاشرہ وجود میں آتا ہے۔ جو معاشرے کے اجتماعی مفاد کے جذبات، ہمدردی اور خیر خواہی کو ختم کر دیتا ہے۔ سرمایہ دار اپنے نفع کی خاطر ہمیشہ فکر مند رہتا ہے۔ اسی لیے وہ طلب و رسد کے فطری قوانین میں مخل ہو کر ان میں اپنی مرضی کے مطابق ردوبدل کرتا رہتا ہے جس سے معاشرے کو بھاری نقصان کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جیسے: طلب کو بڑھانے کے لیے غیر معیاری مال کو معیاری بنا کر پیش کرنے کے لیے اشتہار بازی اور طرح طرح کے حربے اختیار کرنا، اور رسد کو کم کرنے کے لیے مال ذخیرہ کر لینا، مال تلف کر دینا یا معاشرے کی ضرورت سے کم مال تیار کرنا وغیرہ۔ فہیم عثمانی "جان آسٹن" کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> "غیر منقول املاک یا مویشی وغیرہ میں مطلق ملکیت کی رو سے اپنی ملکیت کے تباہ کر دینے یا ضائع کر دینے کا حق حاصل ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ اس تباہی میں کسی دوسرے فرد پر کوئی برا اثر نہ پڑے"[1]

انسانی فکر پر دوسرا اثر انداز ہونے والا سرمایہ دارانہ اصول بے قید آزادی ہے جس سے ہر انسان زیادہ سے زیادہ کمانے کی فکر میں حلال و حرام کی تمیز کئے بنا اپنے آپ کو آزاد سمجھتا ہے۔ عبدالحمید ڈار لکھتے ہیں:

> "سرمایہ دارانہ نظام کی آزادروی سے فاسد معیشت فروغ پاتی ہے کیونکہ اسمگلنگ، سٹہ بازی اور شراب سازی جیسے مخرب اخلاق ذرائع معاش کے لیے اس نظام میں کھلی چھٹی ہوتی ہے"[2]

گویا کہ سرمایہ دارنہ آزادی انسان میں ناجائز ذرائع آمدنی سے حصولِ مال کو جائز قرار دینے کی آزاد فکر پیدا کرتی ہے۔ سید محمد باقر سرمایہ دارانہ نظام کی اس آزاد فکر کے بارے میں اس طرح لکھتے ہیں:

> "آزادی ایک فطری جذبہ ہے سرمایہ داروں نے انسان کے اس جذبے کا احترام ضرور کیا ہے لیکن اس کی حدود بالکل نظر انداز کر دی ہیں۔ اس نے یہ نقطہ فراموش کر دیا ہے، انسان فطری طور پر آزاد پیدا

---

[1] عثمانی، فہیم، اسلامی معیشت کے چند نمایاں پہلو، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، 1987ء، ص 81

[2] ڈار، عبدالحمید، پروفیسر (ودیگر مصنفین)، اسلامی معاشیات، علمی کتاب خانہ، لاہور، 2007ء، ص 97

ہوا ہے، اجتماعی طور پر نہیں "[1]

معلوم ہوا کہ آزادی معاشرے میں ایسی فکر پیدا کرتی ہے کہ جس سے سارے کا سارا سرمایہ اسی کی ملکیت میں رہتا ہے اور اسے وہ اپنی مرضی سے استعمال میں لانے کا حق رکھتا ہے۔ جس سے معاشی نظام عدمِ توازن کا شکار ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر جاوید اکبر انصاری لکھتے ہیں:

"آزادی کا مطلب یہ ہے کہ انسان جو چاہے خواہش کر سکتا ہے وہ کسی کا پابند نہیں ہے وہ آزاد پیدا ہوا ہے لہٰذا اسے کسی الہامی ضابطے کا پابند نہیں کیا جاسکتا"[2]

سرمایہ دارانہ نظام الہامی ضابطے کا انکار کر کے معاشرے کو مذہب سے آزادی کی فکر دیتا ہے تا کہ معاشرہ تمام اخلاقی اور مذہبی قیودات سے علیحدہ ہو کر صرف ذاتی مفاد کے ساتھ دین کا بھی باغی بن جائے۔ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

"كَلَّا إِنَّ الْإِنْسَانَ لَيَطْغَىٰ ○ أَنْ رَآهُ اسْتَغْنَىٰ"[3]

مگر انسان سرکش ہو جاتا ہے۔ جب کہ اپنے تیئں غنی دیکھتا ہے۔

معلوم ہوا کہ جب انسان کے پاس مال آجاتا ہے تو بعض اوقات مال کے نشے میں غرور، تکبر اور مال کی محبت جیسی بیماریاں اسکے دل میں پیدا ہو جاتی ہیں۔ جبکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو مال کے ذریعے آزماتے ہیں۔ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

" وَاعْلَمُوا أَنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَأَنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ"[4]

اور جان لو کہ تمھارے مال اور تمھاری اولاد ایک آزمائش کے سوا کچھ نہیں اور یہ کہ اللہ، اسی کے پاس بہت بڑا اجر ہے۔

یہاں فتنے سے ہرگز یہ مراد نہیں کہ مال اور اولاد کو چھوڑ دینا چاہیے۔ علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

"فتنہ سے آزمائش اور امتحان مراد ہے کہ اولاد اور مال دے کر آزماتے ہیں کہ تم شکر کرتے ہو یا نہیں"[5]

2۔ خواہشات میں اضافہ:

انسان کی فطری کمزوری یہ ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے جلد باز، عجلت پسند فرمایا ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"خُلِقَ الْإِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ "[6]

انسان سراسر جلد باز پیدا کیا گیا ہے۔

---

[1] باقر الصدر، سید، اسلامی اقتصادیات اور جدید اقتصادی مکاتب (مترجم سید ذیشان حیدر)، ص64

[2] انصاری، جاوید اکبر، ڈاکٹر، سرمایہ دارانہ نظام ایک تعارف، ص7

[3] العلق:6-7

[4] الانفال:28

[5] ابن کثیر، عمادالدین، تفسیر ابن کثیر (مترجم مولانا محمد صاحب جوناگڑھی)، شمع بک ایجنسی، لاہور، س ن، ص279

[6] الانبیاء:37

جبکہ تزکیہ نفس یہ تقاضا کرتا ہے کہ انسان کا اپنے آپ پر اتنا کنڑول ہونا چاہیے کہ وہ اپنی اس کمزوری کو دبا سکے، تاکہ اس میں توازن اور اعتدال بر قرار رہے۔ سرمایہ دارانہ نظام تزکیہ نفس کو کنڑول کرنے والے اُسی تصور پر حملہ کرکے انہیں ابھارتا ہے تاکہ عدم توازن پیدا ہو اور انسان میں سرمائے کو زیادہ سے زیادہ بڑھانے کے خواہش پیدا ہو سکے، اسی عجلت پسند کمزوری کے باعث سرمایہ دارانہ نظام انسان کی جیب پر کنٹرول کرتا ہے اور زیادہ سے زیادہ سرمایہ خرچ کرنے پر اکساتا ہے جیسے نئی گاڑی، نیا گھر، نیا موبائل فون اور نیا لیپ ٹاپ وغیرہ انسانی خواہشات پر اثرانداز ہوتے ہیں۔ جس سے سرمایہ دار کے بینک بیلنس میں اضافہ ہوتا ہے۔

سرمایہ دارانہ نظام ٹیلی ویژن، انٹرنیٹ، مارکٹنگ اور پر فریب اشتہار بازی کے ذریعے انسان کو بغیر ضرورت کے خریدنے پر امادہ کرتا ہے اور اس میں خواہشات کو اتنا سجا کر پیش کرتا ہے کہ وہ غیر ضروری چیز کو قرض اٹھا کر بھی خریدنے کو تیار ہو جاتا ہے۔ کیونکہ سارا معاشرہ ہی اس نظام نے اپنی لپیٹ میں اس طرح لیا ہے کہ اگر کوئی اس کے برعکس کرتا ہے تو یہ نظام انسان کو معاشرے میں جینے کا حق نہیں دیتا یا پھر معاشرے میں اتنا اجنبی لگنے لگتا ہے کہ کوئی اس کے ساتھ تعلق بنانا بھی گوارا نہیں کرتا۔[1]

خواہشات انسان سے اپنی تکمیل کا تقاضا کرتی ہیں، جن کے پورا ہونے پر انسان جو لذت محسوس کرتا ہے اس کی بنیاد پر نئی خواہشات سر اٹھاتی ہیں۔ اسی طرح انسان کی خواہشات میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"لو كان لابن آدم واديان من مال لابتغى ثالثا، ولا يملأ جوف ابن آدم، إلا التراب،ويتوب الله على من تاب"[2]

اگر انسان کے پاس مال کی دو وادیاں ہوں تو تیسری کا خواہشمند ہوگا اور انسان کا پیٹ مٹی کے سوا اور کوئی چیز نہیں بھر سکتی اور اللہ اس شخص کی توبہ قبول کرتا ہے جو (دل سے) سچی توبہ کرتا ہے۔

3۔ معاشرتی تعلقات کی بنیاد معاہدے پر:

سرمایہ دارانہ معاشرے کی بنیاد سرمائے کی بڑھوتری، ارتکاز دولت اور آزادی کے فروغ پر ہے جو محبت، الفت، ہمدردی اور صلہ رحمی کے تصور کے بغیر سول سوسائٹی کے نام سے موسوم ہے، جس میں آپس کے تعلقات محض مفادات اور معاہدے کی بنیاد پر ہوتے ہیں۔ سارا معاشرہ اسی مفاد پرستی اور خودغرضانہ بنیاد پر استوار ہوتا ہے۔ جس سے معاشرے سے محبت، ایثار، ہمدردی اور خیر خواہی جیسی اخلاقی اقدار ختم ہو جاتی ہیں۔ جاوید اکبر انصاری سول سوئٹی کے بارے لکھتے ہیں:

"سول سوسائٹی کی بنیاد "کنٹریکٹ" پر ہوتی ہے، کنٹریکٹ سے مراد یہ ہے کہ آپ اپنے خاص مقاصد کو جو کچھ بھی آپ نے مقاصد اپنے لیے متعین کئے ہیں، حاصل کرنے کے لیے دوسرے کے ساتھ

---

[1] محمد زبیر، حافظ، وندیم، چوہدری، عالمی سرمایہ دارانہ نظام اور مقامی نظام، ناشر ماہنامہ الشریعہ، گوجرانوالہ، شمارہ 1، ج22، جنوری 2015ء، ص23

[2] بخاری، الجامع الصحیح، كِتَاب الرِّقَاقِ، بَابُ مَا يُتَّقَى مِنْ فِتْنَةِ الْمَالِ، رقم الحدیث:6436

ایک ایسا معاہدہ کریں جس کے نتیجے میں وہ آپ کو ان مقاصد کے حصول میں مدد دے، چنانچہ آپ
اس سے محبت نہیں کرسکتے بلکہ آپ کی ایک باہمی غرض ہوتی ہے"[1]

سرمایہ دارانہ نظام انسان کو ایسی جہت کہ طرف دھکیل دیتا ہے کہ جس میں اخلاقیات والا خانہ خالی نظر آتا ہے اور معاشرہ بہت ساری روحانی لذات سے محرومی کا شکار ہوجاتا ہے۔

4۔ سرمایہ دارانہ نظام اور باہمی خیر خواہی:

سرمایہ دارانہ نظام میں بے قید معیشت کی وجہ سے سود کا عنصر موجود ہے جو کہ خیر خواہی اور باہمی شفقت کے تصور کو ختم کر دیتا ہے، وہ سرمایہ دار کے لیے بغیر سود کے کسی پر مالی خیر خواہی کو مال میں کمی کا سبب قرار دیتا ہے۔ جب کہ آپ ﷺ نے دین کا خلاصہ ہی خیر خواہی فرمایا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"الدین النصیحة، قلنا: لمن؟ قال: لله، ولکتابه، ولرسوله، ولائمة المسلمین، وعامتهم"[2]

دین خلوص اور خیر خواہی کا نام ہے۔ ہم نے کہا: کس کی خیر خواہی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی اور اس کی کتاب کی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اور مسلمانوں کے حاکموں کی اور سب مسلمانوں کی۔

آپ ﷺ کے ارشاد پاک سے بھی یہ ہی واضح ہوتا ہے کہ دین سراپائے خیر خواہی ہے ،جو کہ ایک ایسا عمل ہے جو معاشرے کو آرام، سکون اور اطمنان کا گہوارا بنانے میں معاون و مددگار ہوگا۔ جبکہ سودی معاشرے میں افراد کے دل میں خیر خواہی کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا۔

5۔ سرمایہ دارانہ معاشرے سے ایثار کا خاتمہ:

ایک معاشرے میں ایثار کا جذبہ تب پیدا ہوتا ہے جب اس کے رہنے والے افراد کا نظام زندگی صرف اور صرف مادی مفادات کی بنیاد پر نہ ہو، سرمایہ دارانہ نظام نے معاشرے میں آپس کے تعلقات کو مفادات اور مادیت پرستی کی لڑی میں پرودیا ہے۔ اس لیے ہر شخص کے دل میں حرص، لالچ، اور زیادہ کی تمنا پیدا ہوگئی ہے۔ جس سے معاشرے میں افلاس، غربت، محتاجی میں اضافہ ہوتا ہے اور سودی کام ترقی کرتا ہے۔

جبکہ اسلام ایثار کا درس دیتا ہے، آپ ﷺ کی انہیں تعلیمات کا ہی نتیجہ تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے آپ پر اپنے دوسرے ساتھی کو ترجیح دیتے تھے۔ قرآن پاک نے ان کی اس صفت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

---

[1] انصاری، جاوید اکبر، ڈاکٹر، ، سرمایہ دارانہ نظام ایک تعارف، ص 73

[2] ابوالحسین مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، كِتَاب الْإِيمَانِ، باب بَيَانِ أَنَّ الدِّينَ النَّصِيحَةُ، رقم الحدیث:196

"وَيُؤْثِرُونَ عَلَى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ"[1]

اور اپنے آپ پر ترجیح دیتے ہیں، خواہ انھیں سخت حاجت ہو ۔

حدیث پاک میں ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"لا يؤمن احدكم حتى يحب لاخيه ما يحب لنفسه"[2]

تم میں سے کوئی شخص ایماندار نہ ہو گا جب تک اپنے بھائی کے لیے وہ نہ چاہے جو اپنے نفس کے لیے چاہتا ہے۔

اس کے علاوہ احادیث کی کتابیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایثار اور قربانی سے بھری پڑی ہیں۔ جو تاریخ اسلام میں سنہرے حروف سے رقم ہیں۔یہ انہی کی قربانیاں اور ایثار تھا کہ دنیامیں اسلام کا پرچم بلند ہے اور جہاں بھی ایثار کی کوئی مثال کی ضرورت پیش آتی ہے تو نظر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر ہی جا کر رُکتی ہے۔

6۔معاشی زہد و تقویٰ پر سرمایہ دارانہ اثر:

سرمایہ دارانہ نظام نے مذہبی زندگی کو انسان کی ذاتی زندگی تک محدود کر دیا ہے، اسلام میں معاشی اور پیداوری سرگرمیوں میں حصہ لینے کا مقصد محض انسانی ضروریات کی اشیاء کی فراہمی تھا۔پیداواری اور معاشی عمل حصولِ مقصد کا ذریعہ تھا، اس لیے اشیاء پر مناسب منافع اس حد تک لیا جاتا تھا جس سے ضروریات پوری ہو سکیں، لیکن جب سے یہ تصور ختم ہوا اور انسان کا رجحان عیش پرستی اور مادیت پرستی کی طرف ہوتا ہے تو منافع بھی غیر محدود ہو جاتا ہے اور مقصد صرف سرمائے میں بڑھوتری تک محدود ہو گیا ہے۔[3]

استعمال اور ضرورت پر مبنی زہد و تقویٰ والی معیشت ہی اصل روحانی معیشت تھی۔اس پر سرمایہ دارانہ معیشت کا ایسا اثر ہوا کہ وہ جذبہ ہمدردی وہ تقویٰ اور قناعت جو اسلامی معیشت کی روحانیت تھی کمزور پڑ گئی اور معاشرے میں حرص، حسد اور لالچ نے ڈیرے ڈال لیے۔ آپ ﷺ نے اسی زہد و قناعت والی معیشت کی دعا مانگی چنانچہ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

"اللهم انى اسالک الهدى واتقى والعفاف والغنىٰ"[4]

اے میرے اللہ میں آپ سے ہدایت تقوٰی پاکیزگی اور غناء کا طلب گار ہوں۔

7۔معاشرے میں معاشی جبر:

سرمایہ دارانہ نظام ذرائع پیداوار زمین، سرمایہ، اجر اور تنظیم پر انفرادی ملکیت کو بے قید تسلیم کرتا ہے۔اور قیمتوں کی میکانیت میں ہر معاشی فیصلے کا مرکز اور محور زیادہ سے زیادہ منافع کا حصول اور سرمایہ ہوتا ہے، عاملین پیدائش میں سے جس کا دولت کی

---

[1] الحشر:9

[2] بخاری، الجامع الصحیح، كِتَاب الْإِيمَانِ، بَابُ مِنَ الإِيمَانِ أَنْ يُحِبَّ لأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ، رقم الحدیث:13

[3] محمد احمد، حافظ، سرمایہ دارانہ نظام ایک تنقیدی جائزہ، ناشر الغزالی پبلیکیشنز، کراچی، ط دوم، 2009ء، ص26

[4] ابن الاثیر، امجد الدین بن محمد الجزری، جامع الاصول فی احادیث الرسول، ناشر مکتبہ الحلوانی، ط اولی، 1389ھ، ص340

پیدائش میں زیادہ کردار ہے اس کی نسبت وہ عامل جو کمیاب ہو دولت کا زیادہ حصہ حاصل کرتا ہے۔ جیسا کہ اگر کسی شے کی پیدائش میں سرمایہ اور محنت کی مشترکہ کوشش شامل ہے۔ تو ممکن ہے اس شے کی فالتو قیمت میں نوے فیصد حصہ پر محنت کاروں کا حق ہو، لیکن پیدائش کے عمل میں سرمایہ لگانے والا یا آجر محنت کاروں کی محنت کو مخصوص معاوضے کے عوض خرید لیتا ہے، تو وہ حق جو محنت کاورں کے لئے ممکن تھا اس حق کا سرمایہ کار حقدار ابن جاتا ہے۔ جس کے نتیجے میں وہ افراد جن کا پیدائش کے عمل میں زیادہ کردار ہوتا ہے وہ سرمایہ دارانہ نظام میں شدید استحصال کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اور دوسری طرف جن کا اس عمل میں کردار کم ہوتا ہے سرمایہ دار، مالکان، جاگیر دار، بینکار اور کارخانوں کے مالک وغیرہ جبراً زیادہ سے زیادہ ملکی سرمایہ سمیٹ کر اپنے نام کر لیتے ہیں۔

سرمایہ دارانہ نظام میں ہر فرد کا ایک ہی مقصد زیادہ سے زیادہ نفع کمانا ہوتا ہے، اس کی ساری معاشی سرگرمیوں کی بنیاد سرمائے کی بڑھوتری دوسروں کی محنت اور خون پسینے کا چند پیسوں کے عوض جبراً سودا کرنے پر قائم ہے۔

سرمایہ دارانہ نظام کا یہ معاشی جبر ہے جو سرمایہ دار طبقہ رزق کے سرچشموں پر قابض ہے، ادھر معاشرے کی یہ حالت ہے کہ ہر انسان اپنی روٹی کے لیے پریشان ہے، اور یہ استحصالی طبقہ ان سے روٹی کے بدلے اپنے من مانی کے کام لے رہا ہے۔[1]

جبکہ اسلام کی روحانیت یہ ہے کہ وہ سرمایہ دارانہ نظام کے ان استحصالی ضابطوں کے برعکس ہے جس کی بنیاد فالتو دولت پر استوار ہوتی ہے، اسلام میں وہ سرمایہ یا دولت جو ضروریات سے بچ جائے اسے جمع کرنے سے منع فرمایا۔ چنانچہ قرآن پاک میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

''يَوْمَ يُحْمَى عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوَى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ هَذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنْفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُونَ''[2]

جس دن وہ مال دوزخ کی آگ میں (خوب) گرم کیا جائے گا۔ پھر اس سے ان (بخیلوں) کی پیشانیاں اور پہلو اور پیٹھیں داغی جائیں گی (اور کہا جائے گا) کہ یہ وہی ہے جو تم نے اپنے لیے جمع کیا تھا سو جو تم جمع کرتے تھے (اب) اس کا مزہ چکھو۔

قرآن پاک میں ایک اور جگہ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

''وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ''[3]

اور یہ بھی تم سے پوچھتے ہیں کہ (خدا کی راہ میں) کون سا مال خرچ کریں۔ کہہ دو کہ جو ضرورت سے زیادہ ہو۔

ان آیات مبارکہ سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام نے سرمایہ دارانہ نظام کے سامنے ایک نہ گرنے والا بند باندھ دیا ہے اور جس

---

[1] قاسم، نعیم، پروفیسر، اسلام اور سرمایہ داری، مشمولہ، ''روزنامہ نوائے وقت''، لاہور، 25 ستمبر 2011ء، /Archive: at 10/05/2022 03:14pm http://www.nawaiwaqt.com.pk/25-Sep-2011/108390

[2] التوبہ:35

[3] البقرۃ:219

مال کو سرمایہ دارانہ نظام جمع کرنے کا سبق دیتا ہے اسلام نے اسی مال کو گردش میں لانے کا حکم دے کر معاشرے کے لیے امن سکون اور خوشحالی کا درس دیا ہے۔

8۔ سرمایہ دارانہ نظام معاشرے میں اخلاق رزیلہ کا سبب

اخلاق "خلق" سے ماخوذ ہے جس کے معنی پختہ عادات کے ہیں۔

امام راغب اصفہانیؒ اخلاق کا معنی لکھتے ہیں:

"وخص الخلق بالقوی والسجایاالمدرکہ بالبصیرہ"[1]

اس نے تخلیق کو قوت اور صفات کے ساتھ مخصوص کیا جو بصیرت سے سمجھی جاتی ہیں۔

شاہ ولی اللہؒ کے حوالے سے ڈاکٹر طاہر القادری اخلاق کا مفہوم لکھتے ہیں:

"خلق انسان کی اس کیفیت کا نام ہے جواس کی طبیعت کے مختلف اوصاف وکمالات کو جدوجہد کر کے اپنی طرف راجع کرے"[2]

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''وَإِنَّكَ لَعَلَى خُلُقٍ عَظِيمٍ''[3]

اور بلاشبہ یقیناتو ایک بڑے خلق پر ہے۔

معلوم ہوا کہ اخلاق ان کیفیات کا نام ہے جن کے ذریعے انسان اچھے اور برے اعمال کرتا ہے اور اخلاق رزیلہ سے مراد وہ کیفیات ہوں گی جو انسان کو برے اعمال کرنے پر ابھارتی ہیں۔

سرمایہ دارانہ نظام میں آزاد معیشت اور ذاتی منافع کا محرک، جائز اور ناجائز ذرائع آمدنی کا فرق معاشرے سے ختم کر دیتا ہے۔ جس کا معاشرے پر اثر یہ ہوتا ہے کہ وہ معاشی سرگرمیوں میں جائز اور ناجائز کی تفریق کئے بناہی دولت حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ جس سے معاشرہ اخلاق رزیلہ کا شکار ہو جاتا ہے اور معاشی عدم توازن کے ساتھ ساتھ معاشرتی اوراخلاقی طور پر بھی گر جاتا ہے۔ جن میں شراب نوشی، لواطت، غلام بازی، زنا بالجبر اور چوری جیسے غیر اخلاقی اعمال شامل ہیں۔

علامہ شمس الحق افغانیؒ لکھتے ہیں:

"سیاسی استحکام کے لیے ضروری ہے کہ افرادِ مملکت صحت، بدن، پختگیِ کردار، اخلاقی جفاکشی اور موت سے بے خوفی جیسے اوصاف کے حامل ہوں تاکہ وہ زندگی کے تلخ واقعات کا پوری ہمت اور استقامت کے ساتھ مقابلہ کر سکیں لیکن سرمایہ دارانہ نظام جس طرح کی عیاشیانہ زندگی کو جنم دیتا ہے وہ ان صفات کے خلاف ہوتی ہے"[4]

---

[1] اصفہانی، الراغب، علامہ، ابی القاسم الحسین بن محمد، المفردات فی غریب القرآن، ناشر دالمعرفہ، بیروت، ص158
[2] القادری، طاہر، ڈاکٹر، حسن اخلاق، منہاج القرآن پبلیکیشنز، لاہور، ط ہفتم، 2005ء، ص13
[3] القلم:4
[4] افغانی، شمس الحق، علامہ، سرمایہ دارنہ اور اشتراکی نظام کا اسلامی معاشی نظام سے موازنہ، ص31

جبکہ اسلام پاکیزگی طہارت اور تقویٰ کا حکم دیتا ہے اور مال کو ناحق طریقے سے حاصل کرنے سے منع کرتا ہے قرآن پاک میں ارشاد باری تعالی ہے:

''يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ''[1]

مومنو! ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ ہاں اگر آپس کی رضامندی سے تجارت کا لین دین ہو (اور اس سے مالی فائدہ حاصل ہو جائے تو وہ جائز ہے)۔

اسی طرح اسلام نے اپنے مال میں زکوٰۃ دینے کو پاکیزگی کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ جس سے انسان کا مال اور انسان خود بھی پاک اور صاف ہو جاتا ہے۔ قرآن پاک میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

''خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَهُمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ''[2]

ان کے مال میں سے زکوٰۃ قبول کر لو کہ اس سے تم ان کو (ظاہر میں بھی) پاک اور (باطن میں بھی) پاکیزہ کرتے ہو اور ان کے حق میں دعائے خیر کرو کہ تمہاری دعا ان کے لیے موجب تسکین ہے اور خدا سننے والا اور جاننے والا ہے۔

معلوم ہوا کہ مال میں سے زکوٰۃ ادا کرنا پاکیزگیِ مال کا سبب ہونے کے ساتھ ساتھ دعائے نبوی ﷺ کا بھی موجب بن جاتا ہے۔

---

[1] النساء:29

[2] التوبہ:103

فصل سوم

اقتصادیات میں روحانی پہلو کو نظر انداز کرنے سے خاندانی رویوں پر اثرات کا جائزہ

خاندان کا معنی مفہوم:

لفظ "خاندان" عرف عام میں "کنبہ، قبیلہ اور برادری" کے لیے مستعمل ہے۔ اصل میں یہ اردو زبان کا لفظ ہے عربی میں خاندان کا معنی "الاسرۃ، عائلہ" کیا جاتا ہے، انگلش میں "فیملی(Family)" اور فارسی میں "خانوادہ" کہا جاتا ہے۔

عربی زبان میں خاندان کو الاسرۃ کہتے ہیں جس کا مادہ "ا، س، ر" ہے جس کے لغت میں کئی معنی آتے ہیں جیسے قیدی، پختگی، مضبوطی، تنظیم وغیرہ، لیکن لفظ "الاسرۃ" خاندان کے لیے ہی استعمال ہوتا ہے۔ مرتضیٰ الزبیدی اس کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "اسرة الانسان:عشيرته ورهطه الادنون،ماخوذ من الاسر،وهو القوة،سموابذالک لانه يتقوى بهم،والاسرة:عشيرةالرجل واهل بيته"[1]
>
> انسان کا خاندان: اس کی آل اولاد اور باپ کی طرف سے نسبی رشتہ داروں کو کہا جاتا ہے، اور اگر "اسر" سے ماخوذ ہو تو اس کا معنی قوت ہے، اس کو قوت اس لیے کہا جاتا ہے کہ انسان اپنے قبیلہ سے قوت حاصل کرتا ہے۔ اور "الاسرۃ" آدمی کے گھر والوں کے نظم زندگی کو کہا جاتا ہے۔

خاندان کی اہمت:

معاشرے میں خاندان کو بڑی اہمیت حاصل ہے جو کہ معاشرے کا ایک اہم رکن ہے، خاندان کا وجود مرد اور عورت کے درمیان ازدواجی رشتے کے قیام پر منحصر ہے۔ معاشرے کے قیام کے لیے خاندان اساسی ادارہ ہے جس کے بغیر معاشرے کی ترقی وارتقاء ممکن نہیں ہے۔ انسان دنیا میں کہیں بھی ہو اس کا مرکز اور محور اس کا خاندان ہی ہوتا ہے۔ جو اس کی نسل کی تعلیمی، اخلاقی اور تربیتی سرگرمیوں کا ذمہ دار ہوتا ہے، خاندان کی تربیت اور اخلاقیات کا اثر معاشرے کی باقی تمام اقدار پر پڑتا ہے خواہ وہ معاشرتی، مذہبی، سیاسی یا معاشی اقدار ہوں خاندان کا ان میں اعلی کردار ہوتا ہے، خاندان کا گھریلو سطح پر استحکام ہی معاشرے میں معاشی اور معاشرتی استحکام کا سبب بنتا ہے۔

خاندان کی اہمیت کا اندازہ اسلامی احکامات اور شریعت کا اس طرف اتنی توجہ دینے سے ہی لگایا جاسکتا ہے کہ اسلام نے عائلی قوانین کے بارے میں اتنی وضاحت کی ہے کہ اسلامی تعلیمات میں اسے ایک الگ شعبہ کی حیثیت حاصل ہے۔ قرآن مجید میں ایک تہائی سے زائد مسائل ایسے ہیں جن کا تعلق عائلی یا خاندانی نظام سے ہے، چنانچہ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

> ''يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا''[2]
>
> لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک نفس سے پیدا کیا (یعنی اول) اس سے اس کا جوڑا بنایا۔ پھر ان دونوں سے کثرت سے مرد و عورت (پیدا کرکے روئے زمین پر) پھیلا دیئے۔ اور خدا سے

---

[1] الزبیدی، محمد مرتضیٰ، موسوعۃ الفقھیۃ الکویتیۃ، وزارۃ الاوقاف والشوؤن الاسلامیۃ، کویت، ط1418ھ، ج4، ص223

[2] النساء: 1

جس کے نام کو تم اپنی حاجت بر آری کا ذریعہ بناتے ہو ڈرو اور (قطع مودت) ارحام سے (بچو) کچھ شک نہیں کہ خدا تمہیں دیکھ رہا ہے۔

خاندان ایک ایسی اللہ رب العزت کی عطاء کردہ نعمت ہے کہ کئی مرتبہ خاندان انسان کے مخالف پر رعب اور دبدبہ اور ہیبت کا سبب بنتا ہے جیسا کہ حضرت شعیب علیہ السلام کے بارے میں قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

'' قَالُوا يَا شُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيرًا مِمَّا تَقُولُ وَإِنَّا لَنَرَاكَ فِينَا ضَعِيفًا وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنَاكَ وَمَا أَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيزٍ''[1]

اُنہوں نے کہا کہ شعیب تمہاری بہت سی باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ تم ہم میں کمزور بھی ہو اور اگر تمہارے بھائی نہ ہوتے تو ہم تم کو سنگسار کر دیتے اور تم ہم پر (کسی طرح بھی) غالب نہیں ہو۔

انسان کی تخلیق کے لیے اللہ رب العزت نے حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا سلام اللہ علیہا کو چنا جن کے درمیان رشتہ ازدواج کی وجہ سے ہی نسل انسانی میں فروغ ہوا۔ اللہ رب العزت نے انسان کی فطرت میں محبت اور الفت کا پہلو رکھا ہے جو زوجین کے درمیان پیدائشِ اولاد اور پرورش اولاد کا سبب بنتا ہے۔

اسلام میں نسل کی حفاظت:

نسلِ انسانی کی حفاظت کو اسلام نے معاشرے کی پاکیزگی کا سبب قرار دیا ہے۔ اس کا شمار شریعت اسلامیہ کے خصائص میں ہوتا ہے، اس مقصد کی تکمیل کے لیے اسلام نے نکاح جیسی نعمت انسان کو عطاء کر کے انسانی حسب نسب کو محفوظ ترین بنا کر زنا کو حرام قرار دیا ہے جس سے نسب میں اختلاط پیدا ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

''وَأَنْكِحُوا الْأَيَامَى مِنْكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ إِنْ يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ''[2]

اور اپنی قوم کی بیوہ عورتوں کے نکاح کر دیا کرو۔ اور اپنے غلاموں اور لونڈیوں کے بھی جو نیک ہوں (نکاح کر دیا کرو) اگر وہ مفلس ہوں گے تو خدا ان کو اپنے فضل سے خوش حال کر دے گا۔ اور خدا (بہت) وسعت والا اور (سب کچھ) جاننے والا ہے۔

آزاد کے علاوہ لونڈیوں اور باندیوں کے نکاح کی ترغیب دے کر اسلام نے حسب ونسب کو اتنا صاف اور شفاف بنانے پر زور دیا ہے کہ اس کے برعکس پر دنیا میں رجم اور کوڑوں کی سزا سنائی ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

'' الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ''[3]

جو زنا کرنے والی عورت ہے اور جو زنا کرنے والا مرد ہے، سو دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو۔

---

[1] الھود:91

[2] النور:32

[3] النور:2

شادی شدہ زانی کی سزا آپ ﷺ نے رجم فرمایا:

"ان رجلا من اسلم اتى رسول الله صلى الله عليه وسلم، فحدثه انه قد زنى، فشهد على نفسه اربع شهادات، فامر به رسول الله صلى الله عليه وسلم فرجم، وكان قد احصن"[1]

قبیلہ اسلم کے ایک صاحب ماعز نامی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور کہا کہ میں نے زنا کیا ہے۔ پھر انہوں نے اپنے زنا کا چار مرتبہ اقرار کیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے رجم کا حکم دیا اور انہیں رجم کیا گیا، وہ شادی شدہ تھے۔

اچھے خاندان کی صفات:

ایک اچھا خاندان تب ہی تشکیل پاتا ہے جب وہ درج ذیل خصوصیات کا حامل ہو:

1۔ فیصلہ گھر کا سربراہ کرے اور اس کے کئے گئے فیصلے پر عمل کرنے کا گھر کا ہر فرد پابند ہو۔ 2۔ بچوں کو خاندان کا لازمی جز قرار دیا جائے۔ 3۔ گھر کے بڑوں کا احترام ہو۔ 4۔ گھر میں ایک دوسرے پر مکمل اعتماد اور بھروسہ ہو۔ 5۔ ایک دوسرے کا احساس اور خوشی غمی میں شریک ہوں۔ 6۔ مذہبی عقائد کا اجرا اور روایات پر عمل درامد ہو۔ 7۔ رشتوں کا تقدس اور حیاء ہو۔ وغیرہ

جو خاندان ان صفات سے عاری ہو گا وہ خاندان بے حیائی، بے شرمی اور جنسی بے راہ روی کا شکار ہو گا جو کہ خاندانی اقدار کو ہلاک کر دیتا ہے۔

جدید مغربی خاندانی نظام:

معاشرے کو استحکام اور قیام بخشنے والی چیز شادی ہے جو کہ انسانی زندگی کا ایک اہم ستون ہے جس کے ذریعے ایک خاندان وجود میں آتا ہے۔ اگر معاشرہ جن خاندانوں پر مشتمل ہے وہ مضبوط مستحکم اور ان کے افراد کے آپس کے تعلقات خوشگوار ہیں تو معاشرہ خود بخود معیاری اور بے مثال ہو گا۔ اور اگر معاشرہ کے خاندانی خدوخال، حالات اور آپس میں تعلقات خود غرضی اور جفاکشی، بے حیائی پر مبنی ہوئے تو معاشرہ عدم توازن کا شکار ہو جائے گا۔

اس کے علاہ مغربی خاندانی نظام میں بنیادی چیز شادی جو کہ ایک باہمی رضامندی اور رسمی معاہدہ تھی ایک قانونی معاہدے کے تحت کی جاتی ہے، جس میں نکاح کا تصور معدوم ہے۔ جب وہ تصور جس سے ایک خاندان تشکیل پاتا ہے وہ ہی نہیں ہے تو وہ خاندان جس سے ایک معاشرے کی بنیاد رکھی جاتی ہے کمزور بنیادوں کا شکار ہو کر رہ جائے گی۔[2]

لیکن ان کمزور بنیادوں کے باوجود کچھ مغربی خاندانی صورتیں مغربی معاشرے میں موجود ہیں جن میں سے چند درج ذیل ہیں۔

---

[1] بخاری، الجامع الصحیح، كتاب المحاربين، بَابُ رَجْمِ الْمُحْصَنِ، رقم الحدیث: 6814

[2] بشریٰ جبیں، اسلام اور مغرب میں خاندانی نظام کا تقابلی جائزہ، ششماہی التفسیر، کراچی، شمارہ 35، ج14، جنوری تا جون 2020ء، ص 307

1۔نیوکلیئر فیملی (Nuclear Family):

یہ اس خاندان کو کہا جاتا ہے جس میں صرف والدین اور بچے شامل ہوں، اور یہ خاندان اپنے قیام کے لیے شادی کا محتاج نہیں ہے، صرف ازدواجی تعلقات کا ہونا ضروری ہے۔

2۔ سنگل پیرنٹ فیملی (Single Parent Family):

یہ اس خاندان کو کہا جاتا ہے جس میں زوجین میں سے ایک اولاد کی پرورش کرنے والا ہو دوسرا یا تو فوت ہو گیا ہو یا طلاق ہو گئی ہو۔ یا پھر وہ زیر کفالت اولاد مصنوعی یا غیر ارادی حمل سے پیدا ہوئی ہو۔ بہر صورت ان دونوں میں سے اکیلا ہی بچوں کی کفالت کرے۔[1]

سرمایہ دارانہ نظام اور خاندانی رویے:

ایک خاندان مختلف افراد کے مجموعے سے مرتب ہوتا ہے جن کا آپس میں وہ تعلق ہوتا ہے جو جسم کے اجزاء کا پورے جسم سے ہوتا ہے۔ کسی ایک کے ٹھیک نہ ہونے سے پورا وجود پریشان ہوتا ہے۔ لہٰذا ان کے رہن سہن اور آپس میں تعلقات وابسطہ رکھنے کے لیے کچھ خاندانی اصول، روایات، رسومات اور ضابطے ہوتے ہیں جن کے مطابق اس خاندان کو چلایا جاتا ہے۔ جس معاشرے میں یہ افراد کا مجموعہ خاندان کی شکل میں پرورش پا رہا ہوتا ہے اس معاشرے کا نظم و نسق جس طرح معاشرے پر اثر انداز ہوتا ہے اسی طرح اس خاندان پر بھی اپنے اثرات مرتب کرتا ہے جس کی بنیاد پر وہ معاشرہ قائم ہوا۔

چونکہ ایک خاندان کو معاشرے میں رہنے کے لیے جہاں باقی نظامہائے زندگی کے ساتھ وابستگی ضروری ہے وہاں اس معاشرے میں رائج معاشی نظام کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے، اور اس سے متاثر ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ معاشرہ جہاں جدید اقتصادی نظام (سرمایہ دارنہ نظام) رائج ہو وہ اس معاشرے کے خاندانی رویوں پر جو جو اثرات مرتب کرتا ہے وہ درج ذیل ہیں۔

1۔روح کی تسکین اور خاندانی نظام:

اللہ رب العزت نے انسان کو جسم اور روح کے مجموعے سے تخلیق کیا ہے، اور اسی طرح انسان کی ضروریات بھی دو قسم میں منقسم ہیں ایک جسمانی ضروریات اور دوسری روحانی ضروریات۔ جسمانی ضروریات جیسے: کھانا پینا اور جسمانی لذات وغیرہ ہیں۔ اور روحانی ضروریات سے مراد روح کی تسکین ہے جن کے حصول کے لیے انسان اپنی ساری زندگی کوشش میں لگا رہتا ہے۔ خاندانی نظام میں روح کی تسکین کے لیے اللہ رب العزت نے رشتہ ازدواج بنایا ہے جس سے انسان کی روح کو تسکین اور تازگی میسر ہوتی ہے۔ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

---

[1] بشریٰ جبیں، اسلام اور مغرب میں خاندانی نظام کا تقابلی جائزہ، ششماہی التفسیر، کراچی، شمارہ 35، ج14، جنوری تا جون 2020ء، ص، 308-309

''وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ''[1]

اور اسی کے نشانات (اور تصرفات) میں سے ہے کہ اُس نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس کی عورتیں پیدا کیں تاکہ اُن کی طرف (مائل ہوکر) آرام حاصل کرو اور تم میں محبت اور مہربانی پیدا کر دی جو لوگ غور کرتے ہیں اُن کے لئے ان باتوں میں (بہت سی) نشانیاں ہیں۔

اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

'' هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ''[2]

وہ خدا ہی تو ہے جس نے تم کو ایک نفس سے پیدا کیا اور اس سے اس کا جوڑا بنایا تاکہ اس سے راحت حاصل کرے۔

اسلام نے انسان کی روح کی تسکین کے لیے خاندانی نظام عطاء کیا ہے۔ لیکن سرمایہ دارانہ نظام نے ذاتی مفاد کی بنیاد پر اس روحانی تسکین کو متاثر کر کے اس میں بھی رخنہ ڈال دیا ہے۔ جو رشتہ محبت اور الفت کی بنیاد پر قائم تھا اسے ایک قانونی معاہدہ کی حد تک محصور کر دیا ہے۔ جس کا مقصد صرف اور صرف مادی منفعت، جسمانی لذات اور شہوت رانی رہ گیا ہے۔

شاہدہ پروین لکھتی ہیں:

"جدید مغرب کے ہر پہلو پر مادی منفعت اور توسیع پسندی کا پہلو غالب ہے، اہل مغرب کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ زندگی کے خزانے دریافت کئے جائیں اور انہیں کام میں لایا جائے مگر وہ زندگی میں کسی اخلاقی قدر کے اضافے کے لیے تیار نہیں ہیں"[3]

معلوم ہوا سرمایہ دارانہ نظام میں جو کہ مغرب کا ہی ایجاد کردہ ہے اس کے ہر پہلو میں مادی منفعت اور توسیع غالب ہے جس میں روحانیت کا کہیں بھی تصور نہیں ملتا۔

علامہ عفیف عبدالفتاح زندگی سے روحانیت کو نکال دینے کے نتیجے میں لکھتے ہیں:

"اکثریت آج اپنی لذتوں کی غلام بن کر رہ گئی ہے اور ان کی انسانیت محض حیوانیت کے درجے میں گر چکی ہے"[4]

2۔ سرمایہ دار رشتہ داروں کا کمزور رشتہ داروں کے ساتھ رویہ:

سرمایہ دارانہ نظام میں چونکہ مقابلے کی فضاء ہوتی ہے اس لئے وہ اپنے ماننے والے کو زیادہ سے زیادہ مال جمع کرنے اور سرمائے

---

[1] الروم:21

[2] الاعراف:189

[3] شاہدہ پروین، عصری عائلی مسائل اور اسلامی تعلیمات، ڈاکٹر طاہرہ بشارت، مقالہ برائے پی ایچ ڈی، ادارہ علوم اسلامیہ جامعہ پنجاب، لاہور، 2008ء، ص14

[4] عبدالفتاح، عفیف، علامہ، اسلام میں روحانیت کا تصور (مترجم ڈاکٹر عبداللہ فہد)، ص20

کے حصول پر اکساتا ہے، جیسا کہ سرمائے میں بڑھوتری اس نظام کی بنیادی قدر آزادی کے فروغ کا تکملہ ہے۔ اسی اصول کے تحت ہر فرد دوسرے سے آگے نکلے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔ جاوید اکبر انصاری لکھتے ہیں:

"سرمایہ دارانہ عقلیت کا حتمی تقاضایہ ہے کہ دولت کا واحد معقول اور جائز استعمال اس کی مستقل بڑھوتری کی جستجو ہے"[1]

سرمایہ دار نہ نظام کی یہ ہی مسلسل جستجو ایک ہی خاندان کے مختلف افراد کے درمیان تفریق پید کر دیتی ہے اور اسے کمزور سمجھا جاتا ہے۔ جو خاندان میں معاشی طور پر کمزور ہو اور جو معاشی طور پر مال و دولت والا ہو اس کی خاندان میں عزت و اکرام اس کمزور کی بانسبت زیادہ ہوتی ہے، اس کے ساتھ تعلقات کو قائم کرنے کو بھی پسند نہیں کیا جاتا، خاندان والے اسے ایسے ایسے طعنے کستے ہیں کہ وہ بے بس اپنے آپ کو اپنی ہی نظروں سے گرا ہو محسوس کرتا ہے، اور خوشی غمی کے موقع پر گھٹیا دیکھانے کی کوشش کرتے ہیں، تعارف کے دوران کوئی اس کے ساتھ اپنا تعارف کرانا پسند نہیں کرتا، اس کے ساتھ کھانا پینا اس کے اپنے ہی اچھا نہیں سمجھتے۔ جب کہ اسلام یہ تعلیم دیتا ہے کہ اگر کوئی معاشی طور پر کمزور ہے تو اس کے ساتھ تعاون کرو اور تعاون کے لیے سب سے پہلے خاندان کا ہی حق ہے۔ چناچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

" وَآتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا"[2]

اور رشتہ دار کو اس کا حق دے اور مسکین اور مسافر کو اور مت بے جا خرچ کر۔

اسی طرح آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا

"نعم، لها اجران اجر القرابة واجر الصدقة"[3]

ہاں! بیشک درست ہے۔ اور انہیں دو گنا ثواب ملے گا۔ ایک قرابت داری کا اور دوسرا خیرات کرنے کا۔

ہمارا معاشرہ بجائے اپنے ضرورت مند عزیز کی امداد کے اسے گھٹیا دیکھانے کی کوشش کرتے ہیں جبکہ اسلام نے عزت و اکرام کا معیار تقویٰ کو ٹھہرایا ہے نہ کہ مال و دولت کو۔ جیسا کہ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

"يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ"[4]

لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے۔ تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرو۔ اور خدا کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے۔ بے شک خدا سب کچھ جاننے والا (اور) سب سے خبردار ہے۔

---

[1] انصاری، جاوید اکبر، ڈاکٹر، دروس سرمایہ داری ایک تعارف، ص16

[2] بنی اسرائیل:26

[3] بخاری، الجامع الصحیح، كِتَاب الزَّكَاة، بَابُ الزَّكَاةِ عَلَى الزَّوْجِ وَالأَيْتَامِ فِي الْحَجْرِ، رقم الحدیث:1466

[4] الحجرات:13

3۔خاندانی تربیت پر سرمایہ دارنہ نظام کا اثر:

سرمایہ دار انہ نظام کی نظریاتی بنیادیں سیکولرزم کے ہاتھ میں ہیں اس لیے سرمایہ دارانہ نظام اجتماعی معاملات میں مذہب سے بیزاری کا دعویدار ہے اور مذہب صرف اور صرف انفرادی معاملات تک محدود ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام اس نظریہ کے بعد وہ تربیت جو سرمایہ دارانہ انفرادیت کے خلاف ہو اسے قبول نہیں کرتا۔ سرمایہ دارانہ نظام فرد کو عبد الدرہم اور عبد الدینار دیکھنا چاہتا ہے جس کا ایک ہی مقصد ہے کہ اگر وہ معاشرے میں رہ رہا ہے تو معاشرے کا ہر ہر فرد اپنے سرمائے میں کیسے اضافہ کر سکتا ہے ؟ اور اگر خاندان کا حصہ ہے تو خاندان کا ہر ہر فرد سرمائے میں کیسے اضافہ کر سکتا ہے ؟، یہ ہی نظریہ والدین کے ساتھ تعلق اور والدین کا اولاد کے ساتھ تعلق، زوجین کا آپس میں تعلق اور خاندان کے تمام افراد سے تعلق کی جہت ہی تبدیل کر دیتا ہے کیونکہ اس نظام میں ہر تعلق معاہدے اور مفاد کی بنیاد پر قائم ہے جس میں کسی دوسری تربیت کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ڈاکٹر جاوید انصاری لکھتے ہیں:

> "سرمایہ دارانہ عقلیت میں مذہبی، نسلی، لسانی اور طبقاتی امتیازات کو رد کیا جاتا ہے اور سرمایہ دارانہ معاشرت میں اس بات کی کوشش کی جاتی ہے کہ ہر فرد کو سرمائے کی خدمت کرنے کے لیے زیادہ سے زیادہ اور یکساں مواقع فراہم کئے جائیں"[1]

سرمایہ دارانہ نظام میں افراد کی تمام سرگرمیاں سرمائے کی خدمت کے لیے ہی ہوں گی اور اسی کی ہی تربیت بھی دی جائے گی۔ جبکہ اسلام خاندان کو اس کے ماتحت رہنے والے افراد کے لیے ایک تربیت گاہ قرار دیتا ہے جس میں خاندان کے تمام افراد کی تربیت ہوتی ہے اگر خاندان متقی صالح اور ایک نظم پر قائم ہو گا تو افراد کی تربیت بھی اسی طرح ہو گی۔[2]

اسلام گھر کے بڑوں یا والدین کی ذمہ داری لگاتا ہے کہ وہ اپنی اولاد یا اپنے سے چھوٹوں کی اچھی تربیت کریں تا کہ ایک اچھا خاندان تشکیل پاسکے قرآن پاک میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

> " يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ"[3]
>
> اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہیں۔

اسلامی نظام کی یہ روحانیت ہے کہ وہ انسان کی تربیت کے لیے مواقع فراہم کرتا جس سے خاندان معاشرہ یا ریاست میں محبت الفت اور ہمدردی کی فضاء قائم ہوتی ہے۔ اور یہ ہی تربیت آنے والی نسلوں میں منتقل ہوتی ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

> "اکرموا اولادکم , واحسنوا ادبھم"[1]

---

[1] محمد احمد، حافظ، سرمایہ دارانہ نظام ایک تنقیدی جائزہ، الغزالی پبلیکیشنز، کراچی، ط دوم، 2009ء، ص118

[2] احمد خلیل، اولاد کی تربیت قرآن وسنت کی روشنی میں، مکتبہ بیت العلوم، لاہور، 2003ء، ص130

[3] التحریم:6

تم لوگ اپنی اولاد کے ساتھ حسن سلوک کرو، اور انہیں بہترین ادب سکھاؤ۔

4۔ سرمایہ دارانہ نظام اور خاندان کے استحکام کا زوال:

نظام سرمایہ داری کی ایمانیات میں سے آزادی ایک ایسا عنصر ہے جس کی بنیاد پر سرمایہ دارانہ نظام کی معیشت قائم ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ انسان خود اس کا اہل کے کہ وہ اپنے لیے خیر اور شر کے پیمانے کا تعین کر سکے، اور انسان کو مکمل حق ہے کہ خیر و شر کے تعین کے بعد سرمائے کی بڑھوتری کے لیے جو چاہیے کر سکے۔ علامہ رفیع عثمانی لکھتے ہیں:

"سرمایہ دار کے نزدیک معاشی آزادی ایک فطری عمل ہے، کسی بھی قسم کی مداخلت معیشت کے توازن کو بگاڑنے کے ساتھ ساتھ انفرادی ملکیت کی حقوق پر دست اندازی کے مترادف ہے"[2]

اس آزادی کا معاشرے کے ساتھ ساتھ خاندان پر یہ اثر ہوتا ہے کہ خاندان معاشی عدم توازن کا شکار ہو جاتا ہے ہر بندہ اپنے لیے حلال و حرام کی تمیز کئے بناہی سرمائے کے حصول کی کوشش کرتا ہے۔ جس میں سرمایہ کچھ افراد کے ہاتھوں میں گردش کرنے لگتا ہے، اور باقی افراد سرمایہ داروں کی مرہون منت زندگی گزارنے پر مجبور ہو جاتے ہیں، اور خاندان کے اپنے سرمایہ دار اپنوں کا ہی استحصال کرتے ہیں جس سے ایک خاندان کا استحکام مکمل طور پر ختم ہو جاتا ہے اور طرح طرح کی برائیاں پیدا ہوتی ہیں، خاندان میں ہی ایک دوسرے کے دشمن پیدا ہو جاتے ہیں جو ایک دوسرے کو دیکھنا بھی گوارہ نہیں کرتے۔

اس کے برعکس اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہونے کی وجہ سے انسان کے ہر ہر شعبہ زندگی میں راہنمائی کرتا نظر آتا ہے یہاں بھی خاندانی سطح پر خاندان کو عدم استحکام سے بچانے کے لیے راہنما اصول دیتا ہے اور ذمہ داریاں سونپ دیتا ہے، جس میں معاملات خانہ داری عورت کے ذمے لگا کر معاشی حالات سے نمٹنے کے لیے مرد کی ڈیوٹی لگا دیتا ہے کہ گھر میں عورت کا نان نفقہ مرد کے ذمہ ہے اور نابالغ اولاد کی پرورش پر آنے والے اخرجات بھی مرد کے ہی ذمہ ہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"ان رجلا سال النبي صلى الله عليه وسلم ما حق المراة على الزوج؟، قال:" ان يطعمها إذا طعم،وان يكسوها إذا اكتسى، ولا يضرب الوجه، ولا يقبح، ولا يهجر إلا في البيت"[3]

ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: بیوی کا شوہر پر کیا حق ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کھائے تو اس کو کھلائے، جب خود پہنے تو اس کو بھی پہنائے، اس کے چہرے پر نہ مارے، اس کو برا بھلا نہ کہے، اور اگر اس سے لاتعلقی اختیار کرے تو بھی اسے گھر ہی میں رکھے۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

"ان هندبنت عتبة،قالت:يا رسول الله،إن اباسفيان رجل شحيح وليس يعطيني مايكفيني

---

[1] ابن ماجہ، **السنن**، كتاب الأدب، باب: بِرِّ الْوَالِدِ وَالإِحْسَانِ إِلَى الْبَنَاتِ، **رقم الحدیث:** 3671

[2] عثمانی، **محمد رفیع**، مفتی، **اسلامی معیشت کے چند نمایاں پہلو**، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، 1975ء، ص 21

[3] ابن ماجہ، **السنن**، كتاب النكاح، بَابُ : حَقِّ الْمَرْأَةِ عَلَى الزَّوْجِ، **رقم الحدیث:** 1850

وولدي إلا ما اخذت منه وهو لا يعلم، فقال: خذي ما يكفيك وولدك بالمعروف"[1]

ہند بنت عتبہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! ابوسفیان (ان کے شوہر) بخیل ہیں اور مجھے اتنا نہیں دیتے جو میرے اور میرے بچوں کے لیے کافی ہو سکے۔ ہاں اگر میں ان کی لاعلمی میں ان کے مال میں سے لے لوں (تو کام چلتا ہے)۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم دستور کے موافق اتنا لے سکتی ہو جو تمہارے اور تمہارے بچوں کے لیے کافی ہو سکے۔

اسی طرح اولاد کی تربیت اور امور خانہ داری عورت کے ذمے ہیں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" كلكم راع وكلكم مسئول عن رعيته، الإمام راع ومسئول عن رعيته، والرجل راع في اهله وهو مسئول عن رعيته، والمراة راعية في بيت زوجها ومسئولة عن رعيتها"[2]

تم میں سے ہر ایک نگران ہے اور اس کے ماتحتوں کے متعلق اس سے سوال ہو گا۔ امام نگران ہے اور اس سے سوال اس کی رعایا کے بارے میں ہو گا۔ انسان اپنے گھر کا نگران ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہو گا۔ عورت اپنے شوہر کے گھر کی نگران ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہو گا۔

اگر خاندان کی عمارت کو اسلامی سانچے کے مطابق ڈھال لیا جائے تو خاندان عدم استحکام کا شکار نہیں ہو گا کیونکہ اسلام نے انہی خرابیوں سے بچنے کے لیے ایسا عمدہ نظام ترتیب دیا ہے کہ جس کی مثال دوسرے نظاموں میں نہیں ملتی۔

5۔ خاندان کی اخلاقیات پر سرمایہ دارانہ نظام کا اثر:

سرمایہ دارانہ نظام کی عقلیت ہے کہ زیادہ سے زیادہ خواہشات پیدا کی جائیں، اور انسان کو ان خواہشات کی تکمیل کے پیچھے لگا دیا جائے تا کہ وہ ان خواہشات کو پورا کرنے کے لیے سرمایہ دارانہ نظام کے طرف سے دی گئی آزادی کے اصول پر عمل کرتے ہوئے ہر وہ عمل بجالانے کے حق کو استعمال میں لائے کہ جس سے وہ اتنا سرمایہ اور نفع کما سکے کہ خواہشات کی تکمیل کے مراحل میں کوئی رکاوٹ نہ ہو۔

اور ادھر سرمایہ دارانہ نظام میں سرمایہ کا یہ عالم ہے کہ وہ چند ہی ہاتھوں میں جمع ہو جاتا ہے۔ اور دوسری جانب ایک عام آدمی پر خواہشات کو اتنا غالب کر دیتا ہے، باجود اس کے کہ خواہشات اپنی تکمیل کا تقاضا کرتی ہیں، تو اس صورت میں سرمائے کی قلت فرد کی اخلاقیات کو مسمار کرے گی، جس سے معاشرہ یا خاندان اخلاقی کمزوریوں کا شکار ہو جائے گا۔ اور معاشرے سے حلال وحرام کی تمیز ختم ہو جانے کی وجہ سے ڈاکہ زنی، چوری، زبردستی دوسرے کے مال پر قابض ہونے کے ساتھ ساتھ شراب خوری، زنا، مفاد پرستی، حرص، حسد اور لالچ وغیرہ جیسی اخلاقی بیماریاں خاندان اور معاشرے کا حصہ بن جاتی ہیں۔

---

[1] بخاری، الجامع الصحیح، كِتَاب النَّفَقَاتِ ، بَابُ إِذَا لَمْ يُنْفِقِ الرَّجُلُ فَلِلْمَرْأَةِ أَنْ تَأْخُذَ بِغَيْرِ عِلْمِهِ مَا يَكْفِيهَا وَوَلَدَهَا بِالْمَعْرُوفِ، رقم الحدیث:5364

[2] بخاری، الجامع الصحیح، كِتَاب الْوَصَايَا، بَابُ تَأْوِيلِ قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى: (مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ)، رقم الحدیث:2751

ڈاکٹر جاوید اکبر انصاری لکھتے ہیں:

"ہر وہ شخص سرمایہ دار ہے جس کی زندگی کا مقصد کائنات پر اپنی خواہشات کو مسلط کرنا ہوتا ہے۔ اور ہر سرمایہ دار کی زندگی کا مقصد اپنی آزادی کو ترقی دینا ہوتا ہے تاکہ کائنات کی تمام قوتوں کو مسخر کرکے اس کی تمام خواہشاتِ نفسانی پوری کی جاسکیں"[1]

مولانا مودودیؒ سرمایہ داروں کے بارے میں لکھتے ہیں:

"ان قوانین نے عملاً افراد کو پوی آزادی دے رکھی ہے کہ جس طرح چاہیں جماعت کے مفاد کے خلاف اپنی معاشی اغراض کے لیے جدوجہد کریں۔ روپیہ کمانے کے طریقوں میں جائز اور ناجائز کا امتیاز قریب مفقود ہے، ہر وہ طریقہ جس سے کوئی شخص دوسروں کو لوٹ کر یا تباہ کرکے مالدار بن سکتا ہو قانون کی نظر میں جائز ہے"[2]

سرمایہ دارانہ نظام کی یہ تمام اقدار معاشرے اور خاندان کو ایک دوسرے کے ساتھ تعلقات جو اجتماعی مفاد، باہمی ہمدردی، والدین کی قدر، زوجین کی باہمی محبت اولاد کے ساتھ رشتہِ شفقت ومحبت اور تمام اخلاقیات سے دور کرتی ہیں۔

اسلام نے اس کے برعکس باہمی رشتہ اور تعلقات کو استوار کرنے میں اخلاقیات کا درس دیا ہے، خاندان کے بڑے افراد والدین ہیں ان کے ساتھ حسن سلوک اور اخلاق سے پیش آنا اللہ رب العزت نے بہت تاکید فرمائی ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''وَقَضَى رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا o وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا''[3]

اور تمہارے پروردگار نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرتے رہو۔ اگر ان میں سے ایک یا دونوں تمہارے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو اُن کو اُف تک نہ کہنا اور نہ انہیں جھڑکنا اور اُن سے بات ادب کے ساتھ کرنا، اور عجز و نیاز سے ان کے آگے جھکے رہو اور ان کے حق میں دعا کرو کہ اے پروردگار جیسا انہوں نے مجھے بچپن میں (شفقت سے) پرورش کیا ہے تو بھی اُن (کے حال) پر رحمت فرما۔

اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

''وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا''[4]

اور ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے کی تاکید کی۔

---

[1] انصاری، جاوید اکبر، ڈاکٹر، سرمایہ داری کے نقیب، ص24

[2] مودودی، ابوالاعلی، سید، معاشیات اسلام، ناشر اسلامک پبلیکشینز، لاہور، 2013ء، ص47

[3] بنی اسرائیل:23-24

[4] الاحقاف:15

بیٹیوں کے ساتھ اچھے اخلاق کے بارے میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''من كانت له انثى فلم يئدها ولم يهنها ولم يؤثر ولده عليها، قال يعني الذكور ادخله الله الجنة''[1]

جس کے پاس کوئی لڑکی ہو اور وہ اسے زندہ درگور نہ کرے، نہ اسے کمتر جانے، نہ لڑکے کو اس پر فوقیت دے تو اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل کرے گا۔

بیٹوں کے ساتھ انصاف کے بارے حضرت بشیر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی خدمت میں بیٹے کو عطیہ دینے پر گواہ بنانے گئے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

'' الك ولد سواه؟ قال: قلت: نعم، قال: فكلهم اعطيت مثل ما اعطيت النعمان؟ قال: لا، قال فقال بعض هؤلاء المحدثين: هذا جور''[2]

کیا اس کے علاوہ بھی تمہارے اور کوئی لڑکا ہے؟'' انہوں نے کہا: ہاں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم نے سب کو اسی جیسی چیز دی ہے جو نعمان کو دی ہے؟'' انہوں نے کہا: نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ تو ظلم ہے''۔

بیوی کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آنے کے بارے میں قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

'' وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ''[3]

اور ان کے ساتھ اچھے طریقے سے رہو۔

ان آیات اور احادیث مبارکہ سے واضح ہوا کہ اسلام نے خاندان کے تعلقات میں اخلاقیات کے پہلو کو بہت اہمت دی ہے۔

---

[1] ابوداؤد، السنن، أَبْوَابُ النَّوْمِ، باب فِي فَضْلِ مَنْ عَالَ يَتَامَى، رقم الحدیث:5146

[2] البخاری، الجامع الصحیح، كِتَابُ الْإِجَارَةِ ،باب فِي الرَّجُلِ يُفَضِّلُ بَعْضَ وَلَدِهِ فِي النُّحْلِ، رقم الحدیث:3542

[3] النساء:19

خلاصۃ البحث

خلاصۃ البحث

اسلام مذہب کی بجائے بطور دین نازل کیا گیا ہے اور اس میں ہر معاشرتی نظام کے اصول وضوابط طے کر دیئے گئے ہیں۔ کہ انسان معاشی طور پر، معاشرتی طور پر اور سیاسی طور پر ایک گروپ کی شکل میں کس طرح زندگی گزاریں گے۔ لہٰذا معاشرتی اعتبار سے جو منہج و اسلوب عند اللہ مقبول تھا بیان کر دیا گیا ہے۔ مقالہ ہذا میں ان حکامات کے روحانی پہلوؤں کو زیر بحث لایا گیا ہے۔

اسلام نے کسی بھی نظام کو مکمل طور پر اس کی جزئیات اور کلیات سمیت بیان نہیں کیا کہ کہیں لگا بندھا سسٹم اور نظام بیان کیا ہو جو کسی علاقے پر نافذ کیا جائے یہ اسلام کی عالمگیریت کے خلاف ہے۔ اسلام کے بیان کردہ اصولوں میں اتنا پھیلاو ضرور ہوتا ہے کہ اس کے صرف بنیادی احکامات تو بیان کئے جائیں گے جن احکامات کو سامنے رکھتے ہوئے مختلف علاقے اپنے مزاج، طبیعت، اسباب اور علاقائی خطہ جاتی روایات، اساسی اور روحانی پہلوؤں کو مد نظر رکھتے ہوئے ہر علاقہ اپنے لیے ایک نظام تشکیل کر سکتا ہے۔ اور یہ ممکن ہے کہ ایک علاقے کے بیان کئے ہوئے نظام کی تشکیل دوسرے علاقے کے بیان کئے گے نظام سے عملاً مختلف ہو، چونکہ وہ ایک ہی روحانی اور اخلاقی طور پر ایک ہی اساس پر کھڑے ہوتے ہیں لہٰذا وہ دونوں علاقوں کے نظام اسلامی نظام ہی کہلائیں گے۔ لہٰذا فقہا کرام نے اسکی ظاہری حدبندیوں کو ابواب فقہیہ میں تفصیل سے ذکر کیا ہے مقالہ ہذا میں ان حکامات کے جو روحانی پہلو تھے ان کو بیان کیا گیا ہے۔

نتائج تحقیق

نتائج تحقیق

اس مقالے سے درج ذیل نتائج سامنے آتے ہیں۔

1۔ سرمایہ دارانہ نظام کی اساسیات پر مبنی اقتصادی نظام روحانیت کے تصور سے خالی اقتصادی نظام کو فروغ دیتا ہے۔

2۔ سرمایہ دارانہ نظام کی بنیاد پر مبنی اقتصادی نظام کے اثرات معاشرے میں مختلف جہات سے مرتب ہوئے ہیں۔ جن سے معاشرے میں اقتصادی استحکام تزلزل کا شکار ہو کر معاشرے میں کئی اخلاقی وروحانی اقدار کو پامال کرنے کا سبب ٹھہرا ہے۔

3۔ روحانی واخلاقی ترقی کے بغیر اقتصادی استحکام کا دوام ناممکن ہے۔

4۔ اسلامی اقتصادی نظام میں روحانیت اور اخلاقیات کے تصور کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔

5۔ تمام نظامہائے اقتصادیات میں سے اگر کسی نظام میں روحانیت اوراخلاقیات کا تصور ہے تو وہ صرف اور صرف اسلامی اقتصادی نظام ہی ہے۔

تجاویز و سفارشات

تجاویز وسفارشات

1۔ ظاہری اور سطحی احکامات، مقصد کی تعمیل میں تب ہی معاون اور کارگر ہوں گے جب معاشی نظام کی تشکیل نو میں اس کے روحانی پہلوؤں کو بھی مد نظر رکھا جائے۔ لہٰذا ادارجاتی صف بندی اور انتظام و انصرام کی تشکیل نو میں اوپر بیان کئے گئے اسلامی معاشی روحانی پہلو کو ضمنت کیا جائے تاکہ اسلامی معاشی نظام اسلامی معاشی اقدار کو فروغ دینے میں معاون بنے۔

2۔ اسلامی اصولوں کو مد نظر رکھتے ہوئے امداد باہمی اور مالیاتی اداروں کے لیے ایک نظم مقرر کیا جائے جس کی مانیٹرنگ شرعی بنک کرے۔

3۔ لوگوں کی معاشی طور پر حلال وحرام کی اگاہی کے لیے نظم تیار کیا جائے جس کے لیے علماء، سکول کالجز کے سیمینار، رفاہی معلوماتی ادارے، جرنل، ریسرچ سینٹر اور پبلک سیکٹر اپنا کردار ادا کریں۔

فہرست آیات

فہرست آیات

نمبر شمار	آیت	حوالہ	صفحہ
15	قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا	البقرة:275	49
16	وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا كُلٌّ فِي كِتَابٍ مُبِينٍ	الھود:06	50
17	إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ	الذاريات:58	50
18	لِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا فِيهِنَّ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ	المائدة:120	51
19	آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَأَنْفِقُوا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُسْتَخْلَفِينَ فِيهِ فَالَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَأَنْفَقُوا لَهُمْ أَجْرٌ كَبِيرٌ	الحديد:7	51
20	لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِمَّا اكْتَسَبْنَ	النساء:32	51
21	وَإِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ	البقرة:279	51
22	وَآتُوهُمْ مِنْ مَالِ اللَّهِ الَّذِي آتَاكُمْ	النور:33	52
23	وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَعْلُومٌ○ لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ	المعارج: 25-24	52
24	فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ	الجمعہ:10	52
25	وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ	الذاريات:19	53
26	وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَعْلُومٌ○ لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ	المعارج: 25-24	53
27	نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا	الزخرف:32	55
28	يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ	النساء:59	57
29	وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ	التوبہ:34	71
30	نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا	الزخرف:32	76
31	وَلَقَدْ مَكَّنَّاكُمْ فِي الْأَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ قَلِيلًا مَا تَشْكُرُونَ	الاعراف:10	76
32	’’وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَى	الطٰہٰ:124	76
33	ذَلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِلْمُتَّقِينَ	البقرة:02	76

77	الحجر:09	إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ	34
77	النحل:89	" وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ	35
77	البينة:03	فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ	36
77	الانعام:38	مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ إِلَى رَبِّهِمْ يُحْشَرُونَ	37
77	الاحزاب:21	كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ	38
78	آل عمران: 159	وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ	39
79	البقرة:188	وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ	40
79	البقرة:275	أَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا	41
79	النساء:29	يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ	42
80	المائدة:38	وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا	43
80	البقرة:283	فَإِنْ أَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ أَمَانَتَهُ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ	44
80	الليل:04	إِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتَّى	45
80	الشوریٰ:27	وَلَوْ بَسَطَ اللَّهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهِ لَبَغَوْا فِي الْأَرْضِ وَلَكِنْ يُنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَا يَشَاءُ إِنَّهُ بِعِبَادِهِ خَبِيرٌ بَصِيرٌ	46
81	الھود:06	وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا	47
82	الحشر:07	مَّآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِه مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتَامٰى وَالْمَسَاكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ o كَىْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ o وَمَآ اٰتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا o وَاتَّقُوا اللّٰهَ oاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَاب	48
87	القدر:04	تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ كُلِّ أَمْرٍ	49
87	النساء:171	إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَى مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِنْهُ	50
87	الحجر:29؛ الصاد:72	فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ	51

52	وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَأَحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ	القصص:77	89
53	يَا بَنِي آدَمَ خُذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ	الاعراف:31	89
54	فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِمِنْ خَلَاقٍ.وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ.أُولَئِكَ لَهُمْ نَصِيبٌ مِمَّا كَسَبُواوَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ	البقرة: 202-200	90
55	يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ .وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي أَنْتُمْ بِهِ مُؤْمِنُونَ	المائدة: 88-87	90
56	وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللَّهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا	الحديد:27	90
57	هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ	الصف:09	91
58	لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِينَ دَرَجَةً وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَى وَفَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ عَلَى الْقَاعِدِينَ أَجْرًا عَظِيمًا	النساء:95	92
59	فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ	الجمعہ:10	92
60	الْمَالُ وَالْبَنُونَ زِينَةُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا	الکھف:46	93
61	وَاعْلَمُوا أَنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَأَنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ	الانفال:28	93
62	إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ	الحجرات:13	94
63	وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًاoوَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ	الطلاق:2-3	95
64	وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَى آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكَاتٍ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَلَكِنْ كَذَّبُوا فَأَخَذْنَاهُمْ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ	الاعراف:96	95
65	” فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًاoيُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ	النوح:	96

	مِدْرَارًا oوَيُمْدِدْكُمْ بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَيَجْعَلْ لَكُمْ جَنَّاتٍ وَيَجْعَلْ لَكُمْ أَنْهَارًاo	12-10	
66	إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ	النحل:90	97
67	إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ	الحجرات:09	97
68	اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ	المائدۃ:8	97
69	الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أُولَئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُمْ مُهْتَدُونَ	الانعام:82	97
70	إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ	النحل:90	99
71	قُلْ يَا عِبَادِ الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا رَبَّكُمْ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ	الزمر:10	99
72	لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَلَدَارُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِينَ	النحل:30	99
73	وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ أَنْ صَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَنْ تَعْتَدُوا وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَلَا تَعَاوَنُواعَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ	المائدۃ:02	101
74	وَجَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَإِقَامَ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءَ الزَّكَاةِ وَكَانُوا لَنَا عَابِدِينَ	الانبیاء:73	103
75	وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَعْلُومٌ oلِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ	المعارج: 24-23	103
76	يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ	البقرۃ:267	103
77	فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ	الکوثر:02	105
78	وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ	البقرۃ:219	105
79	مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضَاعِفَهُ لَهُ أَضْعَافًا كَثِيرَةً وَاللَّهُ يَقْبِضُ وَيَبْسُطُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ	البقرۃ:245	106
80	مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِائَةُ حَبَّةٍ وَاللَّهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ	البقرۃ:261	106

نمبر	آیت	حوالہ	صفحہ
	وَاسِعٌ عَلِيمٌ		
81	كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ	الحشر:07	106
82	إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ	الحجرات:10	109
83	يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ	النساء:01	109
84	وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا	آل عمران: 103	109
85	يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ	النساء:29	110
86	أَخْرِجُوا أَنْفُسَكُمُ الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ	الانعام:93	115
87	قُلْ بِفَضْلِ اللَّهِ وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذَلِكَ فَلْيَفْرَحُوا	یونس:58	116
88	فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ	آل عمران: 170	116
89	وَ الْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا	التوبہ:60	127
90	وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ	البقرۃ:188	132
91	وَيْلٌ لِكُلِّ هُمَزَةٍ لُمَزَةٍ Oالَّذِي جَمَعَ مَالًا وَعَدَّدَهُ Oيَحْسَبُ أَنَّ مَالَهُ أَخْلَدَهُ Oكَلَّا لَيُنْبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ	الھمزۃ: 01-04	134
92	وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ	التوبہ:34	135
93	وَاللَّهُ خَيْرُ الرَّازِقِينَ	الجمعہ:11	137
94	وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ	الزاریات:19	139
95	إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ	الحجرات:10	144
96	وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ	آل عمران: 104	144
97	اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَ لِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ	الحج:41	144

145	المائدۃ:38	وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا	98
145	النور:02	الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ	99
145	البقرۃ:179	يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى	100
148	العلق:6-7	كَلَّا إِنَّ الْإِنْسَانَ لَيَطْغَىo أَنْ رَآهُ اسْتَغْنَى	101
148	الانفال:28	وَاعْلَمُوا أَنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَأَنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ	102
148	الانبیاء:37	خُلِقَ الْإِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ	103
151	الحشر:09	وَيُؤْثِرُونَ عَلَى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ	104
152	التوبہ:35	يَوْمَ يُحْمَى عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوَى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ هَذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنْفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُونَ	105
152	البقرۃ:219	وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ	106
153	القلم:04	وَإِنَّكَ لَعَلَى خُلُقٍ عَظِيمٍ	107
154	النساء:29	يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ	108
154	التوبہ:103	خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَهُمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ	109
156	النساء:01	يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا	110
157	الھود:91	قَالُوا يَا شُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيرًا مِمَّا تَقُولُ وَإِنَّا لَنَرَاكَ فِينَا ضَعِيفًا وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنَاكَ وَمَا أَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيزٍ	111
157	النور:32	وَأَنْكِحُوا الْأَيَامَى مِنْكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ إِنْ يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ	112
157	النور:02	الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ	113
160	الروم:21	وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ	114
160	الاعراف:189	هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ	115
161	بنی اسرائیل:	وَآتِ ذَا الْقُرْبَى حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا	116

		26	
117	يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ	الحجرات:13	161
118	يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ	التحریم:06	162
119	وَقَضَى رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا Oوَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا	بنی اسرائیل: 24-23	165
120	وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا	الاحقاف:15	165
121	وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ	النساء:19	166

فہرست احادیث

فہرست احادیث

	يقض به الصالحون، فإن شئت فتقدم، وإن شئت فتاخر، ولا ارى التاخر إلا خيرا لك، والسلام عليكم	
92	المؤمن القوي،خير واحب إلى الله من المؤمن الضعيف	15
96	الهم انى اسئلک الهدیٰ والتقی والعفاف والغنی	16
98	كاد الفقر ان يكون كفرا وكاد الحسد ان يغلب القدر	17
99	ما الإحسان؟ قال: ان تعبد الله كانك تراه فإن لم تكن تراه فإنه يراك	18
101	خيرالناس انفعهم للناس	19
101	من نفس عن مؤمن كربة من كرب الدنيانفس الله عنه كربة من كرب يوم القيامتومن سترمسلماًستره الله فى الدنياوالآخره الله فى عون العبدماكان العبدفى عون اخيه	20
104	عن العلاء بن الحضرمي ، قال:“بعثني رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى البحرين، او إلى هجر، فكنت آتي الحائط يكون بين الإخوة يسلم احدهم، فآخذ من المسلم العشر، ومن المشرك الخراج	21
104	فرض رسول الله صلى الله عليه وسلم زكاة الفطر صاعا من تمر او صاعا من شعير على العبد , والحر، والذكر , والانثى , والصغير , والكبير من المسلمين، وامر بها ان تؤدى قبل خروج الناس إلى الصلاة	22
104	عن ابى سعيد الخذرى رضى الله عنه يقول:كنا نخرج زكاة الفطرصاعامن طعام اوصاعامن شعيراوصاعامن تمراوصاعامن اقط اوصاعامن زبيب	23
105	من كان له سعة ولم يضح، فلا يقربن مصلانا	24
105	افضل الصدقة ما ترك غنى، واليد العليا خير من اليد السفلى، وابدا بمن تعول	25
106	فاعلمهم ان الله افترض عليهم صدقة في اموالهم تؤخذ من اغنيائهم وترد على فقرائهم	26
107	التاجر صدوق الامين مع النبيين والصديقين والشهداء	27
107	ان التجاريحشرون يوم القامته فجاراًالامن اتقى وصدق وبر	28
107	ثلاثة لا يكلمهم الله ولا ينظر إليهم يوم القيامة، ولا يزكيهم، ولهم عذاب اليم، قلت: من هم يا رسول الله قدخابوا وخسروا؟ فاعادها ثلاثا ، قلت: من هم يا رسول الله خابوا وخسروا؟ فقال: المسبل، والمنان، والمنفق سلعته بالحلف الكاذب او الفاجر	29
107	فإن صدقا وبينا، بورك لهما في بيعهما، وإن كتما وكذبا، محقت بركة بيعهما	30
108	ان الله تبارک وتعالیٰ رفيق يحب الرفق ويرضى به ويعين عليه مالايعين على العنف	31
108	رحم الله رجلا سمحا اذاباع واذا اشتریٰ واذااقتضیٰ	32
110	المسلم اخو المسلم لا يظلمه ولا يسلمه، ومن كان في حاجة اخيه كان الله في	33

	حاجته، ومن فرج عن مسلم كربة فرج الله عنه كربة من كربات يوم القيامة، ومن ستر مسلما ستره الله يوم القيامة	
34	الحلال بين , والحرام بين	110
35	عن ابن مسعود، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: '' لا تزول قدما ابن آدم يوم القيامة من عند ربه حتى يسال عن خمس: عن عمره فيم افناه، وعن شبابه فيم ابلاه، وماله من اين اكتسبه، وفيم انفقه، وماذا عمل فيما علم '' , قال ابو عيسى: هذا حديث غريب لا نعرفه من حديث ابن مسعود، عن النبي صلى الله عليه وسلم إلا من حديث الحسين بن قيس، وحسين بن قيس يضعف في الحديث من قبل حفظه، وفي الباب عن ابي برزة , وابي سعيد	111
36	إخوانكم خولكم جعلهم الله تحت ايديكم، فمن كان اخوه تحت يده فليطعمه مما ياكل وليلبسه مما يلبس، ولا تكلفوهم ما يغلبهم، فإن كلفتموهم فاعينوهم	128
37	ولا تكلفوهم ما يغلبهم، فإن كلفتموهم فاعينوهم	129
38	إخوانكم جعلهم الله تحت ايديكم , فاطعموهم مما تاكلون , والبسوهم مما تلبسون , ولا تكلفوهم ما يغلبهم , فإن كلفتموهم فاعينوهم	129
39	قال: فخدمته في السفر والحضر، ما قال لي لشيء صنعته لم صنعت هذا هكذا، ولا لشيء لم اصنعه لم، لم تصنع هذا هكذا	129
40	قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:'' إذا جاء خادم احدكم بطعامه , فليقعده معه، وليناوله منه، فإنه هو الذي ولي حره ودخانه	130
41	ان رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال:'' إنكم تختصمون إلي ولعل بعضكم الحن بحجته من بعض،فمن قضيت له بحق اخيه شيئا بقوله فإنما اقطع له قطعة من النار، فلا ياخذها	132
42	عن النبي صلى الله عليه وسلم، قال:قال الله تعالى:'' ثلاثة انا خصمهم يوم القيامة: رجل اعطى بي ثم غدر، ورجل باع حرا فاكل ثمنه، ورجل استاجر اجيرا فاستوفى منه ولم يعطه اجره	133
43	قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:'' اعطوا الاجير اجره قبل ان يجف عرقه	133
44	ذكر أصناف المال حتّى رأينا أنّه لا حق لأحد منّا في الفضل	135
45	كاد الفقر ان يكون كفرا وكاد الحسد ان يغلب القدر	136
46	ما بعث الله نبيا إلا رعى الغنم، فقال اصحابه: وانت؟ فقال: نعم، كنت ارعاها	138

	على قراريط لاهل مكة	
138	لان ياخذ احدكم حبله فياتي بحزمة الحطب على ظهره فيبيعها فيكف الله بها وجهه، خير له من ان يسال الناس اعطوه او منعوه	47
138	ما اكل احد طعاما قط، خيرا من ان ياكل من عمل يده، وإن نبي الله داود عليه السلام، كان ياكل من عمل يده	48
143	المومن للمومن كالبنيان يشدبعضه بعضاً	49
143	الإيمان ان تؤمن بالله وملائكته وبلقائه ورسله وتؤمن بالبعث	50
144	من راى منكرا فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلبه، وذلك اضعف الإيمان	51
149	لو كان لابن آدم واديان من مال لابتغى ثالثا، ولا يملا جوف ابن آدم، إلا التراب،ويتوب الله على من تاب	52
150	الدين النصيحة، قلنا: لمن؟ قال: لله، ولكتابه، ولرسوله، ولائمة المسلمين، وعامتهم	53
151	لا يؤمن احدكم حتى يحب لاخيه ما يحب لنفسه	54
151	اللهم انى اسالك الهدى واتقى والعفاف والغنىٰ	55
158	ان رجلا من اسلم اتى رسول الله صلى الله عليه وسلم، فحدثه انه قد زنى، فشهد على نفسه اربع شهادات، فامر به رسول الله صلى الله عليه وسلم فرجم، وكان قد احصن	56
161	نعم، لها اجران اجر القرابة واجر الصدقة	57
162	اكرموا اولادكم , واحسنوا ادبهم	58
163	ان رجلا سال النبي صلى الله عليه وسلم ما حق المراة على الزوج؟، قال:“ ان يطعمها إذا طعم،وان يكسوها إذا اكتسى، ولا يضرب الوجه، ولا يقبح، ولا يهجر إلا في البيت	59
164	ان هندبنت عتبة،قالت:يا رسول الله،إن اباسفيان رجل شحيح وليس يعطيني مايكفيني وولدي إلا ما اخذت منه وهو لا يعلم، فقال: خذي ما يكفيك وولدك بالمعروف	60
164	كلكم راع وكلكم مسئول عن رعيته، الإمام راع ومسئول عن رعيته، والرجل راع في اهله وهو مسئول عن رعيته، والمراة راعية في بيت زوجها ومسئولة عن رعيتها	61
166	من كانت له انثى فلم يئدها ولم يهنها ولم يؤثر ولده عليها، قال يعني الذكور ادخله	62

	الله الجنة	
63	الك ولد سواه؟ قال: قلت: نعم، قال: فكلهم اعطيت مثل ما اعطيت النعمان؟ قال: لا، قال فقال بعض هؤلاء المحدثين: هذا جور	166

مصادر و مراجع

مصادرو مراجع

1. القران الکریم
2. ابن الاثیر، الجزری، مبارک بن محمد، النھایہ فی غریب الحدیث والاثر، المکتبہ الاسلامیہ لصاحبھا الحاج ریاض الشیخ، س ن
3. ابن خلدون، تاریخ ابن خلدون، داراحیاء التراث العربی، بیروت، س ن
4. ابن کثیر، عمادالدین، تفسیر ابن کثیر (مترجم مولانا محمد صاحب جوناگڑھی)، شمع بک ایجنسی اردو بازار لاہور، س ن
5. ابن ماجہ، محمد بن یزید، ابو عبداللہ، القزوینی، الامام، السنن، دارالفکر، بیروت، ۲۰۰۳ء
6. ابن منظور، جمال الدین، ابوالفضل محمد بن مکرم، لسان العرب، دار حیاء التراث العربی، بیروت لبنان، ۱۳۹۰ھ
7. ابن ھشام، عبدالملک بن ھشام، السیرۃ النبویۃ، مکتبہ ومطبعۃ مصطفیٰ البابی، ط الثانیہ مصر، 1375ھ
8. ابوالفضل مولانا عبدالحفیظ بلیاوی، مصباح اللغات، مکتبہ قدوسیہ اردو بازار لاہور، جولائی، 1999ء
9. ابوسالم، معاشیات کی اہمیت وماہیت، انجمن ترقی اردو ہند، دہلی، 1945ء
10. ابوداؤد، سلیمان بن اشعث، السجستانی، السنن، بیت الافکار، ریاض، 1998ء
11. ابولقاسم، سلیمان بن محمد احمد بن ایوب، المعجم الاوسط الطبرانی، مکتبہ المعارف الریاض، 1988ء
12. افغانی، شمس الحق، سرمایہ دارانہ اور اشتراکی نظام کا اسلامی معاشی نظام سے موازنہ، دارلبحوث والدعوۃ الاسلامیۃ، کوہاٹ، ط 1983ء
13. امینی، محمد تقی، مولانا، لامذہبی دور کا تاریخی پس منظر، مکی دارالکتب اردو بازار، لاہور، ط 1996ء
14. انصاری، جاوید اکبر، ڈاکٹر، دروس سرمایہ داری ایک تعارف، الغزالی پبلیشر اینڈ ڈسٹریبیوٹر اردو بازار، کراچی، 2021ء
15. انصاری، جاوید اکبر، ڈاکٹر، سرمایہ داری کے نقیب، لیگسی بکس سیکنڈ فلور مکہ سنٹر نیو اردو بازار، لاہور، 2019ء
16. اوصاف احمد، ڈاکٹر، علم معاشیات اور اسلامی معاشیات، ایفا پبلیکیشنز، نئی دہلی، 2009ء
17. ایف ڈبلیو ٹاسگ، اصول معاشیات، (مترجم مولوی رشید احمد)، دارالطبع جامعہ عثمانیہ، حیدر آباد دکن، ط 1937ء
18. ایم، اے قاسم، حکیم، حضور صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت ماہر معاشیات، علم و عرفان پبلیشرز، لاہور، 2003ء
19. باقر الصدر، سید، اسلامی اقتصادیات اور جدید اقتصادی مکاتب، (مترجم سید ذیشان حیدر)، ناشر سازمان تبلیغات اسلامی، روابط بین الملل، 1406ھ
20. بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، بیت الافکار الدولیۃ للنشر والتوزیع، ریاض، سعودیۃ، 2005ء
21. بھنڈر، عمران شاہد، لبرل ازم پوسٹ ماڈرن ازم مارکسزم، کتاب محل اردو بازار، لاہور، س ن

22. البیہقی، أبو بکر أحمد بن الحسین بن علی، السنن الکبری، مجلس دائرۃ النظامیۃ، حیدرآباد، الہند، ۱۳۴۴ھ

23. التبریزی، الخطیب، ولی الدین ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ، مشکاۃ المصابیح، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۲۴ھ

24. ترمذی، ابو عیسی محمد بن عیسی، الجامع سنن الترمذی، دار لفکر، بیروت، لبنان، 2005ء

25. جارج سئول، عظماء کے معاشی نظریات، (مترجم ایم اختر، غلام رسول مہر)، وائیکنگ پریس، 1952ء

26. جالبی، جمیل، ڈاکٹر، قومی اردو انگلش ڈکشنری، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، 1994ء

27. الجرجانی، علی بن محمد، کتاب التعریفات، مکتبہ انتشارات ناصر خسرو طہران، ایران، س ن

28. الجزری، عزالدین بن الاثیر، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابۃ، مکتبہ دار الفکر، بیروت، س ن

29. الجوہری، ابی نصر، اسماعیل بن حماد، الصحاح تاج اللغۃ والصحاح العربیۃ، دار لحدیث القاہرہ، 1430ھ

30. چیمہ، غلام رسول، پروفیسر، اسلام کا معاشی نظام، علم و عرفان پبلیشرز، لاہور، ط 2007ء

31. الحجی الکردی، احمد، القواعد الفقہیۃ الکلیۃ، فی وزارۃ الاوقف والشوون الاسلامیہ بدولۃ الکویت، س ن

32. خالد علوی، ڈاکٹر، اسلام کا معاشرتی نظام، الفیصل ناشران و تاجران: لاہور، 2005ء

33. خان بہادر، و محمد یوسف، حاجی، اشتراکیت اور اسلام، ہمدرد برقی پریس، دہلی، س ن

34. خاں، محمد فاروق، مادیت اور روحانیت، اسلامک پبلیکیشنز پرائیویٹ لمیٹڈ، لاہور، ط اول، 1988ء

35. ڈار، عبد الحمید، پروفیسر، و دیگر، اسلامی معاشیات، مرکزی کتاب خانہ، لاہور، 2014ء

36. زبیدی، محب الدین ابی، امام، تاج العروس من جواھر القاموس، دار الفکر، بیروت، لبنان، ۱۴۱۱ھ

37. زبیری، بلال، اسلامی حکومت اور سوشلزم، جھنگ ادبی اکیڈمی، جھنگ، 1972ء

38. زحیلی، الدکتور وھبہ الزحیلی، الفقہ الاسلامی و ادلتہ، دار الفکر بیروت، الطبعۃ الاولی، 1993ء

39. سیوہاروی، حفظ الرحمٰن، مولانا، اسلام کا اقتصادی نظام، ندوۃ المصنفین، دہلی، 1951ء

40. شاہ ولی اللہ، الدہلوی، حجۃ اللہ البالغہ، ناشر المکتبہ السلفیہ، لاہور، س ن

41. الشرباصی، احمد، الدکتور، المعجم الاقتصادی الاسلامی، ناشر دار الجیل، ط 1401ھ

42. صدیقی، محمد نعیم، ڈاکٹر، اسلام اور جدید معاشی تصورات، ناشر مکتبہ دانیال ندیم یونس پرنٹرز، لاہور، 2015ء

43. صدیقی، سعید احمد، معاشی تجزیہ، اورینٹ پبلیشرز، کراچی، 1977ء

44. طبری، ابن جریر، جامع البیان عن آیات القرآن، ناشر دار المعارف قاہرہ، س ن

45. الطریقی، عبد اللہ بن عبد المحسن، الدکتور، الاقتصاد الاسلامی، مکتبۃ الملک فہد الوطنیۃ اثناء النشر، 1430ھ

46. عباسی، محمد حسیب، اسلام اور جدید افکار، مکتبہ دانیال، لاہور، س ن

47. عبد الغفار، سرمایہ دارانہ نظام کی ماہیت اور اسلامی سیاست پر اس کے اثرات، ناشر پبلیشر الاضواء شیخ زاہد اسلامک سنٹر یونیورسٹی آف لاہور، 2020ء

48. عبد الوحید، خواجہ، اشتراکیت اور اسلام اقبال اکیڈمی، لاہور، س ن

49. عثمان غنی، پروفیسر، ونذیر احمد، پروفیسر، اسلامی تمدن و تاریخ، ناشر لکی بک سنٹر اردو بازار، لاہور، 1990ء

50. عثمانی، محمد تقی، مفتی، اسلام اور جدید معیشت و تجارت، مکتبہ معارف القرآن، کراچی، 2012ء

51. عثمانی، محمد شفیع، مفتی، معارف القرآن، ناشر ادارۃ المعارف، کراچی، 1996ء

52. عثمانی، محمد تقی، مفتی، تکملۃ فتح الملہم، مکتبۃ دار العلوم کراتشی، س ن

53. عصمت اللہ، ڈاکٹر، زر کا تحقیقی مطالعہ (شرعی نقطہ نظر سے)، ادارہ المعارف، کراچی، 2009ء

54. غازی، محمود احمد، ڈاکٹر، محاضرات تجارت و معیشت، ناشر الفیصل ناشران کتب، لاہور، ط 2017ء

55. غزالی، محمد بن محمد، امام، کیمیائے سعادت، مکتبہ السلفیہ، لاہور، س ن

56. غفاری، نور محمد، ڈاکٹر، نبی کریم ﷺ کی معاشی زندگی، مرکز دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، لاہور، جنوری 1999ء

57. غلام باری، معاشیات کا مطالعہ، مکتبہ اردو لاہور، 1949ء

58. فیروز آبادی، محمد بن یعقوب، اللغوی، العلامۃ، القاموس المحیط، مکتبہ تحقیق التراث فی مؤسسۃ الرسالۃ، س ن

59. القادری، طاہر، ڈاکٹر، اقتصادیات اسلام (تشکیل جدید)، منہاج القرآن پرنٹرز لاہور، 2007ء

60. القرطبی، انصاری، محمد بن احمد، الجامع لاحکام القرآن، ناشر مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ، س ن

61. قرطبی، محمد بن احمد، ابوعبد اللہ، الجامع لاحکام القرآن، دار القلم، القاہرۃ، ۱۳۸۶ھ

62. قریشی، محمد طفیل، اقتصادی مسائل اور ان کا حل (شاہ ولی اللہ کی نظر میں)، یورپ اکیڈمی، اسلام آباد، 2005ء

63. مالک بن انس، الاصبحی، مؤطا الامام مالک، دار الاحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۹۸۵ء

64. الماوردی، ابو الحسن، علی بن محمد، الاحکام السلطانیہ والولایات الدینیہ، مکتبہ توقیفیہ، مصر، س ن

65. الماوردی، ابو الحسن علی بن محمد، نصیحۃ الملوک، دار الحریہ، عراق، ط 1986ء

66. مبارک پوری، صفی الرحمٰن، مولانا، الرحیق المختوم، (مولانا صفی الرحمٰن)، المکتبہ سلفیہ شیش محل روڈ لاہور، 2002ء

67. محمد احمد، حافظ، سرمایہ دارانہ نظام ایک تنقیدی جائزہ، الغزالی پبلیکیشنز، کراچی، 2009ء

68. محمد اقبال، علامہ، ڈاکٹر، علم الاقتصاد، اقبال اکادمی، لاہور، ط 1977ء

69. محمد امین الحق، سید، اسلام کا معاشی نظام اور معاشی نظریات، شعبہ تعلیم و مطبوعات محکمہ اوقاف، لاہور، 1970ء

70. محمد دین، ڈاکٹر، شاہ ولی اللہ اور ان کے اقتصادی نظریات، تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور، 1986ء

71. محمد قطب، اسلام اور جدید مادی افکار، (مترجم سجاد احمد کاندھلوی)، اسلامک پبلیکیشنز: لاہور، 1977ء

72. محمد قطب، اسلام اور جدید ذہن کے شبہات، ناشر البدر پبلیکیشنز، لاہور، 2010ء

73. محمد نعیم، ڈاکٹر، اسلام اور جدید معاشی تصورات، مکتبہ دانیال ندیم یونس پرنٹرز، لاہور، 2015ء

74. المصطفوی، علامہ، التحقیق فی کلمات القرآن الکریم، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ط2009ء

75. مودودی، ابوالاعلیٰ، معاشیات اسلام، اسلامک پبلیکیشنز لاہور، 1969ء

76. مورلینڈ، ڈبلیو، ایچ، مقدمہ معاشیات، (مولوی محمد الیاس برنی)، دارالطبع جامعہ عثمانیہ، حیدر آباد دکن، 1923ء

77. نجیب آبادی، خان، اکبر شاہ، تاریخ اسلام، دارالاندلس مرکز القادسیہ 4لیک روڈ چوبرجی، لاہور، س ن

78. ندوی، مسعود، مولانا، اشتراکیت اور اسلام، ادارہ معارف، لاہور، 1993ء

79. نسائی، احمد بن شعیب، ابوعبدالرحمٰن، سنن النسائی، دارالفکر، بیروت، ۲۰۰۵ء

80. نسائی، احمد بن شعیب، الخراسانی، ابوعبدالرحمٰن، السنن، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، 1406ھ

81. النووی، ابوزکریا، تحریر الفاظ التنبیہ، دارالکتب العلمیہ، بیروت، س ن

82. الہیثمی، نورالدین علی بن أبی بکر، مجمع الزوائد، دارالفکر، بیروت، س ن

English Books:

83. Adam Smith, An Inquiry into the Nature and Causes of the Wealth of Nations,Printed by J. J. Tourneisen,Mdccxci,1776
84. Amartya Sen,Development as freedom,Printed in the United States of America, 2000
85. Arthur O'Sullivan & Steven M. Sheffrin, Economics Principles in Action ,New Jersey Pearson Prentice Hall, 2003
86. Encyclopedia Britannica , William Benton Publishers, London, 1943
87. Hayek's,The Constitution of Liberty,Great Britain by Hobbs the Printers, 2010
88. John Locke, Two Treatises of Government ,publisher New York New American Library,USA,1963
89. John V.Van Sickles ; Benjamin A etc, Introduction to Economics, Nostrand company inc, New York
90. Joseph A.Schumpeter,Capitalism Socialism And Democracy,George Allen & Unwin Publishers Ltd,USA, 1976
91. Julien Offray de La Mettrie,L'Homme Machine,printed in the USA,1912
92. Kirk Hamilton and Cameron Hepburn, Oxford Review of Economic Policy, 2014
93. Louise O.Kelso and Martimer j.Adler,The Capitaist Mainfesto, Random House,New York,1958
94. Marshall, Alfred, Principles of Economics, McMillon London,1947
95. Muhammad Marmaduke Pickthall ,The Meaning of the Glorious Quran,Published by Qudrat Ullah Co,Lahore,
96. Rhona c. Free, 21st Century Economics: A Reference Hand book,SAGE Publications, 2010
97. Robbins Lionel,The Nature and Significance of Economics Science, Mcmillon London,1949
98. Samuel H. Beer, The Communist Manifesto,Published by Appleton Century Crofs,Inc, New York
99. Tom G, Palmer,Morality of Capitalism, published by Jameson books Inc,New York, 2011
100. William A. Darity Jr. International Encyclopedia of the Social Sciences,2nd edition, publisher Printed in the United States of America